ابنِ صفی

جلد نمبر 5

جاسوسی دنیا

15- آتشی پرندہ

16- خونی پتھر

17- بھیانک جزیرہ



پیش رس

جاسوسی دنیا کا پندرھواں ناول ''آتشی پرندہ'' ملاحظہ فرمائیے۔

اس بار خطوط کی تعداد بھی پہلے سے زیادہ ہے۔ مشورے، تنقید اور تنقیص یکساں انداز کی باتیں۔ لہٰذا ان کے بارے میں کیا لکھوں۔ البتہ ایک صاحب نے کراچی سے مجھے للکارا ہے کہ میں خوابِ غفلت میں کیوں پڑا ہوا ہوں۔ قوم کو سدھارنے کی کوشش بھی کروں۔ آپکا فرمانا بجا کہ میرے ہاتھ میں قلم ہے لیکن قوم اس قلم سے صرف کہانیوں کا نزول چاہتی ہے۔ اگر کبھی ایک آدھ جملہ کسی مثال کے طور پر بھی قلم سے رپٹ گیا تو قوم جھپٹ پڑتی ہے۔ ''آخر آپ کو سیاست میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔'' اور میں ہکا بکا رہ جاتا ہوں کہ قوم کو کیا جواب دوں۔ کیونکہ جواب دینے کے سلسلے میں ایک ضخیم کتاب لکھنی پڑ جائے گی۔ پہلے تو قوم کو یہ بتانا پڑے گا کہ سیاست ہے کیا چیز، پھر عرض کرنا پڑے گا کہ میرے اس حقیر جملے کو اس کسوٹی پر پرکھیے۔ اگر اس میں ذرہ برابر بھی سیاست پائی جاتی ہو تو جو لیڈر کی سزا وہ میری سزا...... اور پھر بھائی اگر ملک میں سیاست دانوں کی کمی ہو تو تھوڑا بہت کشت بھی اٹھالیا جائے۔ مجھے تو بس کہانیاں لکھنے دیجیے، میری لیڈری آپ بھی تسلیم نہیں کریں گے۔ پھر خواہ مخواہ قوم کا وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ۔ قوم کے لئے اسکے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتا کہ دعا کروں۔ ''اے اللہ اس قوم کو ایک آزاد اور منفرد قوم کی حیثیت سے ہمیشہ قائم رکھیو'' آخر میں ان صاحب نے پوچھا ہے کہ لیڈر کی صحیح تعریف کیا ہے؟ بڑا بے ڈھب سوال کیا ہے آپ نے۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ البتہ اکبر الہ آبادی نے اپنے زمانے کے لیڈر کی تعریف یوں کی ہے۔

یوسف کو نہ دیکھا کہ حسین بھی ہیں جواں بھی
شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

والسلام

ابن صفی

رقص

مے پول ہوٹل کی وسیع رقص گاہ روشنی کے طوفان میں ہچکولے لے رہی تھی۔ نئے سال کا یہ پہلا عظیم الشان رقص تھا۔ فرش پر مثبت اور منفی قوتیں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر رمبا ناچ رہی تھیں اور ان کے سروں پر لال پیلے، بنفشی نارنجی اور فالسی غبارے منڈلا رہے تھے۔ نیز سرگوشیاں اور ہلکے ہلکے کھنکتے ہوئے قہقہے ہال کی فضا میں ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔ آرکسٹرا دھیمے سروں میں بج رہا تھا۔

انور اور رشیدہ بہت دیر سے ناچ رہے تھے اور اب انور کچھ اکتا سا گیا تھا۔ رقص کے دوران ہی اُس نے اچانک رشیدہ کو گدگدا دیا اور وہ مچل کر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ بال بال بچی ورنہ ایک جوڑے سے بُری طرح ٹکرا جاتی۔ رشیدہ کو ہنسی بھی آ رہی تھی اور غصہ بھی۔ اُس کے اس رویہ پر کئی جوڑوں نے اُسے گھور کر دیکھا اور رشیدہ جھینپ کر ناچنے والوں کے مجمعے سے نکل گئی۔ انور بدستور اپنی جگہ پر سنجیدگی سے کھڑا اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے غباروں کو دیکھ رہا تھا۔ کئی جوڑے اُسے متحیرانہ انداز میں گھورتے ہوئے اس کے قریب سے گذر گئے اور وہ اس طرح کھڑا تھا جیسے وہ وہاں بالکل تنہا ہو۔ بہتیری رنگین مزاج عورتیں اسے للچائی ہوئی نظروں سے گھور رہی تھیں۔ آج وہ ضرورت سے زیادہ ''انسان'' نظر آ رہا تھا۔ لباس کے معاملے میں آج اس نے خاصی خوش سلیقگی اور نفاست برتی تھی۔ رشیدہ کا خیال تھا کہ وہ اسے آہستہ آہستہ ''انسان'' بنانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ آج وہ ہی اسے ضد کر کے یہاں لے آئی تھی اور خود اُسی نے اس کے سیاہ سوٹ کو اپنے ہاتھ سے پریس کیا تھا۔ لیکن اس کی اس حرکت سے وہ بُری طرح جھنجلا گئی تھی اور

اب تو اس کا غصہ اور بھی تیز ہوتا جارہا تھا۔ آخر یہ وہاں کھڑا کیا کررہا ہے؟ انور اس طرح اپنے اوپر اڑتے غباروں کو گھور رہا تھا جیسے اس کے جیب سے کوئی غبارہ نکل کر اُن میں جاملا ہو اور وہ اب اسے پہچان کر دوبارہ پکڑنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ دفعتاً آرکسٹرا خاموش ہوگیا؟ ہال میں قہقہے گونج اٹھے۔ رقص کرنے والے ایک دوسرے کے بازوؤں میں ہاتھ ڈالے میزوں کی طرف بڑھنے لگے۔

رشیدہ جھنجھلا کر انور کی طرف بڑھی۔

''تم پاگل ہوگئے ہو کیا۔''

''اوں......!'' انور چونک کر بولا۔ ''میں پاگل کب نہیں تھا۔''

''اگر یہ سب حماقتیں کرنی تھیں تو آئے کیوں تھے؟''

''بھلا اس میں حماقت کی کیا بات ہے۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''یہاں سب ہی ایک دوسرے کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے آتے ہیں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ سارے ہال والوں کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔''

''اگر متوجہ ہی کرنا تھا تو گدھے کی بولی بولنا شروع کردیتے۔''

''اور تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں ایسا نہ کروں گا۔'' انور نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ خوفزدہ ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ لوگ اب بھی اُنہیں گھورے جارہے تھے۔

''خدا کیلئے انسان بنو۔'' رشیدہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔ ''لوگ ہمیں احمق سمجھ رہے ہیں۔''

''تو اس سے ہماری شخصیت پر کیا فرق پڑتا ہے۔''

''ارے تو کیا یہیں کھڑے رہو گے۔'' رشیدہ زچ ہو کر بولی۔

''تو چلو نا......!''

دونوں ایک خالی میز پر بیٹھ گئے۔ رشیدہ خاموش تھی۔ انور نے ایک بیرے کو بلا کر اسے کافی کا آرڈر دیا۔ اُن دونوں کے قریب کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ انہیں ابھی تک تحیر آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کافی آئی۔ انور نے نظر بچا کر رشیدہ کی پیالی میں شکر کی بجائے نمک گھول دیا اور کافی کا ایک گھونٹ لے کر سگریٹ سلگانے لگا۔

رشیدہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے وہ انور کو پھٹکارنے کیلئے مناسب الفاظ تلاش کررہی ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک انور کو گھورتی رہی پھر اچانک بولی۔

''آدمی بنو آدمی......اس قسم کی حرکتیں سوسائٹی میں پسندیدگی سے نہیں دیکھی جاتیں۔ لوگ ابھی تک ہمیں مضحکہ خیز انداز میں گھور رہے ہیں۔ نہ جانے تم کب......!''

''یہ غبارے کتنے حسین لگ رہے ہیں۔'' انور نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''تمہارا سر......!'' رشیدہ نے جھلا کر کہا اور کافی کی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی لیکن دوسرے ہی لمحے پیالی والا ہاتھ پیالی سمیت جھٹکے کے ساتھ میز پر آرہا۔ کافی کا گھونٹ ابھی تک اس کے منہ میں تھا اور وہ انور کو گھور رہی تھی جو نہایت سنجیدہ اور انہماک کے ساتھ گیس بھرے غباروں کا جائزہ لے رہا تھا۔

رشیدہ نے بدقت تمام وہ گھونٹ حلق سے اتارا اور بے اختیار ہنس پڑی۔

اس ہنسی میں بیچارگی، جھنجھلاہٹ، لطف اندوزی سبھی کچھ شامل تھا۔ انور چونک کر اس کی طرف مڑا۔

''میں سچ کہتی ہوں انور کسی دن......!''

''تم آخر میرے پیچھے کیوں پڑگئی ہو۔'' انور جھنجھلا کر بولا۔

''خیر! چلو آج گھر چل کر تمہیں اس مکاری کا مزہ چکھاؤں گی۔''

''آخر بات کیا ہے۔''

''تم نے میری پیالی میں نمک......!''

رشیدہ جملہ پورا نہیں کرپائی تھی ایک معمر اور وجیہہ عورت ان کے قریب آکر کھڑی ہوگئی۔ اس نے سفید ساری پہن رکھی تھی اور گلے میں ایک بیش قیمت ہار تھا۔ کلائیوں میں سونے کی جڑاؤ چوڑیاں تھیں، چہرے پر عجیب قسم کی نرمی تھی جیسے مامتا کی زیادتی کے علاوہ اور کسی دوسری چیز سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ خدوخال سے ظاہر ہورہا تھا کہ جوانی میں بے مثال خوبصورتی کی مالک ہوگی۔ عمر کافی ڈھل جانے کے باوجود بھی اس میں جاذبیت موجود تھی۔

''بچو! اگر میں یہاں بیٹھ جاؤں تو......!'' عورت کچھ ہچکچاتی ہوئی بولی۔

"شوق سے شوق......!" رشیدہ نے خوش اخلاقی سے کہا۔

عورت ایک کرسی کھسکا کر بیٹھ گئی۔ انور اسے تنقیدی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"میں تم لوگوں میں بہت دیر سے دلچسپی لے رہی ہوں۔" عورت مسکرا کر بولی۔

لیکن اس کی مسکراہٹ میں تضحیک کا پہلو نہیں تھا۔ لہجے میں بزرگانہ شفقت کے آثار تھے۔

رشیدہ شرمیلے انداز میں مسکرا کر رہ گئی۔ لیکن انور کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک تھی۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں اس وقت تمہارے علاوہ اور کوئی کافی نہیں پی رہا ہے۔"

"ہم لوگ شراب نہیں پیتے۔" رشیدہ بولی۔

"خوب! خوب...... مجھے ایسے بچے پسند ہیں۔" عورت دبے ہوئے جوش کے ساتھ بولی۔

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رشیدہ نے اُسے گھور کر دیکھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ انور اس وقت کوئی کسیلی کڑوی بات کہے۔ عورت کے لہجے میں چھپا ہوا پیار اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا انور دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

"تمہاری کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" عورت نے رشیدہ سے کہا۔ انور اپنی پیالی خالی کر چکا تھا۔

"وہ......وہ...... کچھ نہیں ٹھیک ہے۔" رشیدہ جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اوہ تو میں یقیناً یہاں بیٹھ کر مخل ہوئی۔" عورت اٹھنے کا ارادہ کرتی ہوئی بولی۔

"نہیں......نہیں...... یہ بات نہیں۔" رشیدہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔

عورت بیٹھ گئی لیکن وہ انور کی طرف بار بار دیکھ رہی تھی، جو اکتائے ہوئے انداز میں جلدی جلدی سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔

"بات یہ ہے کہ اس کافی میں دو چمچے نمک ہے۔" رشیدہ مسکرا کر بولی اور انور کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ عورت مسکرا کر انور کی طرف مڑی۔ پھر دفعتاً ذرا بلند آواز میں بولی۔ "محمود! محمود میں ادھر ہوں۔"

رشیدہ نے مڑ کر دیکھا ایک آدمی ایک نوجوان عورت کے ساتھ ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ تھا تو جوان ہی لیکن اس کی چڑھی ہوئی گھنی مونچھوں نے اسے قبل از وقت معمر اور سنجیدہ بنا دیا

تھا۔ پیشانی کشادہ اور چمکدار تھی۔ لباس کے رکھ رکھاؤ سے خوش سلیقہ معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے ساتھ والی عورت خدوخال کے تیکھے پن کی وجہ سے مزاج کی چڑچڑی لگ رہی تھی۔ وہ دونوں آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔" عورت بڑی مونچھوں والے کی طرف مخاطب ہو کر بولی۔

"آپ لوگوں کی تعریف......!" وہ انور اور رشیدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

پھر دفعتاً انور پر نظر پڑتے ہی چونک اٹھا۔ وہ اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

"ان لوگوں سے یہیں ملاقات ہوئی ہے۔" معمر عورت بولی۔

اجنبی انور کو برابر گھورے جا رہا تھا۔ انور کی نگاہیں بھی اس پر جمی ہوئی تھیں۔ اجنبی کے انداز میں تحیر تھا۔ انور اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ اسے پہچانتا ہو لیکن اس کے اظہار میں پہل نہیں کرنا چاہتا۔

"آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔" اجنبی مسکرا کر آہستہ سے بڑبڑایا۔

انور مسکرانے لگا۔ رشیدہ اور وہ دونوں عورتیں انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

"تم اتنے باسلیقہ کب سے ہو گئے ہو۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"اور تم نے اپنے ہونٹ پر یہ ابابیل کب سے پالی ہے۔" انور نے پوچھا۔

اجنبی جھینپ کر اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"ارے تو کیا تم ایک دوسرے سے واقف ہو۔" معمر عورت گرمجوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"اس طرح جیسے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ سے۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ "میں تین دن سے اس کی تلاش میں ہوں۔"

"تو کیا یہ انور ہیں۔" معمر عورت متعجبانہ انداز میں بولی۔

"ہاں......!" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "انور! یہ میری چچی اماں رانی صاحبہ ہری پور ہیں اور یہ میری بیوی شاہدہ۔"

انور ان دونوں سے ہاتھ ملا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"آخر تم نے بھی شادی کر ہی ڈالی۔" اجنبی نے انور سے کہا۔

"تم غلط سمجھے...... یہ میری دوست خان بہادر رشیدہ خاں ہیں۔" انور نے کہا اور رشیدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ میرے کلاس فیلو محمود علی خاں ہیں۔ ہری پور کے جاگیر دار۔"

"رشیدہ......کون رشیدہ۔" رانی صاحبہ چونک کر بولیں۔ "کیا وہی جس نے داراب کو قتل کر کے دس ہزار کا انعام حاصل کیا تھا۔"

"جی وہی......!" انور مسکرا کر بولا۔

"تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" رانی صاحبہ گرم جوشی سے رشیدہ کا ہاتھ دباتی ہوئی بولیں۔ "لیکن یقین نہیں آتا......تم بہت پیاری بچی ہو! تم نے اسے کس طرح قتل کیا ہوگا۔"

"باقاعدہ مقابلہ کر کے......!" رشیدہ نے مسکرا کر کہا۔ "ایک بار ذرا سا چوکا تھا کہ میرے پستول کی گولی نے اس کا بھیجا اڑا دیا۔"

"تم واقعی دلیر لڑکی ہو۔"

انور نے دوبارہ کافی کا آرڈر دیا۔ محمود کی بیوی بدستور خاموش تھی۔ اس دوران میں اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ بھی نہ دکھائی دی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انور اور رشیدہ کو کمتر سمجھ کر اُن سے اکتا رہی ہو۔ کافی آئی لیکن اس نے اپنی پیالی الٹ کر رکھ دی۔ محمود کے چہرے پر غبار سا چھا گیا۔ شاید اسے اپنی بیوی کی یہ حرکت ناگوار گذری تھی۔

"یہ کافی نہیں پیتیں۔" محمود نے ندامت آمیز لہجے میں کہا اور اس کی بیوی ہونٹ سکوڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"بہت اچھا کرتی ہیں۔" انور نے لاپروائی سے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"تم میں واقعی حیرت انگیز تبدیلی ہوئی ہے۔" محمود نے انور سے کہا اور پھر رانی صاحبہ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "میرا اور ان کا لباس کا مقابلہ رہتا تھا۔ مگر یہ ظالم قیمتی سے قیمتی سوٹ اتنے بے ڈھنگے پن سے استعمال کرتا تھا کہ کلیجہ خون ہو جاتا۔ شرارتوں کی دھوم سارے کالج میں تھی۔"

"اور اس وقت بھی ایک شرارت ہی کی بناء پر مجھے ان کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔" رانی صاحبہ ہنس کر بولیں اور پھر انہوں نے پورا واقعہ دہرا دیا۔ محمود بے ساختہ ہنسنے لگا لیکن اس کی بیوی

بدستور منہ پھلائے بیٹھی رہی۔

"میں دراصل ایک مسئلہ پر غور کرنے لگا تھا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں یہ سوچ رہا تھا کہ آدمی اب سے ہزاروں سال پہلے ہی اچھا تھا۔ جب وہ ڈھولکوں کی تھاپ پر اچھل کود کر اُسے ناچ کہتا تھا۔ اس طرح کم از کم اُسکے جسم میں توانائی ہی آتی تھی۔ بھلا آج کے مہذب ناچ میں کیا رکھا ہے۔ آرکسٹرا کی روں روں اور گھوں گھوں کے ساتھ کیڑوں کی طرح رینگ رہے ہیں۔"

"یار تمہاری اس الٹی کھوپڑی نے تمہیں تباہ کیا ہے۔" محمود متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "ورنہ اتنی بڑی جائیداد......!"

"محمود پلیز......!" انور احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں پرانی باتیں سننا پسند نہیں کرتا۔"

"خیر......خیر......" محمود سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "اور سناؤ کیسی گذر رہی ہے۔"

"تم مجھے تلاش کیوں کر رہے تھے۔" انور نے پوچھا۔

"بھئی ایک بہت ہی اہم معاملہ ہے۔" محمود نے کہا اور رانی صاحبہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں اب بھی یہی کہتی ہوں کہ یہ کسی آدمی کے بس کا روگ نہیں۔" رانی صاحبہ متفکرانہ انداز میں بولیں۔

"ہم لوگ بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔" محمود رانی صاحبہ کا جملہ نظر انداز کر کے انور سے بولا۔ "ایک خوفناک پرندہ ہری پور والوں کی پریشانیوں کا باعث بنا ہوا ہے۔"

"پرندہ......!" انور ہنس کر بولا۔ "تم کیا مجھے چڑے مار تصور کرتے ہو۔"

"مذاق نہیں انور یہ بہت اہم معاملہ ہے۔" محمود نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ انور خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

"اُسے آتشی پرندہ کہنا چاہئے۔" محمود آہستہ سے بولا۔ "ایک ایسا پرندہ جس کے پروں سے آگ نکلتی رہتی ہے۔ اڑان کے انداز سے کبوتر معلوم ہوتا ہے۔" انور بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ رشیدہ بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"یار محمود تم ابھی تک ویسے ہی ہو۔ تمہاری شاندار غپیں اکثر یاد آیا کرتی ہیں۔" انور ہنس کر بولا۔

محمود جھنجھلا کر اُسے گھورنے لگا۔

"یہ حقیقت ہے۔" رانی صاحبہ سنجیدگی سے بولیں۔ "لیکن محمود کا یہ خیال غلط ہے کہ تم اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکو گے۔"

انور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"لیکن قصبے والے پریشان کیوں ہیں۔" انور نے کہا۔ اُس کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

"جس عمارت پر وہ اترتا ہے اس میں آگ لگ جاتی ہے۔" محمود نے کہنا شروع کیا۔

"اب تک کتنی پختہ عمارتوں اور متعدد جھونپڑوں میں آگ لگ چکی ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کوئی بھوت ہے، جو قصبے والوں کے پیچھے پڑ گیا ہے لیکن میں اسے تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔"

"کیوں؟ یقین نہ کرنے کی وجہ؟" انور نے پوچھا۔

"میں ان چیزوں کا قائل نہیں۔" محمود نے کہا۔

"تم نے اپنی آنکھوں سے اس پرندے کو دیکھا ہے۔"

"ہاں......دوبار......!"

"اور پھر بھی تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ کوئی خبیث روح نہیں ہے۔" انور نے پوچھا۔

"قطعی......!"

"آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔" انور رانی صاحبہ کی طرف مڑا۔

"میں یقیناً اُسے کوئی خبیث روح سمجھتی ہوں اس کے علاوہ اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔ میں نے آج تک کسی آتشی پرندے کے متعلق نہیں سنا اور پھر ایک پتھر کا مقبرہ بھی جلتا ہوا دیکھا گیا جس میں لکڑی یا کسی جلنے والی چیز کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ خالص پتھر کا مقبرہ۔" رانی صاحبہ خاموش ہو کر انور کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھنے لگیں۔

"تو کیا وہ پرندہ روز دکھائی دیتا ہے۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں......دوسرے تیسرے دن۔"

"اور کب سے نظر آنے لگا ہے۔"

"تقریباً پندرہ یا بیس یوم سے۔"

"آتشزدگی کے علاوہ کوئی اور حادثہ۔" انور نے پوچھا۔

"ابھی تک تو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوا۔"

"کبھی کسی نے اس پرندے کا تعاقب بھی کیا ہے۔"

"نہیں! کسی کی ہمت ہی نہیں پڑتی۔" رانی صاحبہ بولیں۔ "محمود نے کئی بار کوشش کی لیکن میں نے ایسا نہیں کرنے دیا۔"

"کیا وہ ہمیشہ ایک ہی سمت سے نمودار ہوتا ہے۔"

"لوگ یہی کہتے ہیں۔" محمود بولا۔ "وہ جنگل کی طرف سے آتا ہے۔ تم شائد ہری پور کبھی نہیں گئے۔ قصبے کے مشرقی کنارے سے کچھ دور ہٹ کر جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ یہ سلسلے کچھ دور کے بعد سے ناقابل عبور ہو گئے ہیں۔ میلوں تک کروندے کی کانٹے دار جھاریاں پھیلی ہوئی ہیں جنہیں پار کرنا ناممکن ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ منحوس پرندہ اسی طرف سے آتا ہے۔ ایک بار میں نے سوچا تھا کہ اس پر فائر کروں مگر چچی اماں نے سختی سے روک دیا۔"

انور کچھ سوچنے لگا۔ بقیہ لوگ اُسے گھور رہے تھے۔

"اور اس چڑیل کو کیوں بھول گئے۔" محمود کی بیوی شاہدہ تیوری چڑھا کر بولی۔

محمود چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کے انداز میں بیچارگی تھی۔ احتجاج تھا۔

رانی صاحبہ موقعے کی نزاکت کا احساس کر کے فوراً بولیں۔

"بہو رانی کا خیال کچھ اور ہے۔ ہری پور میں ایک دیوانی لڑکی بھی لوگوں کے خوف کی وجہ بنی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر کسی جن کا سایہ ہے اور وہی اس تباہی کی ذمہ دار ہے، جیسے ہی پرندہ دکھائی دیتا ہے اس لڑکی کی ڈراؤنی چیخیں اور دل ہلا دینے والے قہقہے سارے قصبے میں گونجنے لگتے ہیں۔"

"میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔" محمود نے آہستہ سے کہا۔

"آپ کیوں تسلیم کرنے لگے۔" شاہدہ زہرخند کے ساتھ بولی۔

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے پر اداسی سی پھیل گئی اور کوئی چھپا ہوا غم اُس کی آنکھوں میں کروٹیں لینے لگا۔

"وہ لڑکی کون ہے؟" انور نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ایک ڈاکٹر کی بہن ہے۔"

"ڈاکٹر کیسا آدمی ہے۔"

"اگر میں اُسے فرشتہ کہوں تو بیجا نہ ہوگا۔" رانی صاحبہ بولیں۔ "اس نے اپنی زندگی خدمت خلق کے لئے وقف کردی ہے۔ آج سے دو سال قبل وہ ہری پور میں آیا تھا۔ اس عرصے میں اس نے اپنی خدمات کی وجہ سے لوگوں کے دل جیت لئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کی دیوانی بہن سارے قصبے میں اودھم مچاتی پھرتی ہے کوئی کسی قسم کا اعتراض نہیں کرتا۔"

"کیا وہ ہری پور میں پاگل ہوئی ہے یا اس سے پہلے سے تھی۔"

"ڈاکٹر کا بیان ہے کہ وہ بچپن ہی سے ایسی ہے۔"

"لیکن تعجب ہے کہ ڈاکٹر اسے اس طرح آزادانہ پھرنے دیتا ہے۔" انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"وہ تو اُسے بعض اوقات باندھ کر رکھتا ہے لیکن وہ کسی نہ کسی طرح نکل جاتی ہے۔"

"ڈاکٹر کے خاندان کے دوسرے لوگ بھی وہیں ہری پور ہی میں رہتے ہیں۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں...... صرف وہ اور اس کی بہن۔ دو تین نوکر۔" رانی صاحبہ نے کہا۔

"وہ ملٹری میں ڈاکٹر تھا۔ کسی وجہ سے اس نے ملازمت چھوڑ دی۔ اکثر ہری پور میں بھی فوج کے آفیسر اس کے پاس آتے رہتے ہیں۔"

"اس کی مالی حالت کیسی ہے۔" انور نے پوچھا۔

"کافی مالدار آدمی ہے۔" رانی صاحبہ نے کہا۔ "ہری پور کے مضافات میں اس نے کچھ جائیداد بھی خریدی ہے۔"

انور کچھ سوچنے لگا۔

"تو اب تم چاہتے کیا ہو۔" اُس نے محمود سے پوچھا۔

"ہمارے ساتھ ہری پور چلو۔"

"معاملہ ہے تو دلچسپ۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اچھا خیر میں کوشش کروں گا۔"

"کوشش نہیں۔" محمود نے کہا۔ "تمہیں چلنا پڑے گا۔"

"چلونا......!" رشیدہ ٹھنک کر بولی۔ "میں تھوڑی تفریح چاہتی ہوں۔"

"اچھا تو کیا تم بھی چلو گی۔" انور بولا۔ "مگر تمہیں کسی نے نہیں مدعو کیا۔"

"ارے بھئی شوق سے......شوق سے...... مجھے بڑی خوشی ہوگی۔" محمود جلدی سے بولا۔

شاہدہ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ رشیدہ نے شاید اس کے خیالات بھانپ لئے تھے۔ لہٰذا وہ جلدی سے بولی۔

"ارے بھلا میں کہاں جا سکتی ہوں۔"

"کیوں......؟" رانی صاحبہ نے پوچھا۔

"یونہی! میں آج کل بہت مصروف ہوں۔"

"تمہیں تو چلنا ہی پڑے گا۔ تم بہت پیاری بچی ہو۔" رانی صاحبہ نے کہا۔

"نہ جانے کیوں میرا دل چاہا تھا کہ تم سے جان پہچان پیدا کروں۔ ویسے یہاں اور بھی میزیں خالی ہیں۔"

"خیر میں پرسوں ہری پور پہنچ جاؤں گا۔" انور نے کہا۔

"اور تنہا نہیں آؤ گے۔" رانی صاحبہ مسکرا کر بولیں۔

"رشو کی ذمہ داری میں نہیں لے سکتا۔ بعض اوقات یہ اس لڑکی سے بھی زیادہ پاگل ہو جاتی ہے، جس کا تذکرہ ابھی آپ لوگوں نے کیا تھا۔"

رشیدہ نے انور کو گھور کر دیکھا اور انور سگریٹ سلگانے لگا۔

"نہیں تم انہیں ضرور لاؤ گے۔" رانی صاحبہ نے کہا۔

"تمہاری مونچھیں بہت خوفناک ہیں۔" انور نے محمود سے کہا۔

"مضحکہ اڑانا شروع کر دیا تم نے۔" محمود مسکرا کر بولا۔

"لیکن ان حالات میں ان کا وجود غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔"

محمود پہلے تو کچھ نہیں سمجھا لیکن انور کی نگاہیں اپنی بیوی کی طرف اٹھی دیکھ کر وہ اس کے طنزیہ ریمارک کی تہہ تک پہنچ گیا۔

"خیر تو پرسوں تم ہری پور پہنچ رہے ہو۔" محمود گلا صاف کرتا ہوا بولا۔

''ہاں......آں......!'' انور نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ محمود زیادہ تر کالج کی پچھلی زندگی کے بارے میں گفتگو کررہا تھا۔

پراسرار لڑکی

دو دن بعد انور اور رشیدہ ٹرین پر بیٹھے ہوئے احمد نگر کی طرف جارہے تھے۔ احمد نگر ایک چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن تھا جہاں سے ہری پور کا فاصلہ آٹھ میل تھا۔ اسٹیشن سے قصبے تک ایک پختہ سڑک تھی جو قصبے والوں نے اپنی ضروریات کے لئے بنوائی تھی۔ رانی صاحبہ ہری پور کی ایک ترقی پسند عورت تھی۔ اس سڑک کی تعمیر میں ان کا سب سے بڑا حصہ تھا۔ کچھ اس ایک سڑک ہی پر منحصر نہیں، قصبے والوں کے آرام و آسائش کے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا تھا۔ قصبے میں متعدد جگہ بورنگ پائپ لگوائے تھے۔ ایک شفا خانہ اپنے خرچ سے تعمیر کرایا تھا۔ بچوں کے لئے چھوٹے چھوٹے کئی سکول قائم کئے تھے جہاں جدید طریقہ تعلیم رائج تھا۔ قصبے میں ایک ہائر سکنڈری سکول بھی تھا لیکن اس کا تعلق براہِ راست حکومت کے محکمہ تعلیم سے تھا۔ ویسے یہ سکول بھی رانی صاحبہ کی کوششوں سے قائم ہوا تھا اور وہ اس کی انتظامیہ کمیٹی کی صدر تھیں۔ بہرحال انہوں نے اس بات کی حتی الامکان کوشش کی تھی کہ ہری پور ایک ترقی یافتہ قصبہ سمجھا جائے۔ احمد نگر کے اسٹیشن پر محمود کار لئے موجود تھا جیسے ہی ٹرین رکی محمود کے ملازمین انور کے سامان پر ٹوٹ پڑے۔

''میں تو ڈر رہا تھا کہ کہیں تم اپنی پرانی عادت کے مطابق بھول نہ جاؤ۔'' محمود نے اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''تم خواہ مخواہ ڈر رہے تھے۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''ہم ایک ماہ کی چھٹی لے کر آئے ہیں اور چھٹی ختم کئے بغیر یہاں سے واپس نہ جائیں گے۔''

''بھئی خدا کی قسم تم نے یہ کہہ کر مجھ میں نئی زندگی ڈال دی ہے۔'' محمود اُسکا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔

''اسی لئے تو میں نے ایک ماہ کی چھٹی لی ہے تاکہ تم کم از کم ایک ماہ تک تو سکون کی زندگی بسر کرسکو۔'' انور ہنس کر بولا۔

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔''

''ظاہر ہے کہ مہمانوں کی موجودگی میں تم پر عتاب نازل ہونے کے امکانات کم ہوجائیں گے۔''

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اُس کے چہرے پر اضمحلال پھیل گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ان کی کار ہری پور کی طرف جارہی تھی۔

''تو تمہاری ازدواجی زندگی ناکام رہی۔'' انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

محمود اس کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ اس تذکرے سے پہلو تہی کرنا چاہتا ہو۔

''تمہارا اندازہ درست ہے۔'' وہ تھوڑی دیر بعد گلا صاف کرتا ہوا بولا ''شادی ایک قسم کا جوا ہے......اندھی چال۔''

''مجھے خوشی ہے کہ میں جواری نہیں ہوں۔'' انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

''لیکن عورت بہرحال ضروری ہے۔'' محمود پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''چاہے وہ بیوی ہو چاہے دوست۔''

رشیدہ نہ جانے کیوں خود بخود مسکرانے لگی۔

''جب رشو نہیں تھی تب بھی میں مطمئن تھا۔''

''لیکن آدمی نہیں تھے۔'' محمود نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ فخریہ انداز میں کار کے باہر دیکھنے لگی۔

''جسے تم آدمی سمجھتے ہو وہ آدمی تو میں اب بھی نہیں ہوں۔'' انور مسکرا کر بولا۔

''تو تم اب بھی مشین ہو۔'' محمود ہنس کر بولا۔ ''میں سمجھا تھا شائد اس عرصے میں نظریات تبدیل کردیئے ہوں گے۔''

''یہ نظریہ نہیں بلکہ میرا ایمان ہے۔'' انور جلے ہوئے سگریٹ کے ٹکڑے سے سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

رشیدہ اس گفتگو سے اکتا رہی تھی۔ اُسے خوف ہوا کہ کہیں یہ دونوں کسی فلسفہ میں نہ الجھ

جائیں اس لئے کہ قبل اس کے کہ محمود کوئی جواب دیتا وہ اس سے پوچھ بیٹھی۔

"کیا یہ سارا علاقہ ہری پور سے تعلق رکھتا ہے۔"

"جی ہاں......!" محمود نے کہا۔ "احمد نگر تو صرف ریلوے اسٹیشن کا نام ہے، ورنہ ادھر
سارا علاقہ ہری پوری کا زرعی علاقہ ہے۔"

"مجھے دیہات کی زندگی بہت پسند ہے۔"

"محض اس لئے کہ آپ شہر میں رہتی ہیں۔" محمود ہنس کر بولا۔ "اگر آپ خدانخواستہ کہ
دیہات سے متعلق ہوتیں تو کبھی ایسا نہ کہتیں۔"

"اُن تاڑ کے درختوں میں وہ تالاب کتنا حسین لگ رہا ہے۔" رشیدہ ایک طرف انگلی اٹھا
ہوئی بولی۔

"اس سے بھی اچھا لگ رہا ہے رشو......!" انور مسکرا کر بولا۔ "اب ہم بقول تمہارے کو
خشک بحث نہ چھیڑیں گے ورنہ تم کسی جگالی کرتی ہوئی بھینس کی طرف انگلی اٹھا کر کہو گی......
دیکھو ملکہ صحرا پان چبا رہی ہے...... کسی بندر کی طرف اشارہ کر کے کہو گی وہ دیکھو راجکمار آوا
ہو گیا...... کسی گیدڑ......!"

محمود بے اختیار ہنس پڑا اور رشیدہ جھلا کر انور کو گھورنے لگی۔

"میں سچ کہتا ہوں کہ یہ آدمی نہیں ہے۔" محمود نے کہا۔

"بنتے ہیں۔" رشیدہ منہ سکوڑ کر بولی۔ "اپنے کو عام آدمیوں سے الگ تھلگ ظاہر کرنے
خبط ہو گیا ہے۔"

"دیکھو یہ فرق ہوتا ہے بیوی اور دوست میں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "رشو کتنی آزادی سے
میرے متعلق اظہار خیال کر رہی ہے۔"

"اچھا بس چپ رہو۔" رشیدہ بگڑ کر بولی۔

"چپ ہو گیا۔" انور نے کہا اور محمود کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ محمود ان کی لڑائی میں کافی
دلچسپی لے رہا تھا۔

"اگر تمہاری بیوی تمہیں کسی اجنبی کے سامنے ڈانٹ دیتی۔" انور مسکرا کر بولا۔ "تو تمہارا

کیا عزت ہوتی؟ نہ تو تم اسے کچھ کہہ سکتے اور نہ برداشت ہی کر سکتے۔ محض اس لئے کہ آج کا
آدمی قدامت اور نئی تہذیب کی درمیانی دلدل میں بُری طرح پھنسا ہوا ہے۔ ایک طرف تو اُسے
آج کی مساوات کھینچتی ہے اور دوسری طرف صدیوں پرانا ضمیر، جو عورت کی حکومیت کا عادی ہو چکا
ہے۔ ذہن کے چور دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے۔ نتیجہ قہر درویش بر جانِ درویش۔ تپ دق
میں مبتلا ہو جائے نہ آپ صحیح معنوں میں مساوات برت سکتے ہیں اور نہ کھلم کھلا عورت پر اپنی
حاکمیت جتا سکتے ہیں۔ بس گھٹتے رہیے۔ اس کے برخلاف اگر عورت بیوی کے بجائے دوست
ہے تو اس قسم کی الجھنیں پیدا ہی نہیں ہونے پاتیں۔ یقین کرو میں اور رشیدہ ایک دوسرے کی پٹائی
تک کر بیٹھتے ہیں لیکن ہمارے تعلقات ناخوشگوار نہیں ہوتے۔"

"پھر تم نے فضول بکواس شروع کی۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔

"اررر...... لاحول...... لا...... اچھا محمود اب بس۔" انور اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتا ہوا بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر محمود بولا۔

"میں تم سے بالکل متفق ہوں۔ سچ مچ آج کی ازدواجی زندگی بہت بھیانک ہے اور تم نے
اس کی جو وجہ بتائی ہے اُسے میں درست سمجھتا ہوں۔ یہی الجھاوا مجھے خاموش رکھتا ہے اور میں
سارے خاندان میں رن مرید مشہور ہو گیا ہوں اور مجھے رن مرید کہنے والے جاہل نہیں بلکہ اعلیٰ
تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔"

"تعلیم یافتہ" انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "یہ سب جاہل ہیں، انہیں میں کتوں اور سُوروں سے
بھی بدتر سمجھتا ہوں۔ ان میں کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ نہ یہ خود کو پہچان سکتے ہیں
اور نہ دوسروں کو۔"

محمود خاموشی سے سگریٹ پیتا رہا۔

"اور میرا خیال ہے کہ تم بھی انہیں لوگوں کی صف میں آتے ہو۔" رشیدہ بولی۔

"میں تمہارے خیال کی قدر کرتا ہوں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "اور آئندہ بھی کرنے کی کوشش
کروں گا۔"

تھوڑی دیر بعد کار قصبے میں داخل ہو رہی تھی۔

یہاں چاروں طرف بڑی بڑی نئی اور پرانی عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ راستوں اور گلیوں میں گندگی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ محمود کا مکان جو قصبے کے مغربی کنارے پر واقع تھا قصبیں ''حویلی'' کے نام سے مشہور تھا۔ یہ حویلی تین یا چار مربع فرلانگ میں پھیلی ہوئی تھی۔ درمیان میں قدیم وضع کی ایک شاندار عمارت تھی اور چاروں طرف قد آدم چہار دیواری تھی، جو مختلف قسم کے باغوں کے گرد احاطہ کئے ہوئے تھی۔

احاطے میں کار داخل ہوتے ہی کئی نوکر اٹھ کر کار کی طرف دوڑے۔

''ذرا ان کی حماقت اور فرمانبرداری دیکھو۔'' محمود مسکرا کر بولا۔ ''ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اگر یہ اس طرح دوڑیں گے نہیں تو ہم برا مان کر واپس چلے جائیں گے۔''

''تم جاگیرداروں کی عجیب حالت ہے۔ ایک طرف تو تم یہ چاہتے ہو کہ یہ تمہارے مقابلے میں احساس کمتری میں مبتلا رہیں اور دوسری طرف ان کا احساس کمتری مضحکہ خیز بھی معلوم ہوتا ہے۔''

''یار تم تو بات بات پر تنقید کرنے لگتے ہو۔''

نوکروں نے کار کے ساتھ ساتھ دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ کار ایک بہت ہی طویل وعریض برآمدے کے سامنے جا کر رکی۔ رانی صاحبہ برآمدے ہی میں موجود تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ رشیدہ کو اندر لے گئیں۔

اُسی دن شام کو رشیدہ محمود اور انور پائیں باغ میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ محمود کی بیوی کسی بات پر جھنجھلا کر اُن کے پاس سے اٹھ گئی تھی اور انور اس پر محمود کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔

''یار مجھے تو دماغ کا ایک آدھ اسکریو ڈھیلا معلوم ہوتا ہے۔''

''تم سچ کہتے ہو۔ میں پاگلوں میں گھرا ہوا ہوں۔'' محمود نے کہا۔

''اچھا اب ختم بھی کرو یہ قصہ۔'' رشیدہ انور کو گھور کر بولی۔

''صحیح معنوں میں رشیدہ صاحبہ کو مجھ سے ہمدردی ہے۔'' محمود نے کہا۔ ''وہ سمجھتی ہیں کہ یہ میرا ایک کمزور پوائنٹ ہے اور میں اس پر تبصرہ نہیں چاہتا۔''

''خیر..... گھبراؤ نہیں۔ مجھے اس چڑچڑے پن کی گہرائیوں میں کچھ نظر آ رہا ہے۔'' انور نے کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' محمود چونک کر بولا۔

''تمہاری کوئی غلطی یا شاہدہ کی غلط فہمی۔'' انور اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

محمود کے ہونٹوں پر بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ انور نے محسوس کیا کہ وہ کسی فوری جذبے کو دبانے کی کوشش کر رہا ہے؟ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ دراصل انور یہاں آ کر کچھ مضمحل سا ہو گیا تھا۔ یہاں کی پرسکون فضا اس کے ہنگامہ پسند مزاج کے لئے سازگار نہ تھی۔ ہر لحظہ زندگی میں ایک نئی تبدیلی کی توقع رکھنے والے ماحول کی یکسانیت کو پسند نہیں کرتے۔ وہ یہاں کبھی نہ آتا لیکن تجسس پسند طبیعت کھینچ ہی لائی۔ وہ بے چینی سے اندھیرا پھیلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

''ہاں بھئی.....!'' وہ تھوڑی دیر بعد محمود کو مخاطب کر کے بولا۔ ''کیا تم مجھے وہ جگہ بتا سکتے ہو جہاں سے وہ تمہارا آتشی پرندہ آتا ہے۔''

''اگر جگہ معلوم ہوتی تو تمہیں کیوں تکلیف دیتا۔''

''میرا مطلب سمت سے ہے۔ تم نے جنگلوں کے کسی سلسلے کا تذکرہ کیا تھا۔ کیوں نہ ہم لوگ ادھر ہی چلیں.....'' انور نے کہا۔

''اس وقت..... کمال کر دیا۔ ارے تھوڑی دیر بعد رات ہو جائے گی؟ اور رات کو اس طرف جانا خطرے سے خالی نہیں۔''

''اچھا تو کیا پھر تم نے محض اُس پرندے کی زیارت کے لئے یہاں بلایا تھا۔'' انور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''یہ بات نہیں! ابھی پچھلے ہی ہفتے اس طرف قتل کی ایک واردات ہو چکی ہے۔''

''قتل.....!'' انور دلچسپی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ ''کس کا قتل۔''

''مقتول یہاں کا باشندہ نہیں تھا۔''

''یعنی یہاں اس قصبے میں کوئی اُسے پہچان نہ سکا؟''

''ہاں.....!''

''معمولی حیثیت کا آدمی تھا۔'' انور نے پوچھا۔

''جب اُسے کوئی جانتا ہی نہیں تھا تو حیثیت کے متعلق کیا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔''

"تم میرا مطلب نہیں سمجھے۔" انور سگریٹ کی راکھ جھاڑتا ہوا بولا۔ "پوچھنا یہ ہے کہ وہ تمہاری طرح مہذب تھا یا تمہارے نوکروں کی طرح گنوار۔"

"میں نے اس کی لاش نہیں دیکھی تھی۔"

"ارے بھئی کچھ سنا تو ہوگا۔ اُس کا لباس کیسا تھا؟"

"چونکا دینے والا۔" محمود مسکرا کر بولا۔

"یعنی......!"

"وہ بالکل ننگا تھا......!"

"میں سنجیدگی چاہتا ہوں......!" انور تلخ لہجے میں بولا۔

"جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حقیقت ہے۔"

"پولیس کس نتیجے پر پہنچی۔"

"ابھی تک تو کسی نتیجے پر نہیں۔"

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً چونک پڑا۔ ابھی ابھی اس نے کچھ سنا تھا۔ اُس نے معنی خیز انداز میں محمود کی طرف دیکھا اور پھر پھاٹک کے قریب ایک نسوانی قہقہہ سنائی دیا۔ وحشیانہ قہقہہ۔ ایسا قہقہہ جس میں مسرت کے بجائے خوفناک قسم کا کھوکھلا پن تھا۔ ایسا قہقہہ جس میں کسی قسم کی تحریک کا شائبہ بھی نہ تھا۔

انور پھاٹک کی طرف مڑا۔ چوکیدار نے پھاٹک بند کر دیا تھا۔ ایک لڑکی سلاخیں تھامے پھاٹک کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ اُس نے دھانی رنگ کے ساٹن کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ انگارہ ہو رہا تھا اور بڑی بڑی آنکھیں اندھیری رات کے ستاروں کی طرح روشن تھیں۔ اس نے پھر قہقہہ لگایا۔ انور محمود کی طرف مڑا۔

"یہ وہی ہے۔" محمود آہستہ سے بولا۔ اُس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔

"کون......وہی پاگل لڑکی۔ جس کا تم نے تذکرہ کیا تھا۔"

محمود نے سر ہلا دیا۔

"چوکیدار کو کہو پھاٹک کھول دے۔" انور نے کہا۔

"نہیں......!"

"کیوں......!" انور اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"اگر اس کی جان لینا چاہتے ہو تو ضرور کھلوا دو۔"

"کیوں......!"

"اگر شاہدہ کو خبر ہوگئی تو وہ اسے شکاری کتوں سے نچوا ڈالے گی۔"

"کیوں......!"

"وہ کہتی ہے کہ جس دن اس نے ہمارے کمپاؤنڈ میں قدم رکھا میں اُس پر شکاری کتے چھوڑ دوں گی۔"

"اس کی وجہ۔"

"بھئی وجہ میں کیا جانوں۔" محمود اکتا کر بولا۔

"انور اٹھ کر پھاٹک کی طرف بڑھا۔ اُس کے اٹھتے ہی رشیدہ بھی اس طرح اٹھی جیسے وہ بھی انور ہی کے جسم کا ایک حصہ ہو۔ انور پھاٹک کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لڑکی کو قریب سے دیکھتے ہی وہ مبہوت ہوگیا۔ اس کی وحشت زدہ آنکھوں میں بلا کی کشش تھی اور ہونٹوں پر ایک بیباک مسکراہٹ چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ رشیدہ انور کے پیچھے کھڑی اُسے گھور رہی تھی۔

"تم کیا چاہتی ہو۔" انور نے پوچھا۔

"تمہارا سر......! تمہارے سنہری بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر تمہاری گردن اتار لوں گی اور پھر راستے بھر تمہارے کٹے ہوئے سر سے خون کے قطرے ٹپکتے جائیں گے۔ میں جگدمبے کی بیٹی ہوں۔ میرے گلے میں کھوپڑیوں کی مالا ہے۔"

"تم بہت خوبصورت ہو۔" انور آہستہ سے بولا۔

"تم بھی خوبصورت ہو۔" وہ قہقہہ لگا کر بولی۔ "خوبصورت مردوں کا خون بہت لذیذ ہوتا ہے۔ اس بڑی مونچھوں والے کو بھی یہاں بلاؤ۔ میں اس کے گالوں کا گوشت چباؤں گی۔"

انور نے مڑ کر دیکھا محمود اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا تھا۔

"ہٹاؤ بھی کیوں پاگل کے منہ لگتے ہو۔" رشیدہ آہستہ سے بولی۔

"اخاہ یہ کون رنگیلی ہے۔" لڑکی رشیدہ کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ "اس کی رگوں میں خون کی بجائے شہد معلوم ہوتا ہے۔ جاؤ اسے کھا جاؤ۔ اسکی بوٹیاں نوچ کر ہولے ہولے چباؤ۔"

"لیکن میں تو تمہاری بوٹیاں چبانا چاہتا ہوں۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"ادھر ہٹو......!" رشیدہ نے انور کا بازو پکڑ کر اُسے پیچھے دھکیل دیا اور خود لڑکی سے بولی

"جاؤ...... بھاگ جاؤ...... نہیں تو حویلی والے تمہارے پیچھے شکاری کتے چھوڑ دیں گے۔"

لڑکی نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور بولی۔ "تو کیا میں اس بڑی مونچھوں والے سے ڈرتی ہوں۔ وہ میرے پیر چاٹتا ہے اور میں کسی دن حویلی کو الٹ دوں گی۔ میں خود ایک شکاری کتیا ہوں۔ تمہاری گردن میں اپنے نوکیلے دانت چبھو کر خون چوس سکتی ہوں۔"

"بھاگ جاؤ...... بھاگ جاؤ...... میں سچ کہتی ہوں شکاری کتے تمہیں نوچ ڈالیں گے۔"

"میں اس سے نہیں ڈرتی۔" لڑکی سنجیدگی سے بولی۔ "میں تو چاہتی ہوں کہ میرے جسم کے پرخچے اڑ جائیں۔ خون کے فوارے اڑیں جب میں اپنی زخمی ہونٹوں پر زبان پھیروں تو نمکین خون...... نمکین خون۔" وہ اس طرح اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی جیسے سچ مچ اس کے ہونٹوں میں خون ہو۔

دفعتاً اندر سے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ رشیدہ نے پلٹ کر دیکھا۔ محمود کی بیوی شاہدہ تین خطرناک کتوں کی زنجیریں تھامے برآمدے سے اتر رہی تھی۔

"انور خدا کے لئے اسے بھگا دو......!" محمود چیخا۔

شاہدہ آہستہ آہستہ پھاٹک کی طرف آ رہی تھی۔

"وہ دیکھو......! وہ رہے کتے۔ جلدی بھاگو۔" رشیدہ نے سلاخوں سے باہر ہاتھ نکال کر اُسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"یہ حویلی الٹ جائے گی۔" لڑکی چیخ کر بولی۔ "میں نہیں جاؤں گی۔ میں ان کتوں کو کھا جاؤں گی۔"

انور پھاٹک کی طرف جھپٹا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ پھاٹک کے باہر تھا۔ چوکیدار نے پھر پھاٹک بند کر دیا۔ انور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا ایک طرف دوڑنے لگا۔ لڑکی پہلے تو لڑکھڑائی

پھر وہ بھی کوئی تعرض کئے بغیر اس کے ساتھ دوڑنے لگی۔

ادھر محمود اپنی بیوی سے الجھ پڑا۔

"کیا تم بھی پاگل ہو گئی ہو۔"

"میں اپنے معاملات میں دخل اندازی پسند نہیں کرتی۔" شاہدہ نے تلخی سے کہا۔

"لوگ کیا کہیں گے۔" محمود بے بسی سے بولا۔

"مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔"

"مگر...... وہ اندر کب آئی تھی۔"

"خیر کبھی تو ہاتھ لگے گی۔" وہ کتوں کو لے کر حویلی کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

"آخر کیوں؟" محمود بیساختہ بولا۔

شاہدہ قہر آلود انداز میں پلٹی اور شعلہ باز نگاہوں سے محمود کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر کتوں کی زنجیریں کھینچتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

آتشی پرندہ

انور لڑکی کا ہاتھ تھامے قصبے کے ویران حصے میں دوڑ رہا تھا۔

"ٹھہرو...... ٹھہرو...... سؤر کے بچے اب مجھ سے نہیں دوڑا جاتا۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

انور نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ ایک کھیت میں گر پڑی۔

"اگر میں اس وقت نہ ہوتا تو شکاری کتے تمہارا خاتمہ کر دیتے۔" انور کھیت کی مینڈھ پر بیٹھتا ہوا بولا۔

لڑکی بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تم کسی شکاری کتے سے کم ہو۔" لڑکی قہقہہ لگا کر بولی۔ "کیا تم مجھے نہیں نوچو گے۔"

"فی الحال تو ارادہ نہیں ہے۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"ایک سگریٹ مجھے بھی دو۔" لڑکی نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"کہیں اپنے کپڑوں میں آگ نہ لگالینا۔"

"کیا مجھے پاگل سمجھتے ہو۔"

"نہیں قطعی نہیں۔" انور اُس کی طرف سگریٹ کیس بڑھاتا ہوا بولا۔

لڑکی نے سگریٹ لے کر سلگایا اور پہلے ہی کش میں بُری طرح کھانسنے لگی۔

"تم بہت اچھے آدمی ہو۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "یہاں کے لوگ بہت بُرے ہیں۔ کوئی مجھ سے بات تک نہیں کرتا۔ عورتیں مجھے گھروں میں گھسنے نہیں دیتیں۔ بچے مجھ سے ڈرتے ہیں۔ میرا بھائی بہت ظالم ہے وہ مجھے زنجیروں میں جکڑ دیتا ہے۔"

"چہ چہ......!" انور ہمدردانہ انداز میں بولا۔ "واقعی بہت بُری بات ہے۔"

"میں کسی دن سب کو تباہ کردوں گی۔"

"ضرور......ضرور......لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے یہ بہروپ کیوں بھرا ہے۔"

"بہروپ......کیسا بہروپ......ضرور تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔"

دفعتاً انور کی نگاہ جنگل کی طرف اٹھ گئی۔ چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا تھا۔ اسے باتوں کی رو میں وقت کا بھی احساس نہیں رہ گیا تھا۔

"چلو تمہیں تمہارے گھر پہنچادوں۔" انور نے لڑکی سے کہا۔

"میں کوئی بچہ ہوں۔" وہ بگڑ کر بولی۔ "جب میرا دل چاہے گا خود چلی جاؤں گی۔"

دفعتاً انور چونک پڑا۔ جنگل کی طرف سے کوئی روشن اور متحرک چیز فضا میں پرواز کرتی ہوئی اسی طرف آرہی تھی۔ لڑکی نے ایک چیخ ماری اور بے تحاشہ جنگل کی طرف دوڑنے لگی۔ انور نے اسے پکڑنا چاہا لیکن پودوں کے جھکڑ میں الجھ کر گر پڑا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی کے قہقہے کہیں دور سنائی دے رہے تھے۔

چند لمحوں کے بعد پرواز کرتی ہوئی روشن چیز صاف دکھائی دینے لگی۔ یہ وہی آتشی پرندہ تھا جس کے لئے انور یہاں آیا تھا۔ اس کا جسم انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ اڑان سچ مچ کبوتر جیسی تھی۔ انور خائف تو نہیں ہوا لیکن حیرت کی زیادتی کی وجہ سے وہ اپنی جگہ پر جم سا گیا تھا۔

اُس کی زندگی میں یہ اپنی طرز کا انوکھا واقعہ تھا جسے وہ کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

دوسرے لمحے میں وہ اُس کے تعاقب میں دوڑ رہا تھا۔

پرندے نے پورے قصبے کا چکر لگایا اور پھر ایک عمارت کے گرد منڈلانے لگا۔ پورے قصبے میں سناٹا چھا گیا تھا۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ پرندہ اسی عمارت کا طواف کررہا تھا۔ دفعتاً اندر سے ایک آدمی ہاتھ میں رائفل لئے ہوئے نکلا۔ اُس کے ساتھ دو آدمی اور تھے جیسے ہی اُس نے رائفل اٹھائی دونوں آدمیوں نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔

"پاگل نہ بنو ڈاکٹر معلوم نہیں کیا حادثہ ہو۔" ایک بولا۔

"تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں بھی اپنا گھر جلتا ہوا دیکھوں۔" رائفل والا بولا۔

"پھر بھی یہ خطرناک ہے۔"

"میں ڈرپوک نہیں ہوں۔" رائفل والے نے کہا اور نال سیدھی کرنے لگا۔ اُن دونوں نے پھر اُسے روک دیا۔

پرندہ بدستور عمارت کا چکر لگا رہا تھا۔

انور آہستہ آہستہ اُن لوگوں کی طرف بڑھا۔ قبل اس کے وہ لوگ اس کی طرف مڑتے انور رائفل چھین چکا تھا۔ ان لوگوں کی حیرت رفع ہونے سے پہلے ہی اس نے پرندے پر گولی چلادی۔ ایک زبردست دھماکہ ہوا اور فضا میں بے شمار چنگاریاں منتشر ہوگئیں۔ پرندے کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ چنگاریاں زمین پر گرنے سے قبل ہی ٹھنڈی ہوگئیں اور پھر چاروں طرف ایک بے کراں سناٹا چھا گیا۔

"تم کون ہو۔" ایک آدمی انور کی طرف بڑھتا ہوا خوفزدہ آواز میں بولا۔

لوگ اپنے گھروں سے نکل کر اُن کے گرد اکٹھا ہونے لگے تھے۔

انور نے کوئی جواب دینے کی بجائے رائفل خاموشی سے اس کے ہاتھ میں تھمادی۔ کسی نے اس کے چہرے پر برقی ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

"آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔" کسی نے پوچھا۔

"حویلی کا ایک مہمان۔" انور پراطمینان لہجے میں بولا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"لیکن یہ آپ نے کیا کیا؟"

"تو کیا آپ لوگوں کو اس خوفناک پرندے سے محبت تھی۔" انور نے مسکرا کر پوچھا۔

"جی نہیں۔" ایک آدمی سخت لہجے میں بولا۔ "اب اگر ہمارے اوپر کوئی نئی مصیبت نازل ہوئی تو۔"

"مجھے اس کی توقع نہیں۔"

"لیکن یہ دھماکہ کیسا تھا۔" کسی نے کہا۔

"روایات کے مطابق شاید آج اس عمارت کی باری تھی۔" انور نے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" رائفل والا انور کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "میں آپ کا شکر گذار ہوں یہ لوگ مجھے کبھی گولی نہ چلانے دیتے۔"

پھر وہ انور کا ہاتھ پکڑ کر اُسے عمارت کے اندر لے جانے لگا۔

"آج یقیناً یہ عمارت راکھ کا ڈھیر ہوتی۔" وہ آدمی بولا۔ "مجھے قطعی اس بات کا خوف نہیں ہے کہ اب کیا ہوگا۔"

انور اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک طویل القامت اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ اپنے حلقوں میں ساکت آنکھیں اس کی دانشمندی اور ذہانت کا ثبوت دے رہی تھیں۔ لہجے میں ٹھہراؤ اور گفتگو کا پرسکون انداز مستقل مزاجی کا اظہار کر رہا تھا۔

"میں ڈاکٹر ہوں۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مجھے نصیر الرحمان کہتے ہیں۔"

"میرا نام انور سعید ہے۔"

"آپ یہاں کب آئے۔"

"آج ہی۔"

"آپ کو اس پرندے کے متعلق پہلے سے معلوم تھا۔"

"نہیں، اس قسم کا پرندہ میں نے آج پہلی بار دیکھا ہے۔" انور نے کہا۔

"اور ہم تو ہفتوں سے دیکھ رہے ہیں۔" ڈاکٹر نصیر مضمحل آواز میں بولا۔ "متعدد مکانات جل گئے۔"

"آپ کا اس پرندے کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"میرا خیال۔" ڈاکٹر نصیر فکرمند لہجے میں بولا۔ "قدیم اور جدید پرندوں کی تاریخ میں کہیں ایسے پرندے کا تذکرہ نظروں سے نہیں گذرا۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں کی طرح یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کوئی خبیث روح ہے۔ حقیقت تو یہ ہے انور سعید صاحب کہ میں خود ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔"

"اور اس دھماکے کے متعلق جو اُس پر گولی پڑتے ہی پیدا ہوا تھا۔"

"وہ بھی تحیر خیز تھا اور وہ چنگاریوں کا انتشار......" ڈاکٹر نے آہستہ سے کہا اور انور کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دوسرے کمرے میں اُسی پاگل لڑکی کا قہقہہ سنائی دیا اور ڈاکٹر کا چہرہ تاریک ہوگیا۔

"اوہ معاف کیجئے گا مسٹر انور۔" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "میں ابھی حاضر ہوا۔"

ڈاکٹر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور انور آرام کرسی پر دراز ہوگیا۔

لڑکی کے چیخنے اور قہقہے لگانے کی آوازیں برابر آرہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر واپس آ گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"وہ میری بہن تھی۔" ڈاکٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اُس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے اور میں بالکل بے بس ہوں۔ میں اس کے لئے کچھ نہ کر سکا۔"

"مجھے افسوس ہے اور ساتھ ہی آپ سے ہمدردی بھی۔" انور نے کہا۔ "میں اُس کے متعلق سن چکا ہوں کیا یہ صحیح ہے کہ وہ زنجیریں توڑ ڈالتی ہے۔"

ڈاکٹر خاموشی سے انور کو دیکھتا رہا پھر اچانک بولا۔

"قطعی غلط! لوگ مبالغہ آرائی کر رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہاں یہ افواہ بھی سنی جاتی ہے کہ وہ آتشی پرندہ کوئی آسیب تھا جس سے سلیمہ متاثر ہے۔ بات یہ نہیں ہے۔ میں خود تنگ آ کر اسے کھول دیتا ہوں۔ اُس کی دردناک چیخیں مجھ سے نہیں سنی جاتیں۔ انور صاحب میں اسے بہت چاہتا ہوں، وہ پاگل ضرور ہے لیکن آج تک اس نے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔"

"یہ کیفیت کب سے ہے؟" انور نے پوچھا۔

"بچپن ہی سے۔" ڈاکٹر کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"واقعی افسوس ناک بات ہے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ڈاکٹر بولا۔

"کیا آپ حویلی والوں کے کوئی عزیز ہیں۔"

"نہیں......محمود میرا دوست ہے۔ میں چھٹیاں گذارنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔"

"آپ یہاں پہلی بار آئے ہیں۔"

"جی ہاں......!" انور نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا اب اجازت دیجئے۔"

"مسٹر انور آپ کا احسان مند ہوں۔" ڈاکٹر نے اٹھ کر اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

انور باہر نکل آیا۔ چاروں طرف اتھاہ سناٹا تھا۔ مکانوں کی کھڑکیوں اور روشندانوں سے مدھم روشنی چھن رہی تھی۔ انور کے قدموں کی آواز سناٹے میں گونج رہی تھی۔ دفعتاً کتے بھونکنے لگے۔ دو ایک نے انور پر جھپٹنے کی بھی کوشش کی، لیکن وہ مدھم سروں میں سیٹی بجاتا ہوا نہایت اطمینان سے چلتا رہا۔ تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر سے کسی نے اُس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور قدموں کی آہٹیں اُس کے قریب آتی گئیں۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" کسی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"کون محمود......!" انور رک کر بولا۔

"میں تمہاری تلاش میں نکلا تھا۔" محمود نے کہا۔ "چچی اماں بہت ناراض ہیں۔ پرندے پر رائفل چلانے کی خبر اُن تک پہنچ گئی ہے۔ دھماکے کی آواز تو ہم لوگوں نے بھی سنی تھی لیکن رائفل کی آواز سے کئی گنا زیادہ تھا۔"

"ہاں......!" انور آگے بڑھتا ہوا بولا۔ دونوں حویلی کی طرف واپس جا رہے تھے۔

"اس دوران میں رشیدہ نے انہیں تمہارے جنگلی پن کے بہتیرے قصے سنا ڈالے ہیں۔" محمود نے کہا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"میں کل واپس چلا جاؤں گا۔"

"کیوں......؟"

"میں اسی پرندے کی حقیقت کا انکشاف کرنے کے لئے آیا تھا۔ لہٰذا جس طرح میرا دل چاہے گا کام کروں گا۔"

"میں نے کچھ نہیں کہا۔" محمود جلدی سے بولا۔ "تم اُن کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرنا۔"

"میں ان تکلفات اور ڈھکوسلوں کا عادی نہیں۔" انور منہ بنا کر بولا۔ "ہاں یا نہیں...... درمیانی گفتگو سے مجھے چڑھ ہے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" محمود بے چینی سے بولا۔

"خیر چھوڑو......! ڈاکٹر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔" انور نے کہا۔

"اچھا آدمی ہے......بہت نیک اور بہت شریف۔"

"اور اس کی بہن......اُسے تو تم خود ہی دیکھ چکے ہو۔" محمود نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اس کا دماغی خلل زیادہ پرانا نہیں۔"

"کیا مطلب......!" محمود چونک کر بولا۔ "لیکن......لیکن......ڈاکٹر کا تو یہی بیان ہے۔"

"یہ مرض جوانی سے پہلے کا نہیں معلوم ہوتا۔"

"کیوں یہ تم کس طرح کہہ رہے ہو؟"

"تجربے کی بناء پر......اس کی ساری باتیں اذیت پسندوں جیسی ہوتی ہیں۔ خون پینا...... گوشت چبانا وغیرہ وغیرہ......کیا یہ سب چیزیں اس کی کچلی ہوئی جنسیت کی طرف اشارہ نہیں کرتیں۔ جنسی احساس سے پہلے کی خلل دماغی کی یہ علامات نہیں ہوتیں۔"

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شاہدہ اس پر شکاری کتے کیوں چھوڑنے جا رہی تھی۔" انور نے پوچھا۔

"میں خود یہی سوچتا ہوں کہ وہ اس سے پرخاش کیوں رکھتی ہے۔" محمود نے کہا۔

"شاہدہ تمہارے خاندان ہی کی لڑکی ہے۔"

"ہاں......!" محمود چونک کر بولا۔ "لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"کچھ نہیں، یونہی۔" انور نے کہا اور رک کر سگریٹ سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر محمود نے پوچھا۔

"تم ڈاکٹر کے یہاں تھے۔"

"ہاں......!" انور بولا۔ "مجھے سلیمہ سے ہمدردی ہے۔"

"یعنی......!"

"یعنی کیا؟ کیا میں اس یعنی کا مطلب پوچھ سکتا ہوں۔"

"کچھ نہیں......کچھ نہیں۔ میں دراصل شاہدہ کے آج کے رویے کی وجہ سے پریشان ہوں۔"

"آخر تم اس سے خائف کیوں رہتے ہو۔"

"خائف؟ نہیں تو...... بات یہ ہے کہ میں ہنگامہ نہیں پسند کرتا۔"

"تو تم دونوں کے تعلقات ناخوشگوار ہیں۔"

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے؟"

"تو کیا بنائے مخاصمت ڈاکٹر کی بہن ہے۔"

"نہیں تو......نہیں تو......بھلا وہ کیوں ہونے لگی...... بالکل نہیں۔"

"مجھ سے اڑنے کی کوشش فضول ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"تم نہ جانے کیا الٹی سیدھی ہانک رہے ہو۔"

"بالکل سیدھی ہانک رہا ہوں پیارے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میری نظریں دور تک پہنچ رہی ہیں۔"

"بیکار باتیں مت کرو۔"

"خیر......خیر...... دیکھا جائے گا۔"

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اُس کی رفتار کچھ سست پڑ گئی تھی۔

جنگل

دوسرے دن صبح ہی صبح انور نے شکار کھیلنے کی تجویز پیش کردی۔ پچھلی رات رانی صاحبہ اُس

سے بڑی دیر تک بحث کرتی رہی تھی، لیکن انور نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے اُن کی بزرگی پر حرف آتا۔ رشیدہ کے لئے یہ بات تعجب خیز رہی تھی۔ اُس نے انور کو کبھی ایسے موڈ میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ دل ہی دل میں ڈر رہی تھی کہ کہیں انور کوئی الٹی سیدھی بات نہ کر بیٹھے۔ اس کے دل میں رانی صاحبہ کے لئے بے پناہ احترام کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ جس کی محرک رانی صاحبہ کی مامتا تھی۔ انور کو بُرا بھلا کہتے وقت بھی اُن کے لہجے میں تلخی کے بجائے مامتا تھی لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ انور اس چیز سے قطعی متاثر نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں صرف یہ خیال تھا کہ اگر وہ رانی صاحبہ سے لڑ بیٹھا تو اُسے حویلی سے چلا جانا پڑے گا اور آتشی پرندے کا وجود ہمیشہ کے لئے پردہ راز میں چھپ جائے گا۔ گاؤں والے اُس کی رات والی حرکت پر اُس سے الجھ چکے تھے۔ انہیں صرف اس بات کا خیال تھا کہ انور رانی صاحبہ کا مہمان تھا ورنہ شاید اس کو اُسی وقت گاؤں چھوڑ دینا پڑتا۔ پھر بھی گاؤں میں اس کے خلاف کافی پروپیگنڈا ہو گیا تھا اور گاؤں والے کسی تازہ مصیبت کے منتظر تھے۔

حویلی میں قریب قریب ہر فرد نے اس واقعے پر تبصرہ میں حصہ لیا تھا لیکن محمود کی بیوی شاہدہ بالکل خاموش تھی اور خاموشی بھی ایسی جس سے بے تعلقی ظاہر ہوتی تھی۔

انور محمود اور رشیدہ شکار کے لئے تیار ہی تھے کہ ایک شخص کوٹھی میں داخل ہوا جسے دیکھتے ہی محمود کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اُس نے سفید پتلون اور سفید قمیض پہن رکھی تھی۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان تھی۔ قد متوسط چال سے رعونت ظاہر ہوتی تھی۔ کسی طرح دیکھتے وقت پُرغرور انداز میں بھنویں تان لیتا تھا۔

رانی صاحبہ بھی اس کی آمد پر خوش نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ انور کی نظریں بے اختیار شاہدہ کی طرف اٹھ گئیں جو آنے والے کو خاص توجہ کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

"کیوں بھئی محمود تم نے بھی شکار کھیلنا شروع کردیا۔" وہ محمود کی رائفل کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"کیوں......؟" محمود ایسے لہجے میں بولا جیسے اُس پر جھپٹ پڑے گا؟

"میں نے کہا اس کی آواز سے تمہارا دل نہ دھڑکنے لگے گا۔" اُس نے کہا اور بے ڈھ
پن سے ہنسنے لگا۔

"عمران......!" رانی صاحبہ غصے سے بولیں۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا خالہ صاحبہ۔"

محمود اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچا چبا جائے گا۔

"اور یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے رات اُس پرندے پر گولی چلائی تھی۔" اس نے ا
کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"جنابِ والا......!" انور قدرے جھک کر بولا۔

"آدمی رنگ باز معلوم ہوتے ہو۔"

"عمران......!" رانی صاحبہ پھر گرجیں۔

"میں اس وقت نشے میں نہیں ہوں خالہ صاحبہ۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"عمران......!" رانی صاحبہ کھڑی ہو کر بولیں۔ "ادھر آؤ میرے ساتھ۔"

وہ ایک دوسرے کمرے کی طرف مڑیں۔ عمران اُن کے پیچھے تھا۔ کمرے میں داخل ہو
وقت اُس نے مسکرا کر رشیدہ کی طرف دیکھا اور رشیدہ نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

محمود کا موڈ خراب ہو گیا تھا لیکن وہ اپنی خوش مزاجی برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُن کی بیل گاڑی اونچے نیچے راستوں سے گذرتی ہوئی جنگل میں داخ
ہو رہی تھی۔ محمود کی تجویز تھی کہ شکار کے لئے کار ہی استعمال کی جائے لیکن رشیدہ بیل گاڑی پر
گئی۔ وہ دیہاتی زندگی سے اچھی طرح لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔

"یہ کون بزرگوار تھے۔" انور نے محمود سے پوچھا۔

"چچی اماں کے بھانجے ہیں۔" محمود تنفر آمیز لہجے میں بولا۔

"رانی صاحبہ اس سے خوش نہیں معلوم ہوتیں۔"

"خاندان میں کوئی خوش نہیں ہے۔ کسی دن میرے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہو گا۔"

"کیوں......؟"

"تم نے دیکھا نہیں شاہدہ کو میرے خلاف بھڑکانے میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے۔"

"آخر ایسا کیوں۔"

"حسد! محض اسلئے کہ میں چچا کی جائیداد کا وارث ہوں اور چچی اماں اسے منہ نہیں لگاتیں۔"

"شاہدہ کا اُس سے کیا رشتہ ہے۔"

"پھوپھی زاد بہن ہے۔"

انور خاموش ہو گیا۔ اُس کی نظریں دور تک پھیلے ہوئے جنگل کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"ابھی تک ہمیں شکار نہیں ملا۔" رشیدہ بولی۔

"جھیل پر کچھ آبی پرندے ملیں گے۔" محمود نے کہا۔

"رشو کا خیال تھا کہ شاید شکار ہاتھ باندھے ہوئے ہمارے سامنے آ کر کھڑا ہو جائے گا اور
کہے گا جو مزاجِ یار میں آئے یا شاید......!" انور کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔ اُس کی نگاہیں
کرونڈے کی کانٹے دار جھاڑیوں کے سلسلے پر جم گئیں تھیں۔

"کیا یہی وہ کرونڈے کا جنگل ہے۔" انور نے محمود سے پوچھا۔

"ہاں......!"

"اور اسے پار کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔"

"میں نے خود کبھی کوشش نہیں کی......ویسے سنا یہی ہے۔"

"لیکن......وہ دھواں کیسا ہے۔ کیا ادھر بھی آبادی ہے۔"

"ہاں......اُدھر بھیلوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں، جنہیں کرونڈے کے جنگل نے کم از کم
ہمارے قصبے سے الگ کر دیا ہے۔"

"یہ سلسلہ کتنا وسیع ہے۔"

"شاید پندرہ یا بیس میل......دوسری طرف شوری ندی درمیان میں حائل ہو گئی ہے اور اس
طرح مہذب علاقے بھیلوں کی دستبرد سے آزاد ہو گئے ہیں۔ لیکن گرمیوں کے زمانے میں جب
ندی کا پانی کم ہو جاتا ہے وہ دوسری طرف کے علاقے میں ڈاکے ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔"

"تم نے شاید یہی بتایا تھا کہ وہ پرندہ اسی طرف سے آیا کرتا تھا۔"

"قصبے میں یہی مشہور ہے......خود مجھے اتفاق نہیں ہوا۔"

دفعتاً کہیں دور موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی۔

"کیا یہ بھیل موٹر سائیکل بھی چلاتے ہیں۔" رشیدہ چونک کر بولی۔

"آواز ادھر سے نہیں آرہی ہے۔" محمود ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "یہ عمران معلوم ہوتا ہے ادھر ہی آرہا ہے۔ اس میں یہ خبط ہے۔ وہ تم لوگوں کے سامنے مجھ پر اپنی برتری جتانے کی کوشش کرے گا۔"

"خوب......آدمی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد موٹر سائیکل دکھائی دی۔ عمران اپنے کاندھے پر رائفل لٹکائے بیل گاڑی کی طرف آرہا تھا۔ اُنکے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ان پر دھول جھونکتا ہوا موٹر سائیکل آگے نکال لے گیا۔

"غالباً جھیل کی طرف گیا ہے۔" محمود غصے میں بولا۔ "اب شکار ملنے کی توقع نہیں۔"

"فکر مت کرو۔" انور نے کہا۔ "میں اس سے جان پہچان پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ جھیل کتنی دور ہے۔"

"قریب ہی ہے تمہیں اس سے مل کر خوشی نہ ہوگی۔" محمود بولا۔

"کیوں انور کوئی نئی شرارت سوجھی۔" رشیدہ نے کہا۔

"نہیں رشو......وہ بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ میں اپنے کسی مقصد کے لئے اُسے استعمال بھی کرسکوں۔"

"کس مقصد کے لئے......!" محمود چونک کر بولا۔

"جس مقصد کے لئے یہاں آیا ہوں۔"

"مگر تم نے تو کل ہی اُسے نشانہ بنادیا۔"

"نہیں پیارے تمہارا خیال غلط ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "وہ آسانی سے اس قصبے کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ شاید مجھے آج بھی اُس پر فائر کرنا پڑے۔"

محمود اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔" رشیدہ نے انور سے پوچھا۔

"کسی آدمی کی شرارت۔"

"لیکن یہ چیز میری سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ کل رات میں نے اُسے حویلی سے دیکھا تھا۔"

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نگاہیں بدستور کروندے کی جھاڑیوں پر جمی ہوئی تھیں۔

"وہ دیکھو......اس کمبخت نے فائر شروع کردیئے" محمود جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"خواہ مخواہ پرندوں کو اڑا رہا ہے۔"

"ممکن ہے شکار ہی کھیل رہا ہو۔" انور نے کہا۔

"اگر وہ پوائنٹ ٹو ٹو بور کی رائفل لے کر گیا ہوتا تو میں قطعی یہ نہ کہتا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ جھیل پر پہنچ گئے۔ عمران کی موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی تھی اور وہ گھاس پر اوندھا لیٹا پائپ پی رہا تھا۔

"کیا یہاں جھیل پر گھڑیال بھی ہیں۔" انور بلند آواز میں بولا۔

"نہیں تو......!" محمود نے کہا۔

"وہ پھر اُدھر کنارے پر کیا پڑا ہے۔" انور اسی لہجے میں بولا۔ "اوہ لاحول ولاقوۃ......کوئی آدمی ہے۔"

عمران اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی اور آنکھیں رشیدہ پر جمی ہوئی تھیں۔

"رشو......!" انور آہستہ سے بولا۔ "کیا خیال ہے۔"

"اس سے ہم لوگوں کا تعارف کرادیجئے۔" رشیدہ نے محمود سے کہا۔

"میں اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔"

"ہماری خاطر......!" انور مسکرا کر بولا۔

محمود ایک لمحہ کے لئے بالکل ساکت ہوگیا۔ پھر عمران کو مخاطب کرکے بولا۔

"تو تم نے سب پرندے اڑادیئے۔"

"پھر......؟" انور اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"یہ وہ رائفل ہے جس سے ہاتھیوں کا شکار کیا جاتا ہے۔" وہ اپنی رائفل کی طرف اشارہ کر کے بولا اور انور نے اپنی ناک سکوڑ لی کیونکہ اس کے منہ سے دیسی شراب کا بھپکا نکلا تھا۔

"کوئی ہاتھی شکار کیا آپ نے؟" انور چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

عمران اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"آپ خود کو تیس مار خاں سمجھتے ہیں۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "کل رات والی آتش بازی پر رائفل چلا کر آپ کچھ مغرور ہو گئے ہیں۔"

"آتش بازی......؟" انور تحیر ظاہر کرتا ہوا بولا۔

"جناب......؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کسی شریر لڑکے کی حرکت۔"

"چھوڑو بھی۔" محمود انور کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "یہ اس وقت نشے میں ہے۔"

عمران نے قہقہہ لگایا اور رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔ رشیدہ جواباً مسکرائی۔

"آپ لوگوں کی تعریف......!"

"میرے دوست مسٹر انور اور مس رشیدہ۔" محمود منہ سکوڑ کر بولا۔

"آپ لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "میرا نام عمران ہے اور میں اس قصبے کا ایک شریف آدمی ہوں۔ ویسے کچھ لوگ مجھے بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن میں انہیں ایک دن سیدھا کر دوں گا۔"

"ضرور ضرور......!" انور نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ پھر محمود اور رشیدہ کی طرف مڑ کر کہنے لگا۔ "تم لوگ بیل گاڑی پر شکار کھیلو۔ میں عمران صاحب کے ساتھ موٹر سائیکل پر جاتا ہوں۔"

"اوہو......ضرور......بڑی خوشی سے۔" عمران موٹر سائیکل کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

قبل اس کے محمود کچھ کہتا......رشیدہ بول اٹھی،

"ٹھیک ہے۔......ٹھیک ہے۔ ہم لوگ یہاں انتظار کریں گے۔ شاید کچھ پرندے جھیل میں گریں۔"

عمران نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور انور کیریئر پر بیٹھ گیا۔

"کس طرف......!" عمران نے پوچھا۔

"کوئی بڑا شکار عمران صاحب۔" انور آہستہ سے بولا اور موٹر سائیکل چل پڑی۔

"بڑا شکار تو اس طرف ہے۔" عمران کروندے کے جنگل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"یعنی......؟"

"جنگلی لڑکیاں......!" عمران نے کہا اور ہنسنے لگا۔

"تو پھر ادھر ہی۔"

"کوئی راستہ نہیں۔"

انور خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

"وہ آتش بازی والی بات کیا تھی۔"

"محمود پر رعب ڈال رہا تھا۔" عمران بچوں کی طرح ہنس کر بولا۔ "وہ مجھے بدنام کرتا ہے لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ وہ مجھ سے زیادہ ذلیل ہے۔ آپ جیسے شریف آدمیوں کو اس کے ساتھ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔"

"لیکن وہ اپنی بیوی سے بہت ڈرتا ہے۔"

"مکار ہے......شاہدہ کے دکھوں سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔"

"یعنی......!"

"اس کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔ میں بہت کمینہ ہوں انور صاحب۔ مگر پھر بھی مجھ میں تھوڑی بہت انسانیت ہے۔"

"خیر......خیر......مگر وہ پرندہ کیسا تھا۔" انور نے کہا۔

"آپ نے اس پر گولی چلا کر اچھا نہیں کیا۔ قصبے والے کسی نئی مصیبت کے منتظر ہیں۔"

"آخر وہ ہے کیا بلا......؟"

"بھیلوں کا کوئی جادو......وہ کروندے کے جنگل ہی کی طرف سے آتا ہے۔"

"میں نے تو سنا ہے کہ اس کا تعلق ڈاکٹر نصیر کی پاگل بہن سے ہے۔" انور نے کہا۔

عمران کے منہ سے بے اختیار بھانت بھانت کی گالیوں کا طوفان پھوٹ پڑا۔

"یہ بھی اسی محمود کے پٹھے کی حرکت ہے۔"

"یعنی......!"

''اس قسم کی افواہیں ہمیشہ حویلی سے اڑا کرتی ہیں۔'' عمران جھلائے ہوئے لہجے میں بولا

''آخر کیوں؟''

''یہ میں نہیں جانتا۔لیکن میں نے یہ محسوس کیا ہے۔'' عمران آہستہ سے بولا۔

''مجھے اُس حویلی کی ایک ایک اینٹ سے نفرت ہے۔''

''مگر رانی صاحبہ تو آپ کی خالہ ہیں۔''

''ہوں گی۔'' عمران لاپروائی سے بولا۔

انور کی نظریں کروندے کے جنگل کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ واقعی یہ ایک ناقابل عبور جنگل تھا۔ کروندے کی گھنی اور کانٹے دار جھاڑیاں میلوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ اتنی گھنی اور بلند تھیں کہ دوسری طرف نظریں نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ ان کے درمیان کہیں کہیں اکا دکا پیپل کے درخت نظر آ رہے تھے۔

''تو کیا جنگلی لڑکیاں واقعی اچھی ہوتی ہیں۔'' انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

''غضب کی......اب میں کیا بتاؤں۔''

''تو پھر اُدھر چلنے کا کوئی راستہ پیدا کرو۔'' انور نے کہا۔

''راستہ......!'' عمران ہنس کر بولا۔ ''وہ راستہ ہمیں جہنم میں پہنچا دے گا۔''

''یعنی......!''

''اول تو راستہ ہی ملنا ناممکن ہے اور اگر کسی طرح وہاں پہنچ بھی گئے تو وہ ہمیں نیزوں کی سیج پر سلا دیں گے۔''

''محمود ٹھیک کہہ رہا تھا۔'' انور آہستہ سے بڑبڑایا۔

''کیا......!''

''یہی کہ تم ڈرپوک ہو۔''

عمران نے موٹر سائیکل روک دی اور پلٹ کر انور کو گھورنے لگا۔

''یہاں سے پندرہ میل کا سفر کرنا پڑے گا۔'' عمران بولا۔

''پرواہ نہیں۔''

''بڑے رنگیلے معلوم ہوتے ہو اور اگر تمہارے ساتھ والی لڑکی کو اس کی اطلاع ہوگئی تو۔''

''تو کیا ہوگا......وہ صرف میری دوست ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت نہیں فرماتے۔''

''اچھا تو پھر کل پر رکھو۔'' عمران نے کہا۔ ''ہمیں کچھ انتظامات بھی کرنے پڑیں گے۔ ویسے تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔ کچھ دن اگر میرے مہمان رہو تو کیا حرج ہے۔ تم نے آم کی شراب کبھی نہ پی ہوگی۔ یہ میری ایجاد ہے۔ اگر رائی کی وہسکی کا مزہ نہ آجائے تو میرا ذمہ۔''

''میں شراب نہیں پیتا۔'' انور نے کہا۔

''تب تم ڈیوٹ ہو۔'' عمران ہنس کر بولا۔ ''آؤ واپس چلیں......تو پھر شام کو مل رہے ہونا۔ قصبے میں سب سے اونچا مکان میرا ہی ہے۔ بڑی مسجد کے پاس۔''

''میں تم سے ضرور ملوں گا۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''لیکن جنگل والی اسکیم نہ بھول جانا۔''

''یار واقعی تم خطرناک معلوم ہوتے ہو۔'' عمران نے ہنس کر کہا۔

وہ جھیل کی طرف لوٹ پڑے۔

محمود اور رشیدہ بیل گاڑی میں بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ عمران انور کو چھوڑ کر قصبے کی طرف روانہ ہوگیا۔

''کیوں بھئی کچھ ملا......!'' انور نے محمود سے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔'' محمود انگڑائی لیتا ہوا بولا۔ ''تم کدھر چلے گئے تھے۔''

''کروندے کے جنگل میں گھسنے کا راستہ تلاش کر رہا تھا۔''

''اوہ......یار کہیں یہ حماقت بھی نہ کر بیٹھنا۔ اُدھر وحشی رہتے ہیں۔''

''لیکن عمران نے ایک ایسی بات بتادی ہے کہ اب جانا ہی پڑے گا۔''

''کیا......؟'' محمود نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''جنگلی لڑکیاں۔'' انور مسکرا کر بولا۔

''کیا مطلب......؟'' رشیدہ نے اُسے گھور کر کہا۔

''جنگلی لڑکیوں کا کیا مطلب ہوتا ہے؟'' انور نے کہا اور رشیدہ خاموش ہوگئی۔

''ہم لوگوں کی برائی تو خوب کی ہوگی۔'' محمود نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں تو......تم لوگوں کا تذکرہ ہی نہیں آیا تھا۔ وہ زیادہ تر آموں کی شراب اور لڑکیوں کا تذکرہ کررہا تھا۔"

"بھئی اب چلنا چاہئے۔" رشیدہ بولی۔

تھوڑی دیر بعد بیل گاڑی قصبے کی طرف واپس جارہی تھی۔

دوسرا فائر

شام کو انور عمران کے گھر سے لوٹتے وقت طرح طرح کے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا، جس مقصد کے تحت وہ عمران سے ملا تھا اس میں ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس وقت بھی نشے میں ڈوبا بہکی بہکی باتیں کرتا رہا تھا۔ پرندے سے زیادہ اُسے ڈاکٹر کی بہن کے ساتھ محمود اور اس کی بیوی کے متضاد رویے کے متعلق تشویش تھی اور پھر وہ یہ بھی سن چکا تھا کہ ڈاکٹر کی بہن اور اس پرندے کے پراسرار تعلق کے بارے میں حویلی ہی والوں نے افواہیں پھیلائی تھیں۔

اُس نے رشیدہ کے ذریعے بھی اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ رانی صاحبہ بدستور مامتا کی ندیاں بہاتی رہیں اور شاہدہ تو خیر زہر بلب تھی ہی۔ وہ رشیدہ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ خود انور نے کئی بار اس سے گفتگو کرنی چاہی لیکن اس نے موقع ہی نہ دیا۔ بہرحال اس کے ماتھے پر پڑی ہوئی سلوٹیں کسی وقت بھی غائب نہیں ہوئی تھیں۔

انور حویلی میں لوٹ آیا۔ اس نے اس وقت ڈاکٹر کو ملنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ گھر پر موجود نہیں تھا۔

حویلی پہنچتے ہی اس نے سارے خیالات اپنے ذہن سے نکال دیئے اور ادھر اُدھر کی تفریحی باتیں کرنے لگا۔

آہستہ آہستہ دھندلکا پھیلتا جارہا تھا۔ شام بہت خوشگوار تھی۔ رانی صاحبہ نے پائیں باغ میں کرسیاں ڈلوادی تھیں اور سب لوگ وہیں بیٹھے انور کے لطیفوں اور چٹکلوں سے محظوظ ہورہے

تھے۔ صرف شاہدہ خاموش تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں طوعاً وکرہاً بیٹھی ہو۔

دفعتاً کسی نے پھاٹک ہلایا اور سب کی نظریں ادھر اٹھ گئیں۔ یہ ڈاکٹر کی بہن تھی۔

"کیا یہ پھاٹک ہمیشہ بند رہے گا۔" وہ چیخ کر بولی۔

"اوہ...... یہ حرافہ پھر آ گئی۔" شاہدہ نے تیزی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بہو رانی......!" رانی صاحبہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتی ہوئی بولیں۔ "پاگلوں کے منہ لگنے سے کیا فائدہ۔ دنیا جانتی ہے کہ وہ پاگل ہے، جو کچھ بکتی ہے بکنے دو۔"

شاہدہ بیٹھ گئی۔ لیکن وہ قہر آلود نظروں سے پھاٹک کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا کوئی میری بات کا جواب نہ دے گا۔" وہ پھاٹک کو ہلا کر پھر چیخی۔ "میں کہتی ہوں یہ حویلی پتھروں کا ڈھیر ہوجائے گی۔ اس پر مونچھیں ہی مونچھیں اُگ آئیں گی۔"

رشیدہ بے اختیار ہنس پڑی اور انور حیرت سے زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ محمود تو اس طرح خاموش تھا جیسے اُسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

ڈاکٹر کی بہن نے قہقہہ لگایا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس قہقہے کی آواز آہستہ آہستہ کہیں دور سے آئی ہو اور پھاٹک کے قریب پہنچ کر یک بیک تیز ہوگئی ہو۔

یکایک انور چونک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"یہ پٹرول کی بو کہاں سے آئی۔" وہ اٹھتا ہوا بولا۔

"گیراج کی طرف سے آئی ہوگی۔ شاید ڈرائیور کار کی ٹنکی بھر رہا ہے۔" رانی صاحبہ بولیں۔

انور بیٹھ گیا۔ ادھر ڈاکٹر کی بہن نے پھر قہقہہ لگایا اور اندھیرے میں دور تک دوڑتی چلی گئی۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر انور بولا۔

"آخر شاہدہ صاحبہ اس سے اس قدر متنفر کیوں ہیں؟"

"میں اپنے نجی معاملات پر تبصرہ نہیں پسند کرتی۔" شاہدہ تلخ لہجے میں بولی۔

"لیکن میرا خیال ہے کہ عنقریب یہ نجی معاملہ بین الاقوامی مسئلہ بننے والا ہے۔" انور نے ہنس کر کہا۔

شاہدہ جھلا کر اٹھی اور حویلی کے اندر چلی گئی۔

"کیا بتاؤں؟" رانی صاحبہ اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر مضمحل انداز میں بولیں۔

"آخر یہ معاملہ کیا ہے؟" انور نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔" رانی صاحبہ نے کہا اور وہ بھی اٹھ کر حویلی میں جانے لگیں۔

دفعتاً رشیدہ چیخ اٹھی۔ اس کا ایک ہاتھ آسمان کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

"ارے یہ تو پھر دکھائی دیا۔" محمود بے ساختہ بولا۔

آتشی پرندہ کافی بلندی پر پرواز کرتا ہوا حویلی کی طرف آرہا تھا۔

"لو یہ نئی مصیبت آئی۔" رانی صاحبہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"محمود رائفل......!" انور نے جلدی سے کہا۔

"قطعی نہیں جناب۔" رانی صاحبہ جھلا کر بولیں۔ "آج یقیناً یہ آفت ادھر ہی آئے گی۔ تم نے اس پر گولی چلا کر اچھا نہیں کیا تھا۔"

"کل میں نے اسی طرح ڈاکٹر کا مکان بچایا تھا۔" انور نے کہا۔ "اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں۔"

"ہرگز نہیں...... ہرگز نہیں۔" رانی صاحبہ چیخ کر بولیں۔

پرندہ کوٹھی کے گرد چکر لگاتا ہوا آہستہ آہستہ نیچے اُتر رہا تھا۔ رانی صاحبہ شاہدہ کو آواز دیتی ہوئی حویلی کی طرف بھاگی۔ شائد شاہدہ نے اُسے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی باہر آ گئی۔

اچانک انور نے ایسا منہ بنایا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"محمود رائفل......!" وہ پھر چیخا۔

"انور خاموش رہو۔" رانی صاحبہ گرج کر بولیں۔

انور پھر کچھ سننے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پرندہ حویلی کی چھت پر اتر آیا۔ پھر حویلی کے پچھلے حصے سے شعلے بلند ہونے لگے۔ نوکروں نے غل مچانا شروع کر دیا۔ انور تیزی سے اُدھر بھاگ رہا تھا۔

آگ بجھانے کی کوشش جاری تھی اور انور کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"ارے احمقو یہ پٹرول جل رہا ہے۔" انور کی آواز سنائی دی۔ وہ چہار دیواری پر کھڑا تھا۔

پھر وہ دوسری طرف کود گیا۔

آگ پر بہت جلد ہی قابو پالیا گیا۔ کوئی خاص نقصان نہیں ہوا تھا۔ کئی نوکر چھت پر کھڑے شور مچا رہے تھے۔ آگ تو بجھ گئی تھی لیکن خوف کے مارے وہ ابھی تک اپنی آوازوں پر قابو نہیں پا سکے تھے۔ دفعتاً وہ آتشی پرندہ اپنے پر پھڑپھڑاتا ہوا ان کے سروں پر سے نکل گیا وہ اور زیادہ چیخنے لگے اور ایک تو چکرا کر گر ہی پڑا۔

تھوڑی دیر بعد جب یہ ہنگامہ رفع ہو گیا تو انور کی تلاش شروع ہوئی۔ لیکن اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔

رشیدہ کچھ سوچ رہی تھی۔ محمود انور کو تلاش کرنے کے لئے ملازمین کو قصبے میں بھیج چکا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹہ گذر گیا لیکن وہ واپس نہ آیا۔ رشیدہ اپنے کمرے میں آئی اور سوٹ کیس سے ریوالور نکالا۔

جب وہ برآمدے سے گذر کر پائیں باغ میں جانے لگی تو رانی صاحبہ نے اُسے ٹوکا۔

"میں ابھی آتی ہوں۔" رشیدہ بولی۔

"کہاں جا رہی ہو۔"

"عمران صاحب کے یہاں...... ممکن ہے انور وہیں ہو۔"

"کسی نوکر کو بھیج دو۔"

"نہیں میں خود جاؤں گی...... جلد ہی واپس آ جاؤں گی۔"

"تو کسی نوکر کو ساتھ لیتی جاؤ۔"

"میں چلتا ہوں۔" محمود بولا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" رشیدہ نے کہا اور چل پڑی۔ پھاٹک سے نکلنے کے بعد اُس کا رخ قصبے کے بجائے جنگل کی طرف تھا۔

رات تاریک تھی۔ رشیدہ چل تو پڑی لیکن جنگل میں داخل ہوتے ہی جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جنگل جھینگروں کی تیز آوازوں سے گونج رہا تھا۔ کروندے کی دیو پیکر جھاڑیاں اس وقت اور زیادہ خوفناک نظر آ رہی تھیں۔ رشیدہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ دفعتاً کسی درخت پر الو کی چیخ سنائی دی اور وہ جھجک پڑی۔ دل شدت سے دھڑکنے لگا۔

وہ ایک لمحے کے لئے رک گئی لیکن پھر اس کے ذہن نے دلیر بننے کے لئے جدوجہد شروع کر دی
اور دوسرے ہی لمحے میں وہ اس طرح چل رہی تھی جیسے خواب میں چل رہی ہو۔

پھر کہیں دور قدموں کی آہٹ سنائی دی جو لحہ بہ لحہ قریب آتی جا رہی تھی۔ ایک متحرک سایہ
دکھائی دیا اور رشیدہ ایک درخت کے تنے کی اوٹ میں ہوگئی۔

''خبردار! ہاتھ اوپر اٹھاؤ ورنہ گولی چلا دوں گا۔'' آنے والا اچھل کر جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا بولا۔

رشیدہ نے پستول نکال کر فائر کر دیا۔ اسکے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

''میں تمہارے جوابی حملے کا انتظار کر رہی ہوں۔'' رشیدہ چیخ کر بولی۔ ''لیکن میں جانتی
ہوں کہ تمہارے پاس پستول نہیں ہے۔''

جواب ندارد...... رشیدہ پھر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کسی نے پیچھے سے اُسے دبوچ لیا اور
ساتھ ہی قہقہے کی آواز سنائی دی۔

''اب تو پستول ہے میرے پاس۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

رشیدہ نے کوئی جدوجہد نہ کی لیکن اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ حملہ آور کے کان کی طرف بڑھ
رہا تھا۔

''ارے ارے کان چھوڑو...... چھوڑو......!'' وہ کراہ کر بولا۔

''نہیں...... انور میں تمہارے دونوں کان اکھاڑ ڈالوں گی۔''

''چھوڑو...... چھوڑو......!''

رشیدہ اُسے کھینچتی ہوئی واپس لوٹ رہی تھی۔

''میں کہتا ہوں کان چھوڑو......!'' انور بگڑ کر بولا۔

''تمہارے چیخنے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔'' رشیدہ سنجیدگی سے بولی اور انور جم کر کھڑا ہو گیا۔

''کھینچو...... اور ...... اور زور سے کھینچو...... لیکن یاد رکھو کہ تمہارے ساتھ کان ہی کا
جائے گا۔''

رشیدہ رک گئی اور اس نے کان چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر تک کھڑی خاموشی سے اُسے گھورتی
رہی پھر چل پڑی۔ انور اُس کے پیچھے تھا۔ رشیدہ نے جس ہاتھ سے انور کا کان پکڑا تھا اس پر

اسے کچھ چپچپاہٹ معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے جیب سے گھڑی دیکھنے کی ننھی سی ٹارچ نکالی اور اپنا
ہاتھ دیکھنے لگی۔

''خون......!'' وہ چونک کر رک گئی۔ انور جیسے ہی اس کے قریب سے گذرا اس نے
اسے پکڑ لیا۔ دوسرے لمحے میں ٹارچ کی مدھم روشنی انور کے چہرے پر پڑی تھی، پیشانی اور گالوں
سے خون بہہ رہا تھا۔

''یہ کیا ہوا......؟'' رشیدہ بے اختیار بولی۔

''کان اکھڑ گیا ہوگا؟'' انور نے لاپرواہی سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

رشیدہ نے دوڑ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور اسے سہارا دینے لگی۔

''چچ چچ......!'' انور مسکرا کر بولا۔ ''میرا بیہوش ہونے کا ارادہ نہیں۔''

''انور......!'' رشیدہ ایسی پژمردہ آواز میں بولی جسے سسکی سے تشبیہہ دی جا سکتی تھی۔

انور نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

''لیکن تم کیوں آئی تھیں۔''

''مجھے یقین تھا کہ تم ادھر ہی آئے ہوگے۔''

''میں پوچھتا ہوں تم آئی ہی کیوں تھیں۔''

''تمہارے لئے۔''

''بکومت...... میں اسے پسند نہیں کرتا۔''

رشیدہ خاموش ہوگئی۔ اگر اس نے اس کے چہرے پر خون نہ دیکھ لیا ہوتا تو شاید جھپٹ
پڑتی۔ اس وقت اُسے انور کے اس تحکمانہ لہجے پر غصہ نہیں آیا لیکن وہ اُس حادثے کے متعلق
معلوم کرنے کے لئے بے چین تھی جس کی بناء پر انور زخمی ہو گیا تھا۔ اس نے اُسے کریدنا مناسب
نہ سمجھا۔ وہ چاہتی تھی کہ جلد سے جلد حویلی پہنچ کر انور کی مرہم پٹی کرے۔ ویسے خود اُسے تو اُن
زخموں کی رتی برابر پرواہ نہ ہوگی اور اس کی لاپروائی تو وہ کچھ دیر پہلے دیکھ ہی چکی تھی۔ انور کی جگہ
اور کوئی ہوتا تو اس حالت میں کم از کم کسی قسم کے مذاق کے لئے تیار نہ ہوتا۔ اس کی آواز پہچان
کر اس نے اسے ڈرانے کے لئے ہوائی فائر کیا تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کے پاس پستول

نہیں ہے۔ وہ چاہتا تو اسکی آواز سننے کے بعد سامنے آجاتا لیکن نہیں اس وقت بھی اس کی رگ شرارت بھڑک اٹھی تھی اور اس نے پیچھے سے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

''ٹھہرو......!'' انور ایک گرے ہوئے درخت کے تنے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا ''میں وہاں بیٹھ کر سگریٹ پیوں گا۔''

وہ دونوں جنگل سے نکل کر قصبے کی کچی سڑک پر پہنچ گئے تھے۔

''اب یں چل کر پینا۔'' رشیدہ اسے پکڑ کر آگے بڑھاتی ہوئی بولی۔

''رشو......!'' انور تیز لہجے میں بولا اور ہاتھ چھڑا کر درخت کے تنے پر بیٹھ گیا۔ مجبوراً رشیدہ کو بھی بیٹھ جانا پڑا۔

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ...... یہ خون۔''

''حویلی والوں پر اس کا کیا ردعمل ہوا ہے۔'' انور نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

''انہیں سب سے زیادہ اس بات پر حیرت ہے کہ تم کیوں غائب ہو گئے۔''

''آگ کا کیا رہا۔''

''بجھا دی گئی کوئی نقصان نہیں ہوا۔''

انور خاموش ہو گیا...... پھر دو تین کش لینے کے بعد بولا۔

''آگ اس پرندے کی وجہ سے نہیں لگی۔''

''جہنم میں گیا پرندہ......!'' رشیدہ جھلا کر بولی۔ ''تم زخمی کیسے ہوئے اور اب یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ کیا اب ان زخموں کو سڑانے کا ارادہ ہے۔''

''زخموں کی حالت تشویش ناک نہیں۔'' انور لاپروائی سے بولا۔ ''یہ جھاڑیوں کے کانٹے ہیں۔''

''کیا تم اُن میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔''

''نہیں...... بلکہ مجھے زبردستی ان میں گھسیڑنے کی کوشش کی گئی تھی۔''

''ارے......!''

''ہاں...... میں جس آدمی کا تعاقب کر رہا تھا وہ غیر معمولی طور پر طاقتور ثابت ہوا۔''

''آدمی کا تعاقب......!'' رشیدہ نے تحیر آمیز انداز میں دہرایا۔

''ہاں وہی آدمی جو کوٹھی میں آگ لگا کر بھاگا تھا۔ پٹرول کی بو پر میں پہلے ہی چونکا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ جس وقت وہ پرندہ کوٹھی پر چکر لگا رہا تھا میں نے ہلکی ہلکی سیٹیوں کی آوازیں سنی تھیں۔ اور یہ بھی محسوس کیا تھا کہ وہ پرندہ انہیں آوازوں پر نیچے اترا تھا۔ میں اس وقت حویلی کی پشت پر پہنچا تھا۔ جب پرندے کو سیٹیوں پر بلانے والا آگ لگا کر بھاگ رہا تھا تعجب ہے کہ قصبے والوں نے پچھلی وارداتوں میں اس چیز کی طرف توجہ نہیں دی۔ بہر حال میں اس کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ جنگل کی طرف بھاگ رہا تھا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے آج تک اتنا تیز دوڑنے والا نہیں دیکھا۔ جھیل کے قریب پہنچ کر وہ یک لخت میری طرف پلٹا اور قبل اس کے کہ سنبھلتا اس نے مجھے پکڑ کر اچھال دیا۔ جیسے میں آدمی نہیں بلکہ ربڑ کی گیند ہوں اور میں لاکھ سنبھلنے کے باوجود بھی اپنا سر جھاڑیوں سے نہ بچا سکا۔ مجھے اس کی طاقت پر حیرت ہوتی ہے اگر کہیں دو چار آدمیوں کے سامنے اس نے مجھے اس طرح اٹھا کر پھینکا ہوتا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔''

''اور تم نے اسے نکل جانے دیا۔'' رشیدہ نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

''پھر وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ میں کافی دیر تک اسے تلاش کرتا رہا لیکن یہ بتاؤ کہ تم اس طرح اکیلے کیوں نکل آئی تھیں۔''

''میری خوشی! جب تم میرا کوئی اعتراض برداشت نہیں کر سکتے تو مجھے کیوں اس پر مجبور کرتے ہو۔''

''یہ بات نہیں رشو......!'' انور نرم لہجے میں بولا۔ ''یہ جنگل بہت بھیانک ہے۔''

''تو کیا اب یہیں بیٹھے بیٹھے رات ختم کر دو گے۔''

''نہیں صرف سگریٹ ختم کروں گا۔'' انور آہستہ سے بولا۔ ''حویلی والوں کو اس واقعے کی اطلاع نہ ہونی چاہئے۔''

''مگر پٹرول والا معاملہ تو......!''

''اس کی فکر نہیں...... بات جہاں تھی وہیں رہنی چاہئے۔''

''اور یہ زخم......!''

''یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں۔ پرندے کا تعاقب کرتے وقت جھاڑیوں میں گر پڑا تھا۔''

''لوگ، تمہیں پاگل سمجھنے لگیں گے۔''

''تب تو اور اچھا ہے۔ میں ڈاکٹر کی بہن سے شادی کرلوں گا۔''

''اچھا تو کیا تم......!''

''ہاں میں اس پر عاشق ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔

''بس اب اٹھو چلو......!'' رشیدہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

انور نے سگریٹ ایک طرف پھینک دی اور پھر وہ حویلی کی طرف چل پڑے۔ پھاٹک کے قریب عمران ملا۔

''اوہ......انور صاحب آپ لوگ آگئے۔ بھئی مجھے بڑی تشویش ہوگئی تھی۔''

عمران آگے بڑھ کر بولا۔ ''یہاں معلوم ہوا کہ رشیدہ صاحبہ میرے گھر گئی ہیں لیکن م کر کے اور تشویش ہوگئی کہ وہ میرے گھر تک پہنچی ہی نہیں۔''

''کوئی خاص بات نہیں ہم لوگ ذرا کھیتوں میں ٹہل رہے تھے۔'' انور نے کہا۔

''لاحول ولاقوۃ......!'' یہاں تو نہ جانے کتنی افواہیں اڑ گئیں۔

''اچھا......!'' انور دلچسپی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

''جی ہاں......مگر بھئی آپ لوگ بُرا نہ مانئے گا۔ گاؤں والے گنوار ہی ہوتے ہیں۔''

''اندھیرا ہونے کی وجہ سے عمران انور کا زخمی چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ چند لمحے ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہنے کے بعد وہ خواہ مخواہ دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوگیا۔

''مجھے تو یہ آدمی مشکوک معلوم ہوتا ہے۔'' رشیدہ آہستہ سے بولی۔

''میں بھی اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔'' انور نے کہا۔ ''اور شاہدہ کے متعلق خیال ہے۔''

''مجھے تو اس کا دماغ بھی خراب ہی معلوم ہوتا ہے۔''

''اس پر کڑی نظر رکھنا۔'' انور نے کہا اور پھاٹک کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

''کون ہے؟'' اندر سے آواز آئی۔ شاید چوکیدار مالی کے جھونپڑے میں چلم پی رہا تھا۔

''ہم لوگ ہیں۔'' رشیدہ بولی اور چوکیدار اپنی لالٹین لے کر انہیں راستہ دکھانے کیلئے دوڑا۔

''ارے صاحب......!'' وہ انور کو چہرہ دیکھتے ہی چیخ پڑا۔

''شش شش......کچھ نہیں آگے چلو......!'' انور نے کہا۔

''کیا بات ہے۔'' کسی نے برآمدے سے آواز دی۔

''مہمان ہیں۔'' چوکیدار بولا۔

''بھئی تم لوگوں نے پریشان کر ڈالا۔'' محمود کی آواز سنائی دی۔ ''آج تم لوگوں کی خاصی مرمت ہوگی۔''

''ذرا آہستہ گاؤ میرے بیٹے۔'' انور آہستہ سے بولا۔ ''بس نازک است شیشہ دل در کنارِ ما۔''

ایک نئی واردات

تھوڑی دیر بعد انور پلنگ پر لیٹا تھا اور رشیدہ اُس کے چہرے میں چبھے ہوئے کانٹے نکال رہی تھی۔ محمود تو ڈاکٹر کو بلوانے جا رہا تھا۔ مگر انور نے روک دیا۔ اس نے کہا کہ اس طرح یہ بات سارے قصبے میں پھیل جائے گی اور میں پاگل مشہور ہو جاؤں گا۔ بہتر یہی ہے کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کیا جائے۔

''لیکن آخر اس وحشت کی ضرورت ہی کیا تھی۔'' رانی صاحبہ بولیں۔

''میں اُس پرندے کو پکڑنا چاہتا ہوں۔ وہ پنجرے میں خوشنما معلوم ہوگا۔''

''بھئی تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔'' رانی صاحبہ نے اکتا کر کہا۔

''یہ کوئی نئی بات نہیں۔'' رشیدہ ہنس کر بولی۔ ''اکثر ان کی باتیں خود انہیں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔''

''وہ بات ہی کیا جو سمجھ میں آ جائے۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''مثلاً یہ بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ پٹرول کی بو گیراج سے آئی تھی یا......!''

"یہ معاملہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔" محمود نے کہا۔ "آگ یقیناً پٹرول میں لگی تھی لیکن پٹرول دیواروں پر کہاں سے آیا۔"

"میں نے دیکھا تھا.....!" انور مسکرا کر بولا۔ "تمہیں یاد ہوگا کہ میں چار دیواری پر کھڑا تھا۔ وہاں سے چھت دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے دیکھا.....!"

انور خاموش ہوگیا۔ بقیہ لوگ توجہ اور دلچسپی کے ساتھ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ البتہ رشیدہ ضرور متحیر تھی۔ کیونکہ انور نے اسے اصل واقعہ بتانے سے روک دیا تھا اور اب خود ہی بیان کرتا جارہا تھا۔

"کیا دیکھا.....؟" رانی صاحبہ بے چینی سے بولیں۔

"پرندے نے اپنی چونچ میں پٹرول کا کنستر دبا رکھا تھا۔ پٹرول چھت اور دیواروں پر انڈیل کر وہ اس میں لوٹنے لگا تھا۔"

رشیدہ کو بے اختیار ہنسی آگئی اور رانی صاحبہ اس کا منہ دیکھنے لگیں۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" انور تیز لہجے میں بولا۔

"بھلا پرندے کے پاس پٹرول کہاں سے آیا۔" رشیدہ ہنسی روک کر بات بنانے لگی۔

"سب کچھ ہوسکتا ہے بیٹی۔" رانی صاحبہ سنجیدگی سے بولیں۔ "خدا ہم لوگوں پر رحم کرے۔"

محمود کچھ نہیں بولا۔ وہ انور کو گھور رہا تھا اور خود کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ابھی نہ جانے کتنی مصیبتیں نازل ہوں۔" شاہدہ منہ سکوڑ کر بولی۔ "اگر اس پر رائفل نہ چلائی جاتی تو کچھ نہ ہوتا۔"

انور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت اس کے ہونٹوں پر بڑی قاتل مسکراہٹ تھی۔

شاہدہ گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"اس پرندے کا گوشت بہت لذیذ ہوگا۔" انور نے کہا۔ "میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک نہ ایک دن اُسے دسترخوان کی زینت ضرور بناؤں گا۔"

"بھئی اب چپ بھی رہو۔" رانی صاحبہ خوفزدہ لہجے میں بولیں۔

رشیدہ نے کانٹے نکال کر انور کے چہرے کو پٹیوں سے ڈھک دیا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد

سب کھانے کی میز کے گرد بیٹھے ہوئے انور کی بے تکی باتوں سے محظوظ ہو رہے تھے اور رشیدہ کسی نئے خطرے کی بو سونگھ رہی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ انور کن موقعوں پر خود کو ضرورت سے زیادہ احمق ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔

کھانا کھا کر وہ لوگ اپنے اپنے کمروں کی طرف جا ہی رہے تھے کہ ڈاکٹر نصیر کے گھر میں آگ لگنے کی اطلاع ملی۔ ایک ہی رات میں دو مکانوں میں آگ لگنے کی یہ پہلی واردات تھی۔

"بیچارے ڈاکٹر پر بھی میری ہی وجہ سے مصیبت نازل ہوئی۔" انور متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "مگر اس کے علاوہ کوئی اور چارہ ہی نہ تھا۔"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ خصوصاً رانی صاحبہ بہت زیادہ متفکر نظر آ رہی تھیں۔ شاید انہیں خوف تھا کہ کہیں پھر کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

رشیدہ اور انور کے کمروں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی۔ دونوں کمروں کی کھڑکیاں پائیں باغ کی طرف کھلتی تھیں جن کے نیچے کچھ دور ہٹ کر مہندی کی باڑھ تھی جس کا سلسلہ ایک روش کے کنارے کنارے پائیں باغ کی چہار دیواری تک چلا گیا تھا اور یہ روش باغ کے عقبی دروازے کے پاس جا کر ختم ہوگئی تھی۔

باہر آسمان سیاہیاں بکھیر رہا تھا۔ پودوں اور جھاڑیوں میں دبکے ہوئے جھینگروں کی جھائیں جھائیں فضا پر مسلط تھی۔ انور سگریٹ سلگا کر کھڑکی کے قریب آ گیا۔ اُسکے زخموں میں جلن شروع ہوگئی تھی اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دیر تک نہ سو سکے گا۔ اس نے کھڑکی سے سر نکال کر آہستہ سے رشیدہ کو آواز دی۔ وہ بھی ابھی جاگ ہی رہی تھی۔ انور کی آواز سن کر کھڑکی کے قریب آ گئی۔

"رشو مجھے نیند نہیں آ رہی ہے۔"

"زخموں میں تکلیف زیادہ بڑھ گئی ہے۔"

"ہاں.....!"

"تو کیا میں آؤں۔"

"ہاں.....!"

انور نے دو تین گہرے گہرے کش لیئے اور سگریٹ پھینک کر مڑا۔

"بیٹھ جاؤ.....!" وہ ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ رشیدہ شب خوابی کے لباس میں اس وقت کچھ زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔

"میری طبیعت یہاں سے بُری طرح اکتا گئی ہے۔" انور بولا۔

"تو واپس چلو.....!"

"یہ ناممکن ہے۔"

"کیوں.....!"

"یہ زخم زندگی بھر ہرے رہیں گے۔" انور اپنے چہرے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"تو تم انتقام کی آگ میں جل رہے ہو۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "میں سمجھی تھی شاید زخموں میں جلن ہے۔"

"مذاق نہیں رشو..... میں اُسے پکڑے بغیر واپس نہیں جا سکتا۔" انور نے کہا اور دوسرا سگریٹ سلگانے لگا۔

"اگر واقعی یہ کسی آدمی کی حرکت ہے تو اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"مقصد ہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے یا تو کوئی آدمی پورے قصبے سے کسی بات کا انتقام لے رہا ہے یا پھر وہ صحیح الدماغ نہیں ہے۔"

"کیا تمہارا اشارہ ڈاکٹر کی بہن کی طرف ہے۔"

"اگر وہ مجھے ربر کی گیند کی طرح اچھال سکتی ہے تو یہی سمجھو۔"

"تم تو ڈاکٹر سے مل چکے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔ "اس کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ شاید وہ مہاتما بدھ کے بعد دوسرا غیر معمولی انسان ہے۔"

"اور عمران.....!"

"اس کے متعلق تو میں کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتا۔"

"کیوں.....!"

"اس لیئے کہ وہ بیسویں صدی کا شیخ چلی ہے۔"

"لیکن میں ایسا نہیں سمجھتی۔"

"بھئی یہ قصہ بہت وسیع ہے۔" انور اکتا کر بولا۔ "یہاں عمران کے علاوہ بھی کئی اور لوگ ہیں، جو اس سے بھی زیادہ بدنام ہیں۔ عمران کے سلسلے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ صرف حویلی والوں سے دشمنی رکھتا ہے۔ قصبے کے بقیہ لوگوں کو پریشان کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"ایک بات اور.....!" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "اگر وہ صرف حویلی ہی والوں کو نقصان پہنچانے پر تل جاتا تو اس کا پکڑا جانا یقینی تھا۔ اس لئے اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ وہ گاہے گاہے ان لوگوں پر بھی حملہ کرتا رہتا ہے جن سے اُس کے تعلقات بُرے نہیں۔ اس طرح وہ لوگوں کی نظروں میں مشتبہ ہونے سے بچ رہا ہے۔"

"خیال تو بُرا نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "لیکن حویلی والوں کے اور دشمن بھی ہوں گے۔ اس سلسلے میں محض عمران ہی کا نام کیوں لیا جائے۔"

"اس کی بھی ایک وجہ ہے۔"

"کیا.....؟"

"ٹھہرو....." رشیدہ اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بولی۔ اُس نے کمرے کا دروازہ کھول کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر واپس آ گئی۔ انور اُسے گھور رہا تھا۔

"عمران شاہدہ سے شادی کرنا چاہتا تھا..... اور خود شاہدہ کی بھی یہی خواہش تھی۔"

"اوہ.....!" انور چونک کر بولا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"مجھے یہ بات رانی صاحبہ نے بتائی تھی۔ لیکن شاہدہ کے متعلق خود میں نے ہی اندازہ لگایا ہے۔ عمران کی موجودگی میں اس کا سارا تیکھا پن غائب ہو جاتا ہے اور محمود سے تو شاید وہ کبھی نرمی سے گفتگو نہیں کرتی۔"

انور کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن وہ عمران نہیں ہو سکتا جس نے مجھے جھاڑیوں میں پھینکا تھا۔"

"اس مقصد کے لئے وہ کسی دوسرے کو بھی استعمال کر سکتا ہے۔" رشیدہ بولی۔

"تمہارا اشارہ شاید جنگلیوں کی طرف ہے۔" انور بولا۔

"یقیناً......!"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ان جھاڑیوں میں گھسنے کا کوئی ذریعہ ہے۔"

"میں تو یہی سمجھتی ہوں۔"

"کیوں......!"

"اگر جنگلی اس طرف آ سکتے، تو یہاں آئے دن چوریوں اور ڈاکوں کی وارداتیں ہوتی رہتیں۔"

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ پرندہ بھی اس جنگل سے نہیں آتا۔"

"میں یہی سمجھتا ہوں۔" انور نے کہا۔ "لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کروندے کے جنگل سے آتا ہے محض اس لئے کہ وہ اُسے جنگلیوں کا کوئی جادو سمجھتے ہیں۔"

رشیدہ خاموش ہوگئی انور اس کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے سگریٹ کا ٹکڑا کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔

رشیدہ کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور انور کی طرف دیکھنے لگی۔

"تو پھر اب تم نے کیا سوچا ہے۔"

"فی الحال مجھے اس پرندے کی فکر ہے۔" انور بولا۔ "یہ ثابت ہوگیا کہ وہ محض ایک شعبدہ ہے۔ آتشزنی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ میں جلد ہی اُسے پکڑ لوں گا۔"

"ذرا سوچ سمجھ کر۔" رشیدہ چونک کر بولی۔ "یہ مت بھول جانا کہ اس پر گولی پڑتے ہی ایک زوردار دھماکہ ہوا تھا۔"

"مجھے یاد ہے۔"

"تم اسے کس طرح پکڑو گے۔"

"جس طرح خدا پکڑوائے گا۔" انور جھلا کر بولا۔ "اچھا جاؤ اب سو رہو۔"

"تم نے مجھے خواہ مخواہ بلایا تھا۔" رشیدہ بھی اسی لہجے میں بولی۔

"ایک نظر دیکھنے کے لئے۔" انور مضحکہ خیز انداز میں آہ بھر کر بولا۔ "تاکہ میں رات بھر آرام سے جاگ سکوں۔ اچھا اب جاؤ۔ کل رات پھر ایک نظر دیکھ لوں گا۔"

رشیدہ اسے تیز نظروں سے گھورتی رہی پھر اٹھ کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

انور نے اس انداز سے دروازہ بند کرلیا جیسے اس نے کوئی بہت نیک کام کیا ہو۔ پھر وہ آنکھیں بند کر کے مسہری پر لیٹ گیا مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ایک تو زخموں کی چھرچھراہٹ ہی بے خوابی کے لئے کافی تھی اس پر آج کی توہین۔ شاید انور نے پہلی بار زندگی میں یہ چیز محسوس کی تھی کہ اس سے بھی زیادہ طاقت ور لوگ اس زمین پر بستے ہیں۔ اس کے ذہن میں اس وقت تک صرف ایک ہی سوال تھا وہ یہ کہ اس پراسرار آدمی سے دوسری مڈبھیڑ کب اور کس طرح ہوگی۔ اس کی غیر معمولی طاقت سے خائف ہونے کی بجائے انور اس سے دوبارہ ٹکرانے کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔

اس نے اٹھ کر گھڑی پر نظر ڈالی۔ ایک بج رہا تھا۔ اس نے سگریٹ سلگائی اور کھڑکی کے قریب آ گیا لیکن دوسرے لمحے سگریٹ زمین پر تھی اور وہ اسے پیر سے مسل رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کی نظریں اندھیرے میں کسی متحرک چیز کا تعاقب کر رہی تھیں۔ کوئی مہندی کی باڑھ کی اوٹ لیتا ہوا آہستہ آہستہ کوٹھی کی چہار دیواری کے عقبی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا اور پھر سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ کمپاؤنڈ میں چکر لگاتے ہوئے شکاری کتوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ انور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ یہ حویلی ہی کا کوئی فرد تھا۔ ورنہ کتے آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ عقبی دروازے کے قریب پہنچ کر وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا۔ شاید ادھر اُدھر کی آہٹ لے رہا تھا۔ پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

انور کے کمرے کی کھڑکی زمین سے تقریباً چھ سات فٹ اونچی تھی۔ وہ آہستہ سے نیچے اتر گیا۔ اُسے خوف تھا کہ کہیں کوئی کتا بھونکنا نہ شروع کر دے لیکن شاید قدرت مہربان تھی کسی نے اس طرف دھیان بھی نہ دیا۔ یا شاید یہ بات تھی کہ وہ اس کی بو میں اجنبیت نہیں محسوس کر سکتے تھے۔ وہ بہ احتیاط دروازے سے گذر گیا۔

تاروں کی چھاؤں میں دور ایک سایہ دکھائی دے رہا تھا۔ انور تیزی سے اس کا تعاقب کرنے لگا۔ تھوڑی دور چل کر وہ جنگل کی طرف گیا اور انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کا دل اس کے چہرے کے زخموں میں دھڑک رہا ہو۔ سایہ تیزی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے

چلنے کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کسی جانی پہچانی منزل کی طرف جا رہا ہو۔ جنگل رہ رہ کر ڈراؤنی آوازوں سے گونج اٹھتا تھا۔ کبھی کبھی تو کروندے کی جھاڑیوں میں کچھ اس قسم کی سرسراہٹ پیدا ہوتی جیسے کوئی وحشی درندہ جھپٹ کر حملہ کرنے جا رہا ہو۔ چند گھنٹے پیشتر انور ادھر ہی سے دوبارہ گذرا تھا۔ لیکن اب کی وہ یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ وہ مشین نہیں بلکہ آدمی ہے۔ سائیں سائیں کرتی ہوئی رات کا خوفناک طلسم اس کے مشینی فلسفے پر مسلط ہوتا جا رہا تھا اور پھر اس بھیانک ماحول میں اسے ایک آواز سنائی دی۔ یہ ڈاکٹر کی پاگل بہن کے قہقہے کی آواز تھی جو کہیں دور تاریکیوں کا سینہ چیر کر پیپل کے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ میں مدغم ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی کسی درخت پر دو تین چمگادڑ بیک وقت چیخ کر خاموش ہو گئے۔ لیکن وہ سایہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے آگے بڑھتا جا رہا تھا اور اب تو اس کی چال میں کچھ دیوانگی سی پیدا ہو گئی تھی۔ جنگل اپنی بے شمار آوازوں میں چیخ رہا تھا اور سایہ آگے بڑھ رہا تھا۔ قہقہے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ انور کی رفتار سست ہو چلی تھی کہ یک بیک اس کے اندر سویا ہوا وحشی بیدار ہو گیا۔ وہ وحشی جس کا جاگنا عموماً کسی خطرے کا پیش خیمہ ثابت ہوا کرتا ہے۔

آخر کار وہ سایہ رک گیا۔ انور آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ڈاکٹر کی بہن کی آواز قریب ہی کہیں سنائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سے لڑ رہی ہو۔ پھر کچھ ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی کسی کو پیٹ رہا ہو۔ سائے کا رخ آوازوں ہی کی طرف تھا۔ انور سائے سے تین چار قدم پیچھے ہی رک گیا۔

یہ وہی جگہ تھی جہاں وہ شخص غائب ہوا تھا جس کے ہاتھوں انور نے چند گھنٹے پیشتر شکست کھائی تھی۔ سامنے تھوڑی ہی دور پر جھیل لہریں لے رہی تھی۔ جس کے کنارے دو دھندلے سے سائے نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک تو ڈاکٹر کی بہن تھی اور دوسرا کوئی اور...... ڈاکٹر کی بہن اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹ رہی تھی اور وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چیختی بھی جا رہی تھی۔

"کمینے...... کتے...... میں تیری بوٹیاں اڑا دوں گی۔ تیرے گالوں کی بوٹیاں نوچ کر چباؤں گی۔ تیرے ہونٹوں کے پرخچے اڑا دوں گی۔ سؤر کے بچے! تو نے میری چوڑیاں توڑ دیں

ہیں۔ میری آنکھوں کے کاجل سے آسٹریلیا کا نقشہ بنایا ہے۔ یو ڈرٹی سوائن...... میری پلکوں تلے صنوبر کے سائے تھے۔ میرے گالوں میں چناروں کی آگ تھی۔ تو نے اس آگ میں اُلو اگا دیئے۔ بکری کے خصم تیرا نانا شوپنہائر تھا۔ ٹراٹسکی کے بچے! تیرے منہ پر تھوکتی ہوں۔ سنو سؤر کے بچے خزاں آ گئی۔ کلیاں مرجھا گئیں۔ باغ ویران ہو گیا۔ سنگترے اداس ہیں۔ سنگترے کی پھانکیں اداس ہیں۔ میں تیری ہڈیاں توڑ توڑ کر ان کا سارا گودا چوس لوں گی۔"

اس نے ایک وحشت ناک قہقہہ لگایا اور اسے شدت سے پیٹنے لگی۔

دفعتاً انور اپنے آگے کھڑے ہوئے سایہ کی طرف متوجہ ہوا جس کا داہنا ہاتھ آہستہ آہستہ اٹھ رہا تھا اور ستاروں کی چھاؤں میں کسی چمکدار چیز کی مدھم سی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ انور نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر پستول چل چکا تھا۔ انور نے جھٹکا دیا اور سایہ ایک بے جان لاش کی طرح اس پر آ رہا۔ یک بیک اس کی نظریں جھیل کی طرف اٹھ گئیں۔ ڈاکٹر کی بہن شاید جھیل میں گر گئی تھی۔ اس کے ساتھی نے بھی دیکھتے ہی دیکھتے چھلانگ لگا دی۔ انور پستول چلانے والے کو ایک طرف سرکنڈوں کی جھاڑیوں میں گھسیٹ لے گیا۔ شاید وہ بیہوش ہو گیا تھا۔ انور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ دفعتاً کسی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے جھاڑیوں سے سر نکال کر دیکھا۔ کوئی کسی کو کاندھے پر لادے ہوئے دوڑتا ہوا اس کے قریب نکل گیا۔ دور تک قدموں کی آواز سنائی دیتی رہی پھر سناٹا چھا گیا۔

انور نے بیہوش کو بائیں ہاتھ پر سنبھال کر دیا سلائی روشن کی۔

"شاہدہ......!" اُس نے آہستہ سے کہا اور اس طرح مسکرانے لگا جیسے ابھی جو کچھ بھی ہو چکا ہے اُس پر وہ مطمئن ہے۔ اُس نے اس کی مٹھی میں جکڑا ہوا پستول نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔

شاہدہ ابھی تک بیہوش تھی۔ وہ اسے کاندھے پر لاد کر جھیل کے کنارے لے آیا اور اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد وہ ہوش میں آ گئی۔ انور اس پر جھکا ہوا تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ شاید وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر انور کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ڈرو نہیں۔" انور نے آہستہ سے کہا اور وہ اٹھ کر بھاگی لیکن انور نے اُسے پکڑ لیا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔"

"اگر میں نہ ہوتا تو تم نے انہیں قتل ہی کر دیا تھا۔"

شاہدہ کے منہ سے ایک دبی دبی سی سسکی نکلی اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ قریب کی جھاڑیوں میں جھینگروں کی جھائیں جھائیں تیز ہوگئی۔

جھگڑا

انور تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ شاہدہ خود بولے گی۔ لیکن اس خیال غلط نکلا۔ شاہدہ بغیر کچھ کہے سنے واپس جانے کے لئے اٹھنے لگی۔ انور بھی خاموشی سے ا اور اس کے ساتھ ہولیا۔ اس نے پستول کے کارتوس نکال کر جھیل میں پھینک دیئے تھے۔

"یہ لو.....!" وہ اسے پستول دیتا ہوا بولا۔ "اول تو اس کا استعمال ہی میں پسند نہیں کر ویسے اگر ضرورت پڑ ہی جائے تو کافی سمجھ بوجھ کر کام لینا چاہیے۔"

شاہدہ نے پستول لے لیا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔

"اس لڑکی کے ساتھ کون تھا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"لیکن تم نے گولی کس پر چلائی تھی۔"

"میرا دماغ خراب ہوگیا تھا۔" شاہدہ آہستہ سے بولی۔

"بے وجہ دماغ بھی نہیں خراب ہوتا۔"

شاہدہ خاموش ہوگئی۔ وہ اس طرح آہستہ آہستہ چل رہی تھی جیسے کسی طویل بیماری سے اٹھی ہو۔

"تمہیں اس سے کیوں دشمنی ہے۔" انور نے پھر پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"تو پھر تم جانتی کیا ہو۔" انور جھنجھلا کر بولا۔ "میں ڈاکٹر سے تمہارے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کرادوں گا۔"

"میں تمہارے دوست کی بیوی ہوں۔" شاہدہ آہستہ سے بولی۔

"میں مجرموں کو اپنا دوست نہیں سمجھتا۔"

"کیا مطلب......!" شاہدہ چلتے چلتے رک کر خوفزدہ آواز میں بولی۔

"میں نہیں جانتا۔"

شاہدہ پھر چلنے لگی۔ اس کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔

"مجھے سہارا دو، ورنہ میں گر پڑوں گی۔" وہ آہستہ سے بولی۔ انور نے اُسے بازو پر سنبھال لیا۔

شاہدہ کے منہ سے سسکیاں نکل رہی تھیں۔ وہ رو رہی تھی۔

"تم رو بھی سکتی ہو۔" انور طنز آمیز لہجے میں بولا۔

شاہدہ نے کوئی جواب نہ دیا وہ برابر روئے جا رہی تھی۔

"اگر واپسی میں تمہیں کسی نے دیکھ لیا تو تم کیا جواب دو گی؟" انور نے پوچھا۔

شاہدہ کی سسکیاں اور تیز ہوگئیں۔

"میں تم سے اب کچھ نہ پوچھوں گا! میں سب کچھ جانتا ہوں۔" انور نے کہا۔

"خدا کے لئے تم ہری پور سے چلے جاؤ۔" شاہدہ ہچکیاں لیتی ہوئی بولی۔

"مجھے خاندان کی عزت اپنے غصے سے زیادہ عزیز ہے۔"

"میں کسی کام میں ہاتھ ڈالنے کے بعد اسے ادھورا نہیں چھوڑا کرتا۔"

"میں تم سے التجا کرتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

شاہدہ پھر کچھ سوچنے لگی

"اس واقعے کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"میں وعدہ نہیں کرسکتا۔"

"تب پھر مجھے واپس نہ جانا چاہئے۔" وہ ایک طرف ہٹتی ہوئی بولی۔

"یعنی......!" انور مضحکہ خیز انداز میں بولا۔

"میرے لئے خودکشی ہی بہتر ہوگی۔" وہ جھیل کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

"تو ادھر کہاں جارہی ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔ "جھیل شاید زیادہ گہری نہیں ہے۔"

شاہدہ رک گئی۔

"تمہارے پاس پستول بھی تو ہے۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔ "لو میں یہاں سے ہٹا ہوں شاید میری موجودگی میں تمہیں خودکشی کرتے وقت کچھ حجاب محسوس ہو۔"

"تم درندے ہو۔" شاہدہ آہستہ سے بولی۔ "محمود ٹھیک کہتے تھے۔"

"بھلا اس میں درندگی کی کیا بات ہے۔ میں تو تمہیں ایک معقول مشورہ دے رہا تھا۔"

شاہدہ سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گئی۔

"یہ اداکاری دکھانے کا وقت نہیں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔ "ڈھائی بج رہے ہیں! کسی نے واپسی پر ہمیں دیکھ لیا تو محمود تمہیں کل ہی طلاق دے دے گا۔"

شاہدہ اس طرح اچھل کر کھڑی ہوگئی جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"خدا کے لئے تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"بس فضول باتیں بند کرو...... گھر کا راستہ ادھر ہے۔" انور ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا بولا۔ دونوں پھر چلنے لگے۔

"میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں کسی سے کہنا نہیں۔"

"تمہاری پچھلی بداخلاقیاں مجھے انتقام پر مجبور کر رہی ہیں۔"

"تم نہیں جانتے میری ساری زندگی زہر بن گئی ہے۔ میں اپنے لئے بھی عذاب ہوں اور دوسروں کے لئے بھی۔"

"میں جانتا ہوں...... اور اسی دن سے جانتا ہوں جس دن تم پہلی بار رقص گاہ میں ملی تھیں۔"

"بعض اوقات میں پاگل ہوجاتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے ان دونوں میں سے کس پر گولی چلائی تھی۔"

شاہدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔"

"میں کچھ نہیں بتا سکتی۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"تم جانو......!" انور نے لاپرواہی سے کہا۔

شاہدہ چلتے چلتے رک گئی۔

"میں تم سے خائف نہیں ہوں۔" وہ گرج کر بولی۔ "میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ جاؤ تمام ڈھنڈورا پیٹ دو...... مجھے پرواہ نہیں ہے...... اور تم...... تم کتے ہو۔"

انور حیرت سے اُسے دیکھنے لگا اور وہ تیزی سے گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔ حویلی نزدیک ہی تھی۔ انور مصلحتاً وہیں رکا رہا۔ اس نے ایک سگریٹ نکالی اور سلگا کر پینے لگا۔ اس کا دماغ بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ بے شمار واقعات اور کام کے نکتے سامنے بکھرے ہوئے تھے بس انہیں ترتیب دینا باقی رہ گیا تھا۔

شروع سے آخر تک کڑیاں ملتی گئیں۔ مگر وہ آتشی پرندہ...... اور پھر وہ بھیانک آدمی؟ انور چونک پڑا۔ وہ سوچنے لگا ابھی کسی نتیجے پر پہنچنے میں جلدی نہ کرنی چاہئے۔ ظاہری اسباب کی ترتیب میں ذہن دھوکا بھی کھا سکتا ہے۔ سگریٹ ختم کرنے کے بعد وہ حویلی کی طرف چل پڑا۔ باغ کا عقبی دروازہ دوسری طرف سے بند نہیں تھا وہ بہ آہستگی اپنے کمرے کی کھڑکی کے پیچھے پہنچ گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ اوپر تھا۔ چراغ بجھا کر وہ بستر میں گھس گیا۔ نہ جانے کیوں دو کتے اس کی کھڑکی کے نیچے آ کر بھونکنے لگے تھے۔

دوسرے دن صبح ناشتے کی میز پر انور نے محسوس کیا کہ شاہدہ کی حالت میں کسی قسم کا فرق نہیں پیدا ہوا۔ اس کی تیوریاں بدستور چڑھی ہوئی تھیں۔ اس نے انور کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا چائے کے دوران میں وہ اپنی عادت کے مطابق جلی کٹی باتیں کرتی رہی۔ اس کے اس رویے سے انور کو ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے پچھلی رات کے واقعات میں کوئی سچائی نہ رہی ہو۔ وہ محض خواب رہے ہوں۔ انور کو اس کی اداکاری پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ اسے ایک تعلیم یافتہ مگر قطعی گھریلو عورت سمجھتا تھا۔

اس کا دماغ بُری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔ اس نے پچھلی رات کو محض ایک شبہے کی بنا
شاہدہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ سب کچھ جانتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ ڈاکٹر کی بہن کے ساتھی
متعلق کچھ بھی نہیں جان سکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاہدہ جو اس کی حقیقت سے واقف تھی
اگل دے گی مگر ایسا نہ ہوسکا۔ وہ توقعات سے بڑھ کر سخت ثابت ہوئی۔ بہر حال انور کے ذ
میں جو شبہ رینگ رہا تھا اس نے حقیقت کی سرحدوں کو چھونے کے لئے ایک نئی شکل اختیار ک
جیسے ہی محمود ناشتے کی میز سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگا انور نے اُسے دیکھ کر معنی
انداز میں سر ہلا دیا اور مسکرا کر آنکھ ماردی۔

"شرارت نہیں پیارے...... شرافت......!"

"یعنی......!"

"اپنے کمرے میں چلو......!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ وہ کنکھیوں سے شاہدہ کی طرف دیکھ
تھا۔ اس کے اطمینان میں قطعی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ پھر انور یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ یقیناً
کے دماغ میں بھی فتور ہے۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد جب رانی صاحبہ اپنے مرغی خانے کی دیکھ بھال کے سلسلے
نوکروں کو ہدایات دینے جا رہی تھیں انہوں نے محمود کے کمرے میں تیز تیز آوازیں سنیں اور ا
کمرے سے نکلتے دیکھا۔ جس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ رانی صاحبہ کیساتھ رشیدہ بھی تھ

"رشو......!" انور تیز لہجے میں بولا۔ "اپنا سامان درست کرو۔"

"ہائیں کیا بات ہے۔" رانی صاحبہ نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں اب جانا چاہتا ہوں۔" انور بے رخی سے بولا۔

"آخر کیوں؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو وجہ نہ بتا سکوں گا۔"

"تو کیا کسی بات پر ناراض ہو کر جا رہے ہو۔"

"میں اس پر بھی اظہار خیال کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔"

اتنے میں محمود بھی آ گیا۔ اس کی آنکھیں بھی غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

"آخر بات کیا ہے۔" رانی صاحبہ نے اس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں......!"

"تم لوگ مجھے سچ مچ پاگل بنا دو گے۔"

"رشو......!" انور نے رشیدہ کی طرف گھور کر دیکھا۔

رشیدہ وہاں سے چلی گئی۔

شور سن کر شاہدہ بھی آ گئی تھی۔ لیکن اب بھی اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"محمود تم بتاتے کیوں نہیں۔" رانی صاحبہ پھر بولیں۔

"کیا بات ہے۔" شاہدہ نے آہستہ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں......!" محمود تند لہجے میں بولا۔

رانی صاحبہ سر پکڑ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔

رشیدہ دونوں سوٹ کیس لے کر آ گئی تھی۔

"ارے...... ارے...... تو کیا واقعی۔" رانی صاحبہ اٹھتی ہوئی بولیں۔

"ہاں رانی صاحبہ میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔" انور سوٹ کیس لے کر برآمدے کی
طرف بڑھتا ہوا بولا۔ رشیدہ اس کے پیچھے تھی۔ اچانک انور مڑا اور محمود کو مخاطب کر کے بولا۔

"لیکن تم یہ نہ سمجھنا کہ میں ہری پور سے جا رہا ہوں۔"

"ہری پور تمہیں آج ہی چھوڑنا ہوگا۔" محمود گرج کر بولا۔

"محمود......!" رانی صاحبہ چیخیں۔ "بے شرم! بدتمیز...... چپ رہو۔"

"چچی اماں......!"

"تم بدتمیز ہو...... اس گھر میں کبھی کسی مہمان کی بے عزتی نہیں ہوئی۔"

رانی صاحبہ محمود پر گرجتی ہی رہیں اور یہ دونوں وہاں سے چل پڑے۔

"لیکن ہم جائیں گے کہاں۔" رشیدہ نے کمپاؤنڈ کے باہر آ کر پوچھا۔

"عمران کے گھر......!"

"آخر بات کیا تھی۔"

"پھر بتاؤں گا۔"

وہ دونوں تیزی سے قصبے کی طرف جا رہے تھے۔

نیا میزبان

عمران نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ انور اور رشیدہ سے اس طرح گھل مل کر باتیں کر رہا جیسے برسوں سے انہیں جانتا ہو۔ اس کی توجہ کا مرکز زیادہ تر رشیدہ تھی۔

"انور صاحب میں نے آپ کو پہلے ہی حویلی والوں کے چھچھورے پن سے مطلع کر تھا۔" عمران نے کہا۔ "میں یہ مان نہیں سکتا کہ آپ کسی ناخوشگوار واقعے کے شکار نہیں ہوئے میں ان لوگوں کی رگ رگ سے واقف ہوں۔"

"میں یہ کب کہتا ہوں کہ میں یونہی تفریحاً آپ کا مہمان بنا ہوں۔" انور ہنس کر بولا۔

"مہمان! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں آپ لوگوں کو اپنا ہی سمجھتا ہوں...... خصوصاً رشیدہ صاحبہ کی موجودگی تو میرے لئے باعث فخر ہے۔ انور صاحب میں بہادروں کی قدر کرتا ہوں... اور پھر رشیدہ صاحبہ نے تو داراب جیسے خوفناک ڈاکو کو ختم کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ مشرقی عورتیں کسی سے کم نہیں۔"

"آپ کو ہم لوگوں کے متعلق کس نے بتایا۔" انور نے پوچھا۔

"حویلی ہی میں معلوم ہوا تھا۔" عمران ہنس کر بولا۔ "اور اس کے بعد ہی میں آپ لوگوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ محمود مجھے کبھی آپ لوگوں سے نہ ملنے دے گا۔ اسی لئے میں نے وہ کل والا بے تکا طریقہ اختیار کیا تھا۔ آپ لوگوں کو میری حماقت پر ہنسی تو بہت آئی ہو گی اور سچ پوچھئے تو وہ تھا بھی بچکانہ طریقہ۔ میں نے آپ شکار کا سارا مزہ کرکرا کر دیا تھا۔"

رشیدہ ہنسنے لگی۔

"ایک بات اور......" انور سنجیدگی سے بولا۔ "محمود نے مجھے دھمکی دی ہے۔"

"دھمکی! کیسی دھمکی؟"

"یہی کہ اگر میں آج ہی ہری پور سے نہ چلا گیا تو......!"

"لاشیں گر جائیں گی انور صاحب۔" عمران اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میرے مہمان کو ٹیڑھی نظر سے دیکھنے والا زمین پر پیر نہ ٹیک سکے گا۔ یہ حویلی نہیں عمران کا گھر ہے۔"

"ایسا نہ کہو......وہ یہاں کا سب سے بڑا جاگیردار ہے۔"

"تو انور صاحب آپ کا یہ خادم بھی کسی سے گیا گزرا نہیں۔" عمران اکڑ کر بولا۔ "بخدا میں اس وقت نشے میں نہیں ہوں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں پوری ذمہ داری کے ساتھ۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں تو صرف موقعے کی تلاش میں تھا۔ ذرا محمود بول کر تو دیکھے۔"

انور خاموش ہو گیا اور عمران اپنے چوڑے چکلے بازوؤں کی طرف دیکھتا رہا۔

"لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔" عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "محمود آپ لوگوں کو خاص طور سے یہاں لایا تھا۔"

"یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"یہ بات سارے قصبے میں مشہور ہے۔"

"لیکن لوگوں کو یہ بات معلوم کیسے ہوئی۔"

"حویلی ہی والوں کے ذریعے سے۔"

"اوہ......!" انور کچھ سوچنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ نے شاید انہیں منع کر دیا تھا کہ آپ کے آنے کا مقصد کسی سے نہ بتائیں۔" عمران مسکرا کر بولا۔

"آپ کا خیال صحیح ہے۔" انور اسے گھورتا ہوا بولا۔

"اور ان لوگوں نے اس کے خلاف کیا......آخر کیوں؟"

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔" انور نے کہا۔

"آپ سوچتے ہی رہ جائیں گے۔" عمران ہنس کر بولا۔ "آپ محمود کو نہیں جانتے۔ وہ

انتہائی مکار اور کینہ توز آدمی ہے۔ ایک طرف تو وہ آپ کو اس پرندے کی حقیقت معلوم کرنے
لئے لایا اور پھر آپ کی تاکید کے باوجود بھی اس نے اس کا تذکرہ دوسرے لوگوں سے کر دیا۔
سے آپ کیا سمجھتے ہیں۔"

"عمران صاحب...... آپ بہت ذہین آدمی ہیں۔" انور اسے مصنوعی حیرت سے دیکھ
بولا۔ "یہی سوال میرے ذہن میں بھی تھا۔"

"اور مجھے یقین ہے کہ یہی سوال آپ کو اس پرندے کی حقیقت تک لے جائے گا۔"

انور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آہستہ سے بولا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"محمود سے کوئی قصبے میں خوش نہیں ہے۔" عمران نے کہا۔

"آخر کیوں؟"

"محض اس کی کینہ پروری کی بناء پر۔"

"ایک بات تو میں بھی کہوں گا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "شاہدہ جیسی نیک لڑکی ہرگز
کے قابل نہ تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" عمران زہر خند کے ساتھ بولا۔ "دولت زندگی کی دوسری قدروں سے
اہم ہے۔"

تو کیا اس کی شادی محمود کے ساتھ زبردستی کی گئی ہے۔" انور نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"یہ ایک لمبی داستان ہے انور صاحب۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ شاہدہ رضا مند نہیں تھی
اس سمجھوتے کی وجہ دولت ہی تھی۔ محمود کے چچا لاولد تھے یعنی رانی صاحبہ کے کوئی اولاد نہ
اس لئے انہوں نے محمود کو گود لے لیا تھا اور راجہ صاحب شاہدہ کو بھی بے حد چاہتے تھے۔ ان
خواہش تھی کہ محمود اور شاہدہ کی شادی ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے وصیت کی کہ محمود اسی حالت
ان کی پوری جائیداد کا وارث ہو سکتا ہے جب وہ شاہدہ سے شادی کر لے، ورنہ نہیں۔ ایسی صو
میں آپ خود سوچ سکتے ہیں۔"

"تو کیا شاہدہ رضا مند نہیں تھی۔"

"میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

"کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔" انور اسے آنکھ مار کر مسکراتا ہوا بولا۔

عمران ہنسنے لگا۔ مگر اس کا قہقہہ بالکل کھوکھلا اور بے جان تھا۔

"یہ تو آپ بھی جانتے ہیں۔" عمران نے کہا اور یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد
بولا۔ "میں کینہ توز نہیں، ہوں انور صاحب...... محمود اچھی طرح جانتا ہے کہ جب بھی مجھے موقع مل
گیا اسے نقصان پہنچانے سے باز نہ آؤں گا۔ اگر اس کے حصے میں آئی ہوئی دولت شاہدہ کو خرید
سکتی ہے تو میرا انتقامی جذبہ بھی کچھ کر سکتا ہے۔ میں افلاطونی عشق کا قائل نہیں ہوں اور نہ ہی
نیک آدمی ہوں۔ میں نے شراب کا پہلا پیگ اس وقت پیا تھا جب میں دس برس کا تھا۔"

"شاہدہ بھی تمہیں چاہتی تھی۔" انور نے پوچھا۔

"میں نے یہ جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی۔"

"تو پھر کوئی بات ہی نہ ہوئی۔" انور بولا۔

"یہ ضروری نہیں کہ وہ بھی مجھے چاہتی ہو۔" عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اب بھی جب کوٹھی
کے افراد مجھ سے نفرت کرتے ہیں شاہدہ اس معاملے میں ان سے بالکل الگ تھلگ نظر آتی
ہے۔ وہ خود کبھی بداخلاقی سے پیش نہیں آئی۔ شادی سے قبل بھی اس کا یہی رویہ تھا حالانکہ میرے
اعزہ مجھ سے ہمیشہ نفرت کرتے رہے ہیں۔"

"ممکن ہے کہ وہ ازراہِ شرافت ایسا کرتی رہی ہو۔" انور نے کہا۔

"تو میں کب اُسے کمینہ پن سمجھتا ہوں۔" عمران ہنس کر بولا۔ "مجھے اس سے محبت تھی اور
ہے۔ اب یا تو محمود کو مرنا پڑے گا یا شاہدہ کو طلاق دینی پڑے گی...... آپ ہنس رہے ہیں۔ بخدا
میں نشے میں نہیں ہوں۔ آپ کو یہ باتیں عجیب لگتی ہوں گی مگر میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ میں اپنی
کمزوریوں کو فلسفے یا منطق کی چادر میں چھپانے کا قائل نہیں۔ میں شاہدہ کی گلو خلاصی چاہتا ہوں
چاہے وہ جس صورت میں ہو۔"

"خیر چھوڑو......!" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "یہ بتاؤ کہ شاہدہ شادی سے قبل بھی
چڑچڑی تھی۔"

’’ہرگز نہیں......!‘‘ عمران بولا۔

’’پھر آخر اس کے چڑچڑے پن کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔‘‘

’’محمود کی عیاشی اور اوباشی۔‘‘

’’اگر یہ بات ہے تو تمہیں بتاؤ کہ وہ تم جیسے بدنام آدمی سے کیسے شادی کر لیتی۔‘‘

’’خدا کی قسم اگر وہ مجھ سے کہتی تو میں شراب قطعی ترک کر دیتا۔ حالانکہ شراب میری ز کا جزو لازم بن کر رہ گئی ہے۔ میں مرجاتا مگر شراب نہ پیتا۔ انور صاحب وہ جس طرح کہتی اسی طرح زندگی بسر کرتا۔ انور صاحب میں مرجاتا...... مگر......!‘‘

’’ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔ مگر میں نے سنا ہے کہ محمود قصبے میں بہت نیک نام ہے۔‘‘

’’میں پھر کہتا ہوں انور صاحب کہ وہ بڑا مکار ہے۔ اس کے سیاہ کارناموں سے واقف ہوں۔‘‘

’’مثلاً......!‘‘ انور نے کہا اور اپنی ساری توجہ اس کی طرف منعطف کر دی۔

عمران نے محمود کی عیاشی کی ایک داستان چھیڑ دی لیکن انور کو اس میں کوئی ایسی چیز نہ جو اس کے کام کی ہوتی۔

رشیدہ اس گفتگو میں قطعی کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ وہ محمود اور انور کی اچانک لڑا وجہ جاننا چاہتی تھی آخر یہ یک بیک کیا ہوگیا۔ رانی صاحبہ پر اس کا کیا ردعمل ہوا ہوگا۔ اُ دوران میں اس سے بے پناہ محبت ہوگئی تھی۔ اُن کے لہجے میں اتنی گھلاوٹ اور ماماتھی کہ اوقات اس کا بے اختیار یہ دل چاہتا تھا کہ ’’ماں‘‘ کہہ کر اس سے لپٹ جائے۔

کبھی وہ یہ سوچتی کہ شاید انور نے یہ سب کچھ سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کیا ہے۔ محمو اس کی لڑائی مصنوعی تھی مگر خیال آتا کہ اتنی بے ساختہ قسم کی جنگ مصنوعی نہیں ہوسکتی۔ اسے سرخ سرخ اور اپنے حلقوں سے ابلتی ہوئی آنکھیں اچھی طرح یاد تھیں۔ غصہ مصنوعی ہوسکتا لیکن اس کا خارجی ردعمل ہرگز مصنوعی نہیں ہوسکتا۔ مصنوعی غصے میں آدمی چیخ تو سکتا ہے لیکن کی آنکھیں نہیں سرخ ہوسکتیں۔

تھوڑی دیر دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد انور نے پھر مطلب

باتیں شروع کر دیں۔

’’تم نے میرا میزبان بننا تو منظور کر لیا ہے لیکن اگر اس سے تمہیں کوئی نقصان پہنچا تو میں ذمہ دار نہ ہوں گا۔‘‘

’’کس قسم کا نقصان......؟‘‘ عمران چونک کر بولا۔ ’’کیا واقعی آپ مجھے محمود سے کمزور سمجھتے ہیں۔‘‘

’’محمود کی بات نہیں...... میرا اشارہ اس آتشی پرندے کی طرف تھا۔‘‘

عمران خاموش ہوگیا اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہتے ہوئے ہچکچا رہا ہے۔ انور اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ رشیدہ بھی اس کی اس اچانک تبدیلی پر حیران ہوئی۔ حیرت کی بات بھی تھی کیونکہ عمران ابھی کچھ ہی دیر قبل بہت بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہا تھا۔

’’غالباً تمہاری میزبانی کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔‘‘ انور مسکرا کر بولا۔

’’یہ بات نہیں انور صاحب۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر سچ مچ مجھے بھی اسی حادثے سے دوچار ہونا پڑا تو آگ پر قابو پانے کے لئے کون سی تدبیر اختیار کی جائے گی۔‘‘

انور ہنسنے لگا۔

’’خیر جی دیکھا جائے گا‘‘ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ’’قبل از مرگ واویلا سے کیا فائدہ۔ ہاں یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ کروندے کے جنگل کے متعلق کیا رہا۔ میں نے سارے انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔‘‘

’’بیکار ہے۔‘‘ انور نے لاپروائی سے کہا۔ ’’خواہ مخواہ دردسری مول لینے سے کیا فائدہ۔‘‘

’’میں کل ہی سمجھ گیا تھا کہ آپ اس مقصد سے ادھر نہیں جانا چاہتے جو آپ نے ظاہر کیا تھا۔‘‘

’’تم غلط سمجھے۔‘‘ انور نے کہا۔ ’’میں اسے جنگلیوں کا جادو نہیں سمجھتا۔‘‘

’’پھر......!‘‘

’’کسی انتہائی احمق آدمی کا کارنامہ...... جو محض مکانوں میں آگ لگانے کے لئے اتنی دردسری مول لیتا ہے۔‘‘

’’میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔‘‘

’’عنقریب سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔‘‘ انور مسکرا کر بولا۔

عمران کچھ سوچنے لگا۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر ان کی طرف مخاطب ہوا۔

''اچھا اب آپ لوگ آرام کیجئے۔ میں کچھ دیر کے لئے اجازت چاہوں گا۔''

''کسی قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں۔'' انور نے مسکرا کر کہا۔ ''ہاں میرا دل چاہتا ہے جھیل میں مچھلیوں کا شکار کھیلوں۔''

''ضرور...... ضرور...... میں کانٹے وغیرہ مہیا کردوں گا۔''

''کانٹے نہیں جال......!'' انور نے کہا۔

''جال کے شکار میں کیا لطف آئے گا۔ خیر جال بھی مل جائے گا۔''

عمران چلا گیا اور انور اٹھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس مکان میں عمران دو ملازموں کے ساتھ تنہا رہتا تھا۔ اس کے خاندان کے بقیہ افراد دوسرے مکان میں رہتے تھے۔ شاید خود ان لوگوں نے عمران کو الگ کر دیا تھا یہاں وہ سارے لوازمات مہیا تھے جو ایک عیاش رئیس کے لئے ضروری ہو سکتے تھے۔

رشیدہ ان سب چیزوں میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ اس کے ذہن میں تو صرف ایک سوال گونج رہا تھا کہ واقعات کا یہ نیا موڑ کیا معنی رکھتا ہے۔

''انور......!'' اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا کرنے والے ہو۔''

''میں محبت کرنے والا ہوں۔''

''دیکھو مجھے خواہ مخواہ الجھن میں مت مبتلا کرو۔''

''میں نے ابھی تک کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔''

''تم محمود سے کیوں لڑ گئے۔''

''میں نہیں لڑا بلکہ وہ خود لڑ گیا۔''

''آخر کیوں؟''

''انور نے اُسے رات کے سارے واقعات بتا دیئے اور رشیدہ اسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھنے لگی۔''

''تو کیا تم نے اُسے شاہدہ کے متعلق بتا دیا تھا۔'' اُس نے پوچھا۔

''قطعی نہیں۔'' انور نے کہا۔ ''میں نے صرف اس سے اتنا کہا تھا کہ رات ڈاکٹر کی بہن جھیل کے کنارے کسی کی مرمت کر رہی تھی۔ اس پر وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر یکایک خود بخود پاگل کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ پچھلی باتیں نکال بیٹھا۔ کہنے لگا اگر تم یہاں رہے تو حویلی راکھ کا ڈھیر ہو جائے گی۔ گاؤں والے الگ بدظن ہو گئے ہیں اس طرح بات بڑھ گئی۔''

رشیدہ کچھ سوچنے لگی۔

''لیکن وہ کون تھا جسے تم نے ڈاکٹر کی بہن کے ساتھ دیکھا تھا۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

''محمود......!'' انور نے کہا اور سگریٹ نکالنے کے لئے جیب ٹٹولنے لگا۔

''محمود......!'' رشیدہ نے تحیر آمیز انداز میں دہرایا۔

''ہاں محمود! یہاں کوئی خطرناک ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے۔'' انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ''محمود کو شبہ ہو گیا ہے کہ شاید میں نے ہی ان دونوں پر گولی چلائی تھی۔''

''اگر اس نے یہ سمجھا ہے تو بالکل احمق ہے۔ بھلا تم اس پر گولی کیوں چلانے لگے؟''

''اتنی ہی عقل ہوتی تو جاگیردار کیوں ہوتا۔''

''تم نے اسے بتا کیوں نہیں دیا کہ گولی شاہدہ نے چلائی تھی۔''

''نہیں میں نے اسے مناسب نہیں سمجھا۔''

''اور کیا وہ جانتا ہے کہ تم نے اسے پہچان لیا تھا۔''

''ظاہر ہے، جبھی تو وہ اس پر مصر ہے کہ میں ہری پور سے چلا جاؤں۔''

''لیکن تم نے اس سے یہ نہیں کہا کہ تم اسے پہچان گئے تھے۔''

''نہیں......!''

رشیدہ پھر کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

''شام کو ہم لوگ جھیل میں مچھلیوں کا شکار کھیلیں گے۔'' انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

''بس تمہیں ہی مبارک رہے۔'' رشیدہ بے دلی سے بولی۔

''خیر! یہ اور اچھا ہے کہ تم میری دم میں نہ بندھو گی۔''

"تم یہ کہہ کر بھی مجھے مکھیوں کے شکار پر آمادہ نہیں کر سکتے۔"

شکار اور شکاری

"تم ڈاکٹر سے ملی ہو" انور نے رشیدہ سے پوچھا۔

"نہیں......!"

"چلو تمہیں اس سے ملاؤں۔ بہت معقول آدمی ہے۔"

"بھئی میں نہ جانے کیوں کل رات سے تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ سر میں بھی درد ہے۔"

"تو پھر تمہیں تو ڈاکٹر سے ضرور ملنا چاہئے۔"

"ہاں......اچھا......خیر چلو۔" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

دس بج گئے تھے۔ انور عمران کے نوکر کو اطلاع دے کر ڈاکٹر کے گھر کی طرف چل پڑا۔ رشیدہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ یہ لوگ اس وقت پہنچے جب ڈاکٹر مطب سے اٹھ کر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ انور اور رشیدہ کو دیکھ کر وہ بزرگانہ انداز میں مسکرایا۔

"آیئے آیئے!" وہ انور سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "اس رات کے بعد سے تو پھر آپ سے ملاقات ہی نہ ہوئی۔ میں دراصل اس وقت حویلی ہی کی طرف جا رہا تھا محض آپ سے ملنے کے لئے۔"

پھر وہ رشیدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ کی تعریف۔"

"یہ میری دوست مس رشیدہ ہے۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" ڈاکٹر نے رشیدہ سے مصافحہ کرتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"انکی طبیعت کچھ بھاری تھی۔" انور نے کہا۔ "لہٰذا میں نے سوچا کہ آپ ہی پاس چلوں۔"

ڈاکٹر تھوڑی دیر تک رشیدہ کی طبیعت کا حال پوچھتا رہا پھر کمپاؤنڈر کو آواز دے کر اُسے کچھ ہدایتیں دیں۔

"بس ایک ڈوز پی لیجئے بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔"

رشیدہ اٹھ کر دوا خانے کی طرف چلی گئی۔

"ہاں تو انور صاحب......!" ڈاکٹر میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر انور کی طرف جھکتا ہوا بولا۔

"پرسوں رات کو میں آپ کی شخصیت سے واقف نہیں تھا۔"

انور صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"اس کی اطلاع تو آپ کو ملی ہوگی کہ کل رات کو میرے گھر میں بھی آگ لگ گئی تھی۔" ڈاکٹر بولا۔ "قبل اس کے کہ میں اس پرندے پر گولی چلاتا وہ چھت پر بیٹھ چکا تھا۔ لیکن انور صاحب کل مجھے اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہوگیا کہ اس حرکت میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے۔"

"وہ کیسے......؟" انور حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

"کسی نے پٹرول چھڑک کر مکان کے عقبی حصے میں آگ لگائی تھی اور میں نے ایک آدمی کو بھاگتے بھی دیکھا تھا۔ قبل اس کے کہ میں اس کا تعاقب کرتا وہ کہیں غائب ہوگیا۔"

"آپ کے علاوہ اور کسی نے اس قسم کی اطلاع نہیں دی۔"

"مجھ میں اور دوسروں میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔" ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔ "دوسرے لوگ اس پرندے سے خائف تھے لیکن میں نہیں تھا۔ دوسروں کے اوسان ہی بجا نہیں رہتے کہ وہ ان چیزوں کی طرف غور کر سکیں۔"

"جس وقت آگ لگی تھی آپ کے ہاتھ میں رائفل تو رہی ہوگی۔" انور نے کہا۔

"ہاں تھی تو......میں اس پرندے کی تاک میں تھا۔"

"تو پھر آپ نے اس بھاگنے والے پر فائر کیوں نہیں کیا۔"

"یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی۔" ڈاکٹر سوچتا ہوا بولا۔ "مگر غلطی کیوں۔ بات دراصل یہ ہے انور صاحب کہ میری سب سے بڑی کمزوری ہے کہ میں کسی آدمی پر اس قسم کا حملہ نہیں کر سکتا جس سے اس کی جان جانے کا احتمال ہو۔"

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دیوار پر لگے ہوئے ایک چارٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اس کا تذکرہ آپ نے کسی اور سے بھی کیا ہے؟" انور نے پوچھا۔

"میں دراصل اسی کے متعلق آپ سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔" ڈاکٹر کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ابھی تک میں نے کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔"

"کیا کسی خاص خیال کے تحت آپ نے ایسا کیا ہے۔"

ڈاکٹر چونک کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "کیوں؟ کیا آپ پر یہ خیال واضح نہیں ہوا۔ کیا اس واقعے کو شہرت دینے سے مجرم ہوشیار نہ ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے...... لیکن وہ پرندہ۔"

"میں ابھی تک اس کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کر سکا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"حویلی والوں سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں۔" انور نے اچانک پوچھا۔

ڈاکٹر اُسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹ ایسے انداز میں سکڑ گئے جیسے انور کا مضحکہ اڑانے کا ارادہ کر رہا ہو۔

"اس سلسلے میں آپ کا یہ سوال قطعی غیر متعلق معلوم ہوتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "بہر حال میں آپ کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔ میں یہاں ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے جواب دوں یا ایک عام آدمی کی حیثیت سے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ دونوں حیثیتیں آپ کی شخصیت سے الگ نہیں کی جا سکتیں۔" انور نے انتہائی خشک لہجے میں کہا۔

"بحیثیت ڈاکٹر میرے ان کے تعلقات کاروباری ہیں اور بحیثیت ایک عام آدمی حویلی کی اکثر دعوتوں میں شرکت کر چکا ہوں۔ اگر تعلقات سے آپ کی مراد زیادہ ربط وضبط ہے تو میں اس کا قائل ہی نہیں۔ میرا کبھی کسی سے زیادہ ربط وضبط نہیں رہا۔"

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رشیدہ اور ڈاکٹر کی بہن دکھائی دیں۔ وہ نہایت بے تکلفی سے رشیدہ کی گردن میں ہاتھ ڈالے دواخانے سے آ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کے بجائے متانت اور سنجیدگی تھی۔ کپڑے بھی اس نے کافی سلیقے سے پہن رکھے تھے۔

"بھیا یہ میری سہیلی ہیں۔" وہ ڈاکٹر سے بولی۔

ڈاکٹر اُسے اس حال میں دیکھ کر گھبرا گیا۔

"ٹھیک ہے سلیمہ...... ٹھیک ہے۔" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن گردن میں ہاتھ نہیں ڈالا کرتے۔"

"کوئی پریشانی کی بات نہیں۔" رشیدہ مسکرا کر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

دونوں بیٹھ گئیں۔ سلیمہ کا ہاتھ اب بھی رشیدہ کی گردن میں تھا۔

"تم بہت اچھی ہو۔" وہ رشیدہ کے گال پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔ "شاید تم شتر مرغ کی بہن ہو۔"

"سلیمہ......!" ڈاکٹر ملتجیانہ انداز میں بولا۔

"آپ فکر مت کیجئے۔" رشیدہ نے پھر کہا۔

"رانی صاحبہ کے خاندان میں محمود سب سے زیادہ نیک ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا......؟" انور نے اچانک پوچھا۔

ڈاکٹر جو اپنی بہن کی طرف دیکھ رہا تھا چونک کر انور کی طرف مڑا۔

"محمود واقعی اچھا آدمی ہے۔ اس قصبے میں اس کا دم غنیمت ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"محمود......!" سلیمہ چیخ کر بولی۔ "وہ سُور کا بچہ ہے۔"

"سلیمہ خدا کے لئے۔" ڈاکٹر اٹھتا ہوا غمزدہ آواز میں بولا۔ پھر انور کی طرف متوجہ ہو کر معذرت کرنے لگا۔ "آپ جانتے ہیں کہ یہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" انور آہستہ سے بولا۔ "اچھا اب ہم اجازت چاہیں گے۔"

"تم بھی جاتی ہو۔" سلیمہ رشیدہ کو کھینچ کر بٹھاتی ہوئی بولی۔ "نہیں میں تمہیں نہ جانے دوں گی۔"

رشیدہ ہنسنے لگی۔

"اچھا میں نہیں جاؤں گی۔" رشیدہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ پھر انور سے کہنے لگی۔ "تم جاؤ میں تھوڑی دیر بعد آؤں گی۔"

واپسی میں انور رشیدہ کی ذہانت کی تعریف کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ یقیناً کوئی کام کی بات معلوم کر کے واپس آئے گی۔

ادھر عمران نے صحن میں تین چار جال پھیلا رکھے تھے۔ اُن میں سے کچھ بوسیدہ تھے جن کی مرمت کی جا رہی تھی۔

"بھئی کمال کر دیا۔" انور مسکرا کر بولا۔ "ارے ایک کافی تھا۔"

"ان میں سے جو پسند ہو منتخب کر لیجئے حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تفریحاً مچھلی کا شکار کر
والے کبھی جال استعمال نہیں کرتے لیکن پھر یہ سوچتا ہوں کہ شاید یہ جال آپ آسمان پر لگا
انور صاحب میں کبھی آپ کو مشورہ نہ دوں گا۔ یہ آپ کے بس کا روگ نہیں معلوم ہوتا۔ شر
میں قصبے والوں نے کئی بہت بڑے بڑے عالموں کی اعانت حاصل کی تھی لیکن وہ منحوس پر
جوں کا توں رہا۔

"لیکن اب میں اسے جوں کا توں نہیں رہنے دوں گا۔" انور مسکرا کر بولا۔ "تم ذرہ بر
میں اس سلسلے میں تم سے اور کوئی مدد نہیں لوں گا۔"

"شاید آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں۔" عمران تلخ لہجے میں بولا۔

"یہ بات نہیں...... میں خود زیادہ بھیڑ نہیں چاہتا۔"

"آپ کی مرضی......!"

"ہاں ایک بات اور......" انور نے کہا۔ "آج ذرا ہوشیار رہنا۔ ممکن ہے کہ آج تمہار
ہی مکان کی باری ہو۔"

"مجھے اس کی فکر نہیں۔" عمران لاپروائی سے بولا اور انور چند سیکنڈ معنی خیز انداز میں اس
طرف دیکھتے رہنے کے بعد جال منتخب کرنے لگا۔ عمران اُسے تشویش آمیز نظروں سے دیکھ
تھا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بھاری غلطی کر بیٹھنے کے بعد پچھتا رہا ہو۔
انور اس کی طرف پلٹا۔

"ڈاکٹر نصیر کی بہن سلیمہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"آپ کے سوالات بڑے عجیب ہوتے ہیں۔" عمران کے لہجے میں تلخی تھی۔

"مطلب یہ ہے کہ وہ کافی خوبصورت ہے۔"

"ہاں ہے تو......!"

"سنا ہے محمود اس میں کافی دلچسپی لیتا ہے۔"

"ہوسکتا ہے لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔"

"تم نے کوشش کی۔" انور رازدارانہ لہجے میں بولا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ قبلہ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا۔"

"کیوں؟ کیا تم اس سے ڈرتے ہو۔"

"آپ اس وقت دلچسپ باتیں کر رہے ہیں۔" عمران طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیا آپ کسی پاگل سے دوستی کر سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں؟ کیا تم رشیدہ کو پاگل نہیں سمجھتے۔"

"خیر آپ اب مذاق پر اتر آئے۔ میں سمجھا تھا شاید آپ سنجیدگی سے گفتگو کر رہے ہیں۔"

"بخدا میں قطعی سنجیدہ ہوں۔" انور نے کہا۔ "سلیمہ بہت آسانی سے۔"

"بس بس رہنے دیجئے۔" عمران ہنس کر بولا۔ "مجھے اپنی ناکارہ زندگی بہت عزیز ہے۔"

"کیوں؟ کیا وہ حملہ بھی کر بیٹھتی ہے۔"

"کیوں نہیں...... پچھلے ہی مہینے کی بات ہے کہ ایک صاحبزادے نے اسے چھیڑ دیا تھا۔ پھر اس نے اس کی ایسی مرمت کی کہ وہ ایک ہفتے تک پلنگ سے اٹھ نہیں پائے۔ یہ میرا چشم دید واقعہ ہے۔ اس نے کسی پاگل کتیا کی طرح ان کی بوٹیاں نوچ کر رکھ دی تھیں۔ پھر اس دن سے کسی کی ہمت نہیں پڑی اور ویسے وہ کسی سے بولتی بھی نہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ اُسے چھیڑنا خطرناک ہے۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن ایسی صورت میں بھی بعض بے جگر ایسے ہوں گے جو اسے چھیڑنے سے باز نہ آتے ہوں گے۔"

"یہ محض آپ کا خیال ہے۔" عمران سنجیدگی سے بولا۔ "جس وقت وہ گھر سے باہر نکلتی ہے پورے گاؤں میں سناٹا چھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ دراصل وہ روایت ہے؟ اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس پرندے کا تعلق اسی کی ذات سے ہے۔"

انور کچھ سوچنے لگا۔ اس کے ذہن میں کئی سوال ابھر آئے تھے۔ محمود اس سے کیوں خائف نہیں ہے؟ اور وہ دونوں جھیل کے کنارے کیا کر رہے تھے۔ اگر محمود اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا تھا تو اس نے اس کی بوٹیاں بھی کیوں نہیں اڑا دیں۔ وہ سوچتا رہا اور عمران اٹھ کر چلا گیا۔

انور یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ عمران نے جس گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا تھا اب اس کی جگہ ایک قسم کی اکتاہٹ نے لے لی ہے۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ واپس آ گئی۔ انور اسے دیکھ کر مسکرایا اور جال چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''تو کیا تم سچ مچ شتر مرغ کی بہن ہو۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''فضول باتیں مت کرو...... میرا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیا ڈاکٹر کی بہن نے تمہاری بھی مرمت کر دی۔''

''مجھے اس سے ہمدردی ہے۔''

''اور اسی ہمدردی کی وجہ سے تمہارا موڈ خراب ہو گیا ہے۔'' انور منہ سکوڑ کر بولا۔

''کوئی کام کی بات ہے؟''

''کچھ نہیں! یہ بھی میری ایک حماقت تھی۔ بھلا کسی مخبوط الحواس سے کوئی کام کی بات بھی ہو سکتی ہے۔''

''خیر...... اچھا مجھے کام کرنے دو۔'' انور پھر بیٹھ کر جال کی مرمت کرنے لگا۔

رشیدہ دوسری طرف چلی گئی۔ وہ بھی ضرورت سے زیادہ اکتا گئی تھی۔ اس کیس میں اسے ذرہ برابر بھی لطف نہیں آ رہا تھا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ابھی تک نہ تو انور اور خود کوئی تھیوری بنا سکی تھی۔ بس چند واقعات کی بناء پر اندھیرے میں تیر چلائے جا رہے تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود انور ہمت نہیں ہارا تھا۔ اس کا خیال کہ بعض اوقات بغیر سمجھے افعال بھی مقصد تک پہنچا دیتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے ساز کے پردوں پر بلا مقصد ہوئی انگلیاں غیر شعوری طور پر وہی دھن پیدا کر لیتی ہیں جس کیلئے وہ عرصے سے بے تاب تھا۔ وہ مچھلیوں کے جال کو ایک خاص ڈھنگ سے ترتیب دیتا رہا۔

اور پھر سورج غروب ہونے سے قبل ہی جال سمیت جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ عجیب اتفاق تھا کہ رشیدہ کو اس دوران میں اچھا خاصا بخار ہو گیا اور اسے اتنی بھی سدھ نہ رہی کہ وہ انور کو اس کے ارادے سے باز رکھ سکتی اور عمران نے جانے کیوں انور سے رسماً یہ بھی نہ کہا کہ اسے اس کی مدد کی ضرورت تو نہ ہو گی۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور انور کسی ایسے درخت کی تلاش میں تھا جو اس کے خیالی نقشے کے احاطے میں ہو۔ اُسے یہ یقین تھا کہ وہ پرندہ آج بھی نمودار ہو گا مگر اس

کدھر ہو گا اس کا تصفیہ وہ نہ کر سکا۔ بادی النظر میں تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ آج عمران کے گھر کی باری ہے لیکن مجرم اتنا احمق نہیں ہو سکتا۔ وہ ابھی تک اس پرندے کو دوسروں کی گرفت سے محفوظ رکھنے کیلئے کافی احتیاط برت چکا تھا۔ انور کے خیال کے مطابق اس پر گولی پڑتے ہی جو دھماکہ ہوا تھا اس کا مقصد یہی تھا کہ پرندے کے چیتھڑے اڑ جائیں اور وہ کسی کے ہاتھ نہ لگ سکے۔

آہستہ آہستہ تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ آخر تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد اسے ایک موزوں درخت مل ہی گیا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور درخت پر چڑھنے لگا۔ بمشکل ایک شاخ تک ہاتھ پہنچا تھا کہ کہیں قریب ہی سیٹیوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیں۔ بلکہ بالکل ویسی ہی جیسی حویلی میں آتشزدگی کے موقعے پر سنائی دی تھیں...... انور تھم گیا۔

وہ پھر نیچے اتر آیا اور اب وہ جھکا ہوا آہستہ آہستہ سیٹی کی آواز کی طرف رینگ رہا تھا۔ آوازیں جھیل کی سمت سے آ رہی تھیں۔ چند لمحوں کے بعد سناٹا چھا گیا لیکن انور بدستور جھیل کی سمت بڑھ رہا تھا۔

اچانک ایک زوردار گھونسہ اس کی کنپٹی پر پڑا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا اس کی گردن کسی کی آہنی گرفت میں تھی اور دو خونخوار آنکھیں جن سے درندگی ٹپک رہی تھی اس کے چہرے پر جھکی ہوئی تھیں۔ انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کی قوت مدافعت زائل ہوتی جا رہی ہے۔ خونخوار آنکھوں کے دائرے وسیع ہوتے جا رہے تھے۔ تاریک پس منظر میں اس کے چہرے کے قریب دو انگیٹھیاں دہک رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ انگیٹھیاں بھی سرد ہو گئیں اور پھر تاریک رات سے زیادہ گہری تاریکی چھا گئی۔

نہ جانے کتنی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کے گال پر کوئی چیز رینگ رہی ہے جسے اس نے اضطرابی طور پر پرے جھٹک دیا اور بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

چاروں طرف مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ پہلے تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی بڑے صندوق میں بند ہے لیکن آہستہ آہستہ جب اس کی آنکھیں اس نئے ماحول کی عادی ہو گئیں تو پتہ چلا کہ وہ ایک خیمے کے نیچے بیٹھا ہے۔ داہنی طرف دروازے کے قریب دو موم بتیاں روشن تھیں۔ ایک طرف لکڑی کا ایک بے ہنگم سا تخت تھا جس پر ایک عجیب الخلقت آدمی بیٹھا اسے گھور

رہا تھا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں بے شمار کیڑے رینگنے لگے ہوں۔

انکشاف

یہ ایک قد آور اور بھاری بھرکم آدمی تھا۔ چہرے پر ڈاڑھی اور مونچھیں کچھ اس بے
سے اُگی ہوئی تھیں کہ انور کو بے ساختہ کروندے کی جھاڑیاں یاد آ گئیں۔ اس کا چہرہ وحشیا
تھا لیکن لباس مہذب دنیا کا تھا۔ شاید وہ انور کے استعجاب سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اس کی
دیکھ کر اسی کی گھنی مونچھوں میں جنبش ہوئی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ انور کا ہاتھ آہستہ آہستہ ج
طرف بڑھ رہا تھا۔

''بیکار ہے بیٹے۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ تمہارا پستول تمہارے
میں رہنے دیتا۔''

''میں سگریٹ کا پیکٹ نکالنے جا رہا تھا۔'' انور لاپروائی سی بولا۔

''تمہاری دلیری کا میں معترف ہوں۔'' اس نے کہا اور انور کو عجیب نظروں سے دیکھ

انور نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگریٹ منتخب کر کے دیا سلائی ڈھونڈنے

''تمہاری دیا سلائی میرے پاس ہے۔ عجیب الخلقت آدمی نے دیا سلائی کی ڈبیا
طرف پھینک دی۔''

انور سگریٹ سلگا کر کھڑا ہو گیا۔

''تم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔'' خوفناک چہرے والا بھی اٹھتا ہوا بولا۔

''میں اس ارادے سے نہیں اٹھا۔'' انور مسکرایا۔ ''وہ اتنے اطمینان کے ساتھ سگریٹ
تھا جیسے اپنے کمرے میں ہو۔ اس کے چہرے پر معصومیت پھیل گئی تھی اور وہ اتنا بھولا
دینے لگا تھا جیسے دنیا کے نشیب و فراز سے بالکل ناواقف ہو۔''

''انور یہاں تمہاری کوئی مکاری نہیں چل سکے گی۔''

''مکاری......!'' انور معصومانہ انداز میں بولا۔ ''میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو۔ لیکن اتنا جانتا
ہوں کہ تم میرے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ میں مہاتما بدھ کا سچا پیرو ہوں۔''

''اگر واقعی میری موت آ گئی ہے تو میں تمہاری بات پر ضرور یقین کر لوں گا۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''کل تمہیں نے مجھے جھیل کے کنارے اٹھا کر پھینک دیا تھا۔'' انور نے اچانک پوچھا۔

''ہاں کیوں کیا مجھے ایسا نہ کرنا چاہئے۔'' وہ تمسخر آمیز لہجے میں بولا۔

''نہیں مجھے خوشی ہوئی تھی۔'' انور نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم خواہ مخواہ اس معاملے میں آ کودے۔'' وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں۔''

''میں بھی محض تمہارے عشق میں گرفتار ہو کر ان جنگلوں کی خاک چھان چھان کر پھانکتا پھر
رہا ہوں۔'' انور نے کچھ اس انداز میں کہا کہ وہ بیساختہ ہنس پڑا۔

لیکن انور سنجیدگی سے بولا۔ ''میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''کیا مطلب......!'' وہ چونک کر بولا اور دفعتاً سنجیدہ ہو گیا۔

''یہی کہ تم سچ مچ اتنے نیک نہیں ہو جتنا کہ سمجھے جاتے ہو۔''

''یعنی......!''

''یعنی یہ کہ آتشی پرندے سے زیادہ میں اس پاگل لڑکی میں دلچسپی لے رہا ہوں۔''

وہ انور کو گھورنے لگا غالباً وہ اس کا فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے جواب میں کیا
کہے۔ دفعتاً وہ گرج کر بولا۔ ''تم یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے۔''

''اگر میں تمہیں نہ پہچانتا تو......!'' انور نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں چھوڑ دیتا...... کیونکہ کسی بے گناہ کے خون سے ہاتھ رنگنا پسند نہیں کرتا۔''

''اور ان لوگوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جن کے گھر تم نے پھونک دیئے۔'' انور نے طنزیہ
لہجے میں کہا۔

''تمہیں اس سے کیا سروکار......!'' وہ جھلا کر بولا۔

''سروکار نہ ہوتا تو میں یہ زحمت ہی کیوں مول لیتا۔''

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم جیسا ذہین آدمی میرے ہاتھوں مارا جارہا ہے۔ کاش تم
پہچانا نہ ہوتا۔ مگر کون جانے ممکن ہے یہ بھی تمہاری چال ہو۔"

انور اس طرح ہنس پڑا جیسے وہ اس سلسلے میں جھوٹ بولا ہو۔

"تم مجھ سے زیادہ چالاک معلوم ہوتے ہو۔" انور بے اختیار بولا۔

"خیر......خیر...... برخوردار اب مجھے اور زیادہ گھسنے کی کوشش نہ کرو۔ تم اس طرح اپنی
نہیں بچا سکتے۔ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ تم مجھے پہچان گئے ہو۔"

"خیر مجھے اس کی پرواہ نہیں۔" انور لاپروائی سے بولا۔ "میں بے شک تمہیں پہچان
ہوں۔ میں نے کل ہی پہچان لیا تھا۔ دیکھو عمران تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔"

عجیب الخلقت آدمی نے قہقہہ لگایا۔

"دیکھو انور تم درحقیقت اتنے چالاک نہیں جتنا خود کو سمجھتے ہو۔ اب تم عمران کا نام لے
اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہے ہو۔ ابھی ابھی تم نے ایک زبردست غلطی کی ہے جسے پیش
رکھتے ہوئے میں تمہارے فقروں میں نہیں آسکتا۔"

"کیسی غلطی......!"

"پاگل لڑکی کا تذکرہ۔ بھلا عمران کو اس کی ذات سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔"

"تعلق میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" انور معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"یعنی......!"

"تمہیں محمود سے دشمنی ہے۔ محض اس لئے کہ تمہاری شادی شاہدہ سے نہ ہوسکی۔ تمہیں اتفا
سے علم ہوگیا کہ محمود ڈاکٹر کی بہن میں دلچسپی لے رہا ہے۔ اس پر تم نے شاہدہ کو محمود کے خلا
اکسایا اور شاہدہ کا انتقامی جذبہ اس شدت سے ابھار دیا کہ وہ کل رات کو جھیل کے کنارے ا
دونوں پر گولی چلانے سے بھی باز نہ آئی۔ قصبے میں تم لوگوں کے گھر پھونک رہے ہو جن
دشمنی رکھتے ہو میں نہیں جانتا کہ تمہاری آئندہ سکیم کیا ہوگی۔ بہرحال یہ مسلمہ ہے کہ تم محمود کو
کر دینے کی فکر میں ہو۔ مگر اس طرح کہ اس کا الزام دوسروں کے سر جائے۔ ممکن ہے کہ تم ا
سلسلے میں ڈاکٹر نصیر اور محمود کو بھی الجھانے کی کوشش کرو۔"

انور خاموش ہوگیا اور وہ خاموشی سے انور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ
کسی الجھن میں مبتلا ہوگیا ہو۔

"بہرحال تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" وہ تخت پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "اور میں تمہیں ابھی ختم کئے
دیتا ہوں۔"

"ختم کرنے کے لئے کون سا طریقہ استعمال کرو گے۔" انور اپنی ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے
ہوئے لاپروائی سے بولا۔

"تم ایکٹنگ بہت اچھی کر لیتے ہو۔" وہ ہنس کر بولا۔ "لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ
تم خوفزدہ ہو۔"

"ممکن ہے۔" انور نے کہا اور اس طرح اپنی ٹائی کھول کر پھینکی جیسے اُسے گرمی لگ رہی
ہو۔ قمیض کے بٹن بھی کھول دیئے۔

"تم میرے لئے بڑی آسانیاں پیدا کر رہے ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "میں تمہارا گلا
گھونٹ کر تمہیں ماروں گا۔"

انور کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہوگئے۔ اس کی سانسیں تیز ہوگئیں اور وہ بے بسی
سے زمین پر بیٹھ گیا۔

"عمران میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہاں سے چپ چاپ چلا جاؤں گا۔" انور اپنے خشک
ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

عجیب الخلقت آدمی نے قہقہہ لگایا۔ "تم مکار ہو۔ میں تم پر اعتماد نہیں کرسکتا۔"

"تم جانتے ہو کہ محمود سے میرا جھگڑا ہوگیا ہے۔"

"ممکن ہے یہ بھی تمہاری مکاری ہو۔"

"تو پھر اب اس سے زیادہ اپنی صفائی میں کچھ اور نہیں کہہ سکتا۔" انور نے کہا اور سر
جھکا لیا۔ اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی تھی۔ لیکن اس کے دونوں ہاتھ بُری طرح مشغول تھے۔
وہ خوفناک آدمی آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کا چہرہ حیرت انگیز طور پر ہر قسم کے
جذبات سے عاری نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اندھا، گونگا اور بہرہ ہو۔ اس کی

آنکھیں انور کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور وہ آہستہ آہستہ ڈرامائی انداز میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ انور گھبرا کر کھڑا ہو گیا اس وقت سچ مچ اُسے اس کا چہرہ خوفناک معلوم ہونے لگا تھا۔

انور پھرتی سے دو قدم پیچھے ہٹا اور اس کی ٹائی کوندے کی لپک کی طرح آگے بڑھ کر بڑھتے ہوئے وحشی کی کنپٹی سے جا لگی۔ اس کے منہ سے ایک دبی سی چیخ نکلی اور دوسرا قدم زمین پر پڑنے سے پہلے ہی وہ لہرا کر گر پڑا۔ انور کی ٹائی کے سرے پر پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جھول رہا تھا۔ انور نے جھک کر دیکھا خوفناک چہرے والا بیہوش ہو چکا تھا۔ انور نے اس کے دونوں ہاتھ ٹائی سے اس کی پشت پر باندھ دیئے اور اس کی جیبوں کی تلاشی لینے لگا جس سے اس کی ٹارچ اور پستول برآمد ہوئے۔

اس کی تیز نظریں خیمے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یہاں کچھ زیادہ سامان نہ تھا۔ دفعتاً ایک چھوٹے سے صندوق نے انور کی توجہ اپنی طرف منعطف کرا لی۔ صندوق تخت کی آڑ میں تھا وہاں تک موم بتیوں کی روشنی اچھی طرح نہیں پہنچ رہی تھی۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے خود صندوق سے ہلکی ہلکی روشنی نکل رہی ہو اور جب اس نے صندوق کھولا تو اُس کے منہ سے حیرت آمیز چیخ نکل گئی۔ یہ روشنی ایک بوتل میں بھری ہوئی کسی سیال شے کی تھی۔ آگ کی طرح دہکتا ہوا عرق۔ انور نے موم بتیاں بجھا دیں اور اس عرق کی چمک پہلے سے زیادہ ہو گئی...... اس نے بوتل اپنی جیب میں ڈال لی اور موم بتیاں پھر روشن کر دیں۔

پھر وہ خیمے سے باہر نکل آیا اور ٹارچ کی روشنی چاروں طرف ڈالنے لگا۔ کروندے کی جھاڑیاں چاروں طرف سے خیمے پر اس طرح جھکی ہوئی تھیں کہ وہ ان میں چھپ کر رہ گیا تھا۔ داہنے طرف لکڑی کا ایک کابک بنا ہوا تھا جس میں سے کبھی کبھی کسی کبوتر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ انور نے کابک کھول کر ایک کبوتر نکالا اور بوتل سے عرق نکال کر اس پر ملنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آتشی پرندہ تیار ہو گیا۔ پھر انور نے اسے اڑا دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک چکر کاٹ کر پھر کابک میں آ گرا۔ اس نے اسے بند کر دیا اور خیمے میں لوٹ آیا۔

وہ خوفناک آدمی ہوش میں آ گیا تھا اور اب بیٹھا ہوا اپنی پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں کو کھول ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"قطعی بے سود ہے......" انور جیب سے ریوالور نکالتا ہوا بولا۔ "تمہاری دوسری کوشش تمہیں جہنم میں پہنچا دے گی۔"

وہ اسے بے بسی سے دیکھنے لگا۔

"ڈاکٹر نصیر! تم طاقتور ضرور ہو مگر چالاک نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "تمہاری یہ گھنی ڈاڑھی صرف تمہارا چہرہ چھپا سکتی ہے آواز نہیں۔ آواز بدل دینا ایک مشکل فن ہے اور تم ابھی اس میں کچے ہو۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے جرائم کی عمر کتنی ہے اور اس حماقت کا کیا مقصد تھا۔"

ڈاکٹر نصیر تحیر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ تم عادی مجرم نہیں معلوم ہوتے۔" انور نے آہستہ سے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نصیر مضمحل آواز میں بولا۔ "اپنی بہن کی طرح میں بھی پاگل ہو گیا ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ سب کچھ بھول گئی ہے لیکن مجھے وہ بات یاد ہے جس کی بناء پر اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

ڈاکٹر نصیر تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر دفعتاً گرج کر بولا۔ "کیا تم اُسے کبھی معاف کر سکتے ہو جو تمہاری بہن کی زندگی برباد کر دے۔"

"ہرگز نہیں۔" انور دلچسپی کا مظاہرہ کرتا ہوا بولا۔ "لیکن پورے قصبے والے تو اس حرکت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔"

"انتقام کا جذبہ اندھا کر دیتا ہے۔" نصیر بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

"میں ایک خاص اسکیم کے تحت محمود کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے ابھی تک اس کا موقع نہ مل سکا۔ گاؤں والوں کو تو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ پرندے کے پیچھے کوئی مافوق الفطرت چیز کام کر رہی ہے۔ میں کسی دن محمود کو کسی جھونپڑے میں باندھ کر پھونک دیتا۔ اس طرح کسی کو مجھ پر شبہ بھی نہ ہوتا اور میرے انتقام کی آگ بھی بجھ جاتی۔"

"لیکن محمود......!" انور اپنا جملہ پورا نہ کر سکا۔

"تم محمود کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ آج سے تین سال قبل جب ہم شہر میں رہتے

تھے محمود نے سلیمہ کو محبت کا فریب دیا تھا۔ وہ اس سے کھیلتا رہا اور جب جی بھر گیا تو اُسے چھ
چلا گیا۔ پھر سننے میں آیا کہ اس نے اپنے خاندان میں شادی کر لی ہے حالانکہ اس نے سلیمہ
شادی کا وعدہ کیا تھا۔ سلیمہ اس صدمے کی تاب نہ لا سکی اور اس کا دماغی توازن بگڑ گیا۔ میں اس
بے حد چاہتا ہوں۔ دنیا میں اس کے سوا میرا اور کوئی نہیں۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ وہ ٹھ
ہو جائے لیکن میں کامیاب نہ ہوا۔ آخر ایک سائیکو اینلیسیٹ نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اُسے ا
ماحول انہیں حالات میں دوبارہ لے جانے کی کوشش کروں جن میں اس کا دماغ خراب ہوا ت
اس نے امید دلائی تھی کہ اس طرح اس کا ذہنی توازن ٹھیک ہو جائے گا پھر میں نے اسی مشور
کے تحت یہاں ہری پور میں سکونت اختیار کر لی۔ محمود اور میں ایک دوسرے کے لئے انجان
رہے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ یہ بھی کر کے دیکھا لیکن کچھ نہ ہوا۔ سلیمہ بدستور پاگل رہی پھر میرا جذ
انتقام بھڑک اٹھا۔ قصبے میں میں بہت جلد مقبول ہو گیا تھا اور اب میری یہاں اتنی قدر و منزل
ہے کہ خود حویلی والوں کی بھی نہ ہو گی۔ بہر حال میں اپنے اس فعل پر قطعی نادم نہیں ہوں۔ م
عدالت میں چیخ چیخ کر اپنے جرموں کا اعتراف کروں گا اور اس کی قلعی کھولوں گا جسے ہری پ
والے فرشتہ سمجھتے ہیں۔“

”نہیں اس کی نوبت نہیں آنے پائے گی۔“ انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن تم نے کئ
گناہوں کے گھر بھی پھونکے ہیں۔“

”مجھے افسوس ہے۔ انتقامی جذبے نے مجھے سچ مچ پاگل کر دیا تھا۔“

انور نے اس کے ہاتھ کھول دیئے اور ڈاکٹر حیرت آمیز نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔

”میں تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کروں گا۔“ انور بولا ”سزا کا مستحق محمود ہے۔“

”لیکن میں پھر کہتا ہوں کہ محمود کبھی نہ کبھی میرے ہی ہاتھ سے مارا جائے گا۔“ نصیر نے
اعتمادی کے ساتھ بولا۔

”مجھے اس سے غرض نہیں۔“ انور لاپروائی سے بولا۔ ”میں خود انتقام کا قائل ہوں اور اسے
درست سمجھتا ہوں۔ میں تو اس پرندے کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا تھا جو مجھے معلوم ہو گئی۔ لیکن اُس
دھماکے کا کیا راز تھا۔“

”ایک ننھا سا بم......!“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”جو میں محض اس مقصد کے تحت کبوتر کے پیٹ میں
باندھ دیتا تھا کہ اُسے مار گرانے والے کو اس کا راز نہ معلوم ہو سکے۔“

”بہت خوب......! اور وہ عرق......!“

”یہ میری اپنی ایجاد ہے۔ فاسفورس کا کیمیائی حل جس میں شعلگی تو قائم رہتی ہے لیکن
حدت ختم ہو جاتی ہے۔“

”کیا مجھے اس کا فارمولا دے سکو گے۔“ انور نے پوچھا۔

”لے لینا......!“ ڈاکٹر نصیر نے کہا۔ ”لیکن مجھے اب بھی تم پر اعتماد نہیں۔“

”تم مطمئن رہو...... میرا کام ختم ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ مایوسی بھی ہوئی۔“

”کیسی مایوسی۔“ ڈاکٹر چونک کر بولا۔

”یہ کیس زیادہ دلچسپ اور خطرناک نہ ثابت ہوا۔“ انور نے کہا۔ ”اس کی سب سے بڑی
وجہ یہی ہے کہ تم عادی مجرم نہیں ہو۔“

دونوں گفتگو کرتے ہوئے چل پڑے۔ دشوار گذار جھاڑیوں سے گذرتے ہوئے وہ ایک
غار میں اتر گئے اور پھر چند لمحوں کے بعد وہ جھیل کے کنارے تھے۔ یہاں غار کا دہانہ تنگ ہو گیا
تھا اور اونچی اونچی گھاس سے تقریباً چھپا ہوا تھا۔

”تو تم اس رات کو یہیں غائب ہوئے تھے۔“ انور نے پوچھا۔

”ہاں......!“ ڈاکٹر نصیر نے آہستہ سے کہا اور وہ آگے بڑھ گیا۔ جنگل میں پھیلی ہوئی
بیکراں تاریکی نے انہیں اپنے دامن میں چھپا لیا۔

دوسرے دن انور اور رشیدہ ہری پور سے شہر کی طرف جا رہے تھے۔

”تم نے اسے چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔“ رشیدہ بولی۔

”میں نے بہت اچھا کیا...... محمود اس قابل ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔“

”کیا تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ اس نے تمہیں بے عزت کیساتھ اپنے گھر سے نکال دیا“

”نہیں یہ بات نہیں۔ اسکی یہ حرکت ایسی نہیں تھی کہ میں اس کی جان کا گاہک بن جاتا“

”اگر ڈاکٹر نے پھر وہی حرکتیں شروع کیں تو۔“

”نہیں اب وہ ایسا نہیں کرے گا۔ البتہ محمود کے بارے میں اس نے صاف صاف کہا تھا کہ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔“

”مگر......!“

”چپ رہو......اب میں ہری پور کے متعلق ایک بات بھی نہیں سن سکتا۔ ختم کرو اس قصے کو“

”اچھا اگر تم نے مجھے دھوکا دیا تو......!“ رشیدہ ادھر اُدھر دیکھ کر بولی۔ ”سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔“

”لیکن میں تم سے محبت کب کرتا ہوں۔ میں نے تم سے کبھی یہ نہیں کہا۔“

”لیکن میں تو کرتی ہوں۔“ رشیدہ نے دانت پیس کر کہا اور اس کے دونوں کان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے۔

انور نے ایک چانٹا رسید کر دیا۔ لیکن رشیدہ کا جوابی تھپڑ زوردار تھا۔ انور نے اس کے گھونگھریالے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لئے۔ رشیدہ چیخنے لگی اور پھر انور کی ناک پر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ بلبلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو گھورنے لگے۔

”جنگلی!“ رشیدہ نے آہستہ سے کہا اور غسل خانے کی طرف چلی گئی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 16

خونی پتھر

(مکمل ناول)

پیش لفظ

انور سیریز کا چوتھا ناول پیش کر رہا ہوں۔ یہ اس سیریز کا چوتھا اور آخری معمولی شمارہ ہے۔ پانچواں ناول اس سیریز کا خاص نمبر ہوگا جس میں انور اور رشیدہ کے ساتھ انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید بھی ہوں گے۔ میرا ارادہ تو یہی تھا کہ انور اور رشیدہ کے بارہ ناول پیش کروں گا لیکن اتفاق سے میرے پڑھنے والوں میں دو گروہ ہو گئے ایک کا مطالبہ ہے کہ ''فریدی اور حمید'' سیریز پھر سے شروع کیا جائے اور دوسرا انور سیریز کو بھی پسند کر رہا ہے۔ بہرحال تعداد انہی لوگوں کی زیادہ ہے جو ''جاسوسی دنیا'' میں صرف فریدی اور حمید کے کارنامے دیکھنا چاہتے ہیں اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ شمارے (خاص نمبر) سے پھر فریدی اور حمید کے کارنامے شروع کر دوں۔

پیش نظر ناول ''خونی پتھر'' میں ایک حیرت انگیز داستان ہے جو ایک سیاہ رنگ کے بیش قیمت پتھر کی چوری سے شروع ہوتی ہے اور ایک بھیانک موڑ پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ جواں سال

پرائیویٹ جاسوس انور اس ناول کے شروع میں ہی ایک بھیانک جال میں پھنس جاتا ہے۔ کیا وہ درحقیقت جال تھا؟ پروفیسر تیموری کو کس نے قتل کیا تھا۔ اس کے بعد پھر ایک قتل اور کیا رابعہ قاتل تھی؟ پروفیسر تیموری کے سیکریٹری کو بھی آپ قاتل سمجھیں گے، گلوریا بھی آپ کو قاتل ہی معلوم ہوگی اور سر صغیر احمد تو سو فیصدی قاتل تھا۔ اس ناول کا ہر کردار آپ کو قاتل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقتاً قاتل کون تھا؟ یہ معلوم کر کے آپ انگشت بدنداں رہ جائیں گے اور قتل کا مقصد؟ وہ بھی قاتل ہی کی طرح حیرت انگیز ثابت ہوگا، ''انور اور رشیدہ'' کی دلچسپ نوک جھونک۔ سرکاری جاسوس انسپکٹر آصف سے جھڑپیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہتیری دلچسپیاں۔

ابن صفی

پتھر کی واپسی

انور ایک گھٹیا سے ہوٹل میں بیٹھا سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ اسے ح
ہو رہی تھی کہ آخر اُسے مدعو کرنے والی نے اس نامعقول ہوٹل کو کیوں منتخب کیا۔ اسے د
درجے کا ہوٹل بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ ویسے اس کے مالک نے کوشش تو یہی کی تھی کہ ا
درمیانے یا اعلیٰ درجہ کے ہوٹلوں کی نقل بنادے اور شاید ایسا ہو بھی سکتا تھا مگر ملازمین یا منتظ
پیدائشی لاپروائی اور بدسلیقگی نے اس کی کوششوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ یہاں متعدد کیبن ضرو
لیکن ان کے پردے یا تو بوسیدہ تھے یا گندے۔ تھری پلائی وڈ کے پارٹیشنوں پر جگہ جگہ
لکھ کر جوڑے گئے تھے کہیں کہیں پان کھانے والوں کی کتھے اور چونے بھری انگلیوں کے نشا
بھی دکھائی دے رہے تھے۔ دیواروں پر برسوں پرانی تصویریں تھیں۔ جن پر نہ جانے کب
گرد کی تہیں جمتی چلی آرہی تھیں۔ ان تصویروں کے درمیان کچھ طغرے بھی تھے جہاں کہ
سے جگہ بچ گئی تھی وہاں گاہکوں کے لئے ضروری ہدایات لکھ کر چپکا دی گئی تھیں۔ کچھ تحریریں
غیر متعلق تھیں جنہیں انور بالترتیب پڑھ پڑھ کر الجھ رہا تھا۔

اُن کی ترتیب کچھ اس قسم کی تھی۔

"براہِ مہربانی فرش پر مت تھوکیے۔"

"واپس ملی ہوئی رقوم کی اچھی طرح جانچ کر لیجئے۔"

"اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

"ملازمین سے جھگڑا کرنے کے بجائے اپنی شکایات کا اظہار منیجر سے کیجئے۔"

"شہنشاہ ایران زندہ باد۔"

"غسل خانہ اندر ہے۔"

"نَصرٌ مِنَ اللہ فَتحٌ قریب"

"سو روپے کے نوٹ کی ریزگاری نہیں ملے گی۔"

"طلب کی ہوئی اشیاء واپس نہیں لی جاتیں۔"

"اسلام زندہ باد۔"

"سیاسی گفتگو سے پرہیز کیجئے۔"

"قیامت ضرور آئے گی۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔"

"نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ خریدیئے۔"

"پیٹ کے امراض کا واحد علاج چورن انار دانہ۔"

انور ان سب کو تیرہ چودہ بار دہرا چکا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ قبل وہ یہاں پہنچا تھا اور اب انتظار کی معینہ مدت میں صرف دس منٹ اور باقی رہ گئے تھے۔ وہ یہاں کچھ عجیب وغریب حالات کے تحت آیا تھا۔ آج آفس میں اُسے کسی گم نام عورت کا خط ملا تھا جس میں اس نے اس سے استدعا کی تھی کہ وہ مذکورہ ہوٹل میں ایک بج کر پچیس منٹ تک اس کا انتظار کرے۔ اسے کسی بہت ہی اہم معاملے میں انور کی مدد درکار تھی۔ اس نے خط میں اس کیبن کا نمبر بھی لکھ دیا تھا جس میں ان دونوں کو ملنا تھا۔

انور کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا کہ اُسے ایسے ہوٹل میں کسی نے مدعو کیا تھا۔ اُس سے عموماً وہی لوگ مدد لیا کرتے تھے جو کسی وجہ سے محکمہ پولیس سے رابطہ قائم کرنے میں ہچکچاتے تھے اور ایسے لوگ ابھی تک سو فیصدی دولت مند ہی ثابت ہوئے تھے ظاہر ہے کہ کسی پرائیویٹ جاسوس کے اخراجات کا بار عام آدمی نہیں اٹھا سکتا۔ لہٰذا انور کے لئے یہ چیز خاصی الجھن کا باعث بن گئی تھی کہ اگر وہ دولت مند ہے اور کسی اونچی سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہے تو اُس نے ایسے ہوٹل کا انتخاب کیسے کیا۔

اس کی نظریں پھر دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف اٹھیں۔ پانچ منٹ اور باقی رہ گئے تھے۔ بیس منٹ اُس نے کسی نہ کسی طرح گذار دیئے تھے۔ لیکن یہ پانچ منٹ اس کے خیال کے

مطابق وبالِ جان بننے والے تھے۔ اس دوران میں ہوٹل کے کئی گندے لڑکے اس کے
لئے کیبن کا چکر لگا چکے تھے حالانکہ انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کسی کا انتظار کر رہا ہے۔
بھی ان میں سے ایک نہ ایک تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کیبن کے سامنے آ کھڑا ہوتا
شاید اس روپے کی محرک معقول قسم کی ٹپ کی توقع تھی۔ آخر وہ پانچ منٹ بھی گذر گئے۔ انور
کر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک نوجوان عورت کیبن کے سامنے آ کر رکی۔ اس نے
معمولی سی سفید ساڑی باندھ رکھی تھی۔ پیر میں سیاہ پینٹ کے پرانے سینڈل تھے جن کا
کہنگی کی وجہ سے جگہ جگہ سے چٹخا ہوا تھا۔ عمر بمشکل انیس بیس کی رہی ہوگی۔ جسم صحت
شخصیت جاذب توجہ تھی۔ حسین بھی تھی لیکن اتنی نہیں کہ اس پر شعر کہے جا سکیں۔ آنکھوں
ہچکچاہٹ یا شرمیلے پن کے بجائے ایک عجیب قسم کی بے تعلقی تھی۔ وہ ایک لمحہ تک انور کو
نظروں سے دیکھتی رہی پھر مسکرا کر آگے بڑھی۔

''مسٹر انور......!'' اس نے کیبن میں داخل ہو کر آہستہ سے کہا۔

''آپ کا خیال صحیح ہے۔'' انور اٹھنے کی بجائے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

''کیا مجھے دیر ہو گئی۔'' اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

''آپ کا یہ خیال بھی صحیح ہے۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔ ''آپ دو منٹ دیر سے پہنچیں

''مجھے افسوس ہے کیا آپ دوپہر کا کھانا کھا چکے ہیں۔ میں آپ کو یہ لکھنا بھول گئی تھی
ہم کھانا بھی ساتھ ہی کھائیں گے۔''

''کیا آپ اس ہوٹل میں۔'' انور چونک کر بولا۔

''جی ہاں...... کیوں؟''

''مجھے افسوس ہے کہ مجھے چھپکلیوں اور چوہوں کا قورمہ قطعی مرغوب نہیں۔'' وہ بے
ہنس پڑی۔

''بھئی آپ ٹھہرے بڑے آدمی۔'' وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔ ''ہم غریب لوگ تو یہی سب
کھانے کے عادی ہیں۔''

انور اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھیں اس کے نرم و نازک ہاتھوں

لگا تھا شاید وہ سو گئی تھی۔ انور اندر لوٹ آیا۔ باہر والے کمرے میں اُس نے دوبارہ روشنی نہیں کی۔
اندر کے کمرے میں جا کر اُس نے کپڑے پہنے اور احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا پھر باہر آ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ گیرج سے موٹر سائیکل نکال رہا تھا۔

سونا گھاٹ والی کچی سڑک سنسان پڑی تھی۔ آسمان پر سیاہ بادل منڈلا رہے تھے۔ رات
یوں بھی تاریک تھی۔ بادلوں کی وجہ سے ستاروں کی دھندلی روشنی بھی غائب ہو گئی تھی۔ سڑک کے
ارد گرد اُگی ہوئی جھاڑیاں حشرات الارض کی آوازوں سے گونج رہی تھیں۔

انور نے موٹر سائیکل سونا گھاٹ کے ادھر ہی ایک میل کے فاصلے پر جھاڑیوں میں چھپا دی
اور پیدل چلنے لگا۔

تیمور منزل کے تاریک آثار دور سے نظر آ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں انور کو ایسا محسوس
ہو رہا تھا جیسے وہ ایک بہت ہی پُر اسرار عمارت میں داخل ہوتا جا رہا ہے اور وہاں ضرور کوئی حادثہ
پیش آئے گا۔ اُسے پروفیسر تیموری کا چہرہ یاد آ گیا۔ چھوٹی چھوٹی دھندلی آنکھیں جن کی
دھندلاہٹ اپنے پس منظر میں کوئی پراسرار چیز چھپائے ہوئے تھی۔ انور اس وقت سوچ رہا تھا
کہ اس نے تارجام میں سیاہ پتھر کا تذکرہ چھیڑ کر غلطی کی تھی۔ اگر واقعی یہ پتھر پروفیسر تیموری کے
یہاں سے چرایا گیا تھا تو سیاہ پتھر کے تذکرے پر اس کا مشکوک ہو جانا قطعی قدرتی امر ہے۔ پھر
کئی خدشات اُس کے ذہن میں ابھر آئے جنہیں وہ سگریٹ کے گہرے کشوں سے دبانے کی
کوشش کرنے لگا۔

پروفیسر تیموری کی پچھلی زندگی سے اُسے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ ویسے آج کل شہر اور اس
کے قرب و جوار کے حصوں میں وہ کافی مالدار سمجھا جاتا تھا۔ ارضیات پر اس نے دو تین کتابیں بھی
لکھی تھیں اور ارضیات کے طلباء میں غیر معروف نہیں تھا۔ کسی زمانے میں یونیورسٹی میں ارضیات کا
معلم بھی رہ چکا تھا۔ شہر میں اس کے دو تین بنگلے تھے لیکن سب کرائے پر اٹھے ہوئے تھے اور وہ
خود ایک غیر آباد مقام پر اقامت گزیں تھا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا عمارت درختوں کی اوٹ میں چھپتی جا رہی تھی۔ وہ پھاٹک کے
قریب پہنچ کر رک گیا۔ اُس نے پھاٹک کو ہلکا سا دھکا دیا اور وہ کھل گیا۔ سامنے ایک طویل روش تھی

جس کے دونوں طرف اونچے اونچے درخت تھے۔ وہ احتیاط سے آگے بڑھنے لگا۔ روش عمارت کے صدر دروازے کے سامنے ختم ہوگیا۔ چاروں طرف اندھیرا اور سناٹا چھایا ہوا تھا کے اندر بھی زندگی کے آثار مفقود معلوم ہورہے تھے کسی کھڑکی یا روشندان سے بھی روشنی دی۔ انور ایک لمحہ کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر جیب سے کنجیاں نکال کر انہیں آزمانے لگا۔

دروازہ کھل گیا...... اندر اندھیرا تھا...... انور نے برقی لیمپ نکالا اور اس کی ناقابل انتشار روشنی میں آگے بڑھنے لگا۔ وہ ایک وسیع ہال سے گزر رہا تھا۔ آگے چل کر ہاتھ پر ایک دوسرا دروازہ دکھائی دیا انور نے دوسری کنجی لگائی۔ دروازہ کھل گیا انور اندر ہی والا تھا کہ کہیں کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ وہ دیوار سے چپک گیا اور پھر اچانک قوت شامہ نے ایک خاص قسم کی خوشبو کا تجربہ کیا اس نے نتھنے سکوڑ کر ایک گہرا سانس لیا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس خوشبو کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لینے کی کوشش کر رہا ہو۔

وہ آہستہ سے کمرے میں داخل ہوگیا۔ سب سے پہلے اُس کے ٹارچ کی روشنی داہنی پڑی۔ لڑکی کے بیان کے مطابق اسی طرف وہ شوکیس رکھا ہوا ملا جس میں وہ پتھر رکھتا تھا میں کئی خانے تھے جن میں مختلف قسم کے پتھروں کے ننھے ننھے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے خانے کے نیچے پتھروں کے ناموں کی چٹیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک خانہ خالی تھا جس کے نیچے پکھراج" تحریر تھا۔ انور نے شوکیس کھول کر پتھر اس میں رکھ دیا اور واپس ہونے کے لیکن ٹارچ کی روشنی کمرے کے فرش پر پڑتے ہی یک بیک اس کے سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ پروفیسر تیموری زمین پر چت پڑا تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں خوفناک حد تک تھیں۔ چہرے پر آخری وقت کی تشنجی کیفیت نہ مٹنے والے نشانات چھوڑ گئی تھی۔ سر کے مقدار میں خون پھیلا ہوا تھا۔ انور نے ٹارچ بجھا دی اور کچھ سننے لگا۔ دور کہیں موٹر کی آواز دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے شوکیس کے قریب آیا اور جیب سے رومال نکال کر اُ کرنے لگا۔ اس کے بعد پھر اُس نے چاروں طرف ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ سامنے ایک در آیا جس کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ یہ شاید پروفیسر کے سونے کا کمرہ تھا۔ پلنگ کے سرہانے بڑے سے فریم میں کسی عورت کا فوٹو لگا ہوا تھا۔ خدوخال کے اعتبار سے یہ ایک خوبصورت

کہی جاسکتی تھی۔ رنگت چاہے جیسی رہی ہو۔ اس تصویر کے علاوہ یہاں اور کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے آرائشی سمجھا جاسکتا۔ سامنے کی دیوار میں ایک کھڑکی تھی جو کھلی ہوئی تھی۔ انور نے معنی خیز انداز میں سرہلایا اور ٹارچ کی روشنی میں کھڑکی کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اُس کے ہونٹ مایوسانہ انداز میں سکڑ گئے۔ لیکن یہاں وہ قاتل کا پتہ لگانے تو نہیں آیا تھا۔ ہوسکتا ہے سب کچھ اُسے پھنسانے کے لئے کیا گیا ہو۔ انور واپس جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ مکان کے کسی حصے میں قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔

"یہ تو بالکل اندھیرا ہے۔" ایک آواز سنائی دی اور انور چونک پڑا۔ یہ محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر آصف کی آواز تھی۔ انور نے کھڑکی پر دونوں ہاتھ ٹیک کر دوسری طرف چھلانگ لگادی۔ چہار دیواری پھلانگنے میں اسے کوئی دقت نہ ہوئی اور وہ اب اپنی پوری قوت سے اُس طرف دوڑ رہا تھا جہاں اس نے اپنی موٹر سائیکل چھپائی تھی۔

جاسوس کی دھمکی

انور تھوڑی ہی دیر سویا تھا کہ رشیدہ نے اُسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ چھ بج گئے تھے۔ وہ جھنجھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"کیا ہے؟"

"انسپکٹر آصف......!" رشیدہ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اوہ......!" انور نے لاپرواہی سے کہا اور پھر لیٹ گیا۔ "اُس سے کہہ دو کہ میں اس وقت نہیں مل سکتا۔"

"مگر میرے ننھے گڈے تم نے وہ حرکت کی ہے کہ تمہیں اٹھنا ہی پڑے گا۔"

"کیا......؟"

"پروفیسر تیموری کو کسی نے قتل کر دیا۔"

"میرے لئے یہ خبر بہت پرانی ہوچکی ہے۔" انور نے لاپروائی سے کہا اور تکئے کے نیچے

ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

"لیکن کچھ اس سے بھی زیادہ چونکا دینے والی خبر ہے۔"

"کیا....؟"

"یہ آصف سے پوچھنا......! اُس نے اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں بتایا۔"

"ہوں......!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "اُسے یہیں بلا لو۔"

رشیدہ چلی گئی اور انور نے سگریٹ سلگا کر سلیپنگ گاؤن پہن لیا۔ انسپکٹر آصف کمرے میں داخل ہوا۔ وہ بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ انور نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"کل شام کو تم کہاں تھے۔" آصف نے پوچھا۔

"جہنم میں......!" انور جھلا کر بولا۔ "تم جب بھی ملتے ہو اسی قسم کے بے سروپا سوالات کرنے لگتے ہو۔"

"ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں بے سروپا سوالات نہیں کر رہا ہوں۔"

"بک چلو......!" انور آہستہ آہستہ ناک سے سگریٹ کا دھواں نکالتا ہوا بولا۔

"مجھے اس وقت افسوس معلوم ہو رہا ہے کہ تم میرے گہرے دوست ہو۔" آصف چہرے کو مغموم بنا کر بولا۔

"بہتر یہی ہوگا کہ تم مرثیہ خوانی شروع کر دو اور میں ماتم کروں۔ لیکن ہاتھ میرے اور سینہ تمہارا۔"

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" آصف سنجیدگی سے بولا۔ "پروفیسر تیموری قتل کر دیا گیا۔"

"بڑا افسوس ہوا۔ کیا تمہارا کوئی رشتے دار تھا۔" انور نے معصومیت سے پوچھا۔

"کل شام کو تم کہاں تھے۔" آصف نے پھر پوچھا۔

"تار جام میں۔"

آصف اچھل پڑا اور رشیدہ اُسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"کیا کرنے گئے تھے۔"

"اونٹ خریدنے......!" انور نے سنجیدگی سے کہا اور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا

سگریٹ لگانے لگا۔ پھر رشیدہ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "رشو چائے یہیں منگوا لو، شاید ابھی آصف صاحب نے بھی ناشتہ نہیں کیا۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" آصف نے منہ بنا کر کہا۔ "میری صرف اتنی خواہش ہے کہ تم اس وقت مجھ سے سنجیدگی سے گفتگو کرو۔"

"وہ تو ہوتی ہی رہے گی۔ رشو تم جاؤ۔" انور نے کہا اور پیر پر پیر رکھ کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔

"تار جام میں تمہارا کیا کام تھا۔"

"تم کسی اخبار کے رپورٹر سے یہ نہیں پوچھ سکتے۔"

"اس گفتگو کی حیثیت سرکاری نہیں بلکہ دوستانہ ہے۔" آصف نے نرم لہجے میں کہا۔

"کچھ بھی ہو...... میں اپنے اصول پر سختی سے عمل کرتا ہوں۔"

"اور اگر میں بھی اپنے اصولوں پر سختی سے عمل کرنا شروع کر دوں تو۔"

"تب تم ایک اچھے لڑکے کہلاؤ گے۔" انور نے کہا اور درویشانہ شان بے نیازی سے آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

"انور میں سچ کہتا ہوں کہ میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

انور خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کی آنکھوں میں اتر کر دل کا حال جاننے کے لئے کوشش کر رہا ہو۔

"پروفیسر کب اور کن حالات میں قتل ہوا۔ کیا اس کی لاش تار جام میں کہیں پائی گئی۔" انور نے پوچھا۔

"کیوں تم نے یہ کیوں پوچھا؟ بھلا پروفیسر تیموری کا تار جام سے کیا تعلق......؟" آصف نے پوچھا۔

"وہ کل مجھے تار جام میں ملا تھا۔" انور نے کہا۔

"کیا تم اسے پہلے سے جانتے تھے۔"

"نہیں کل ہی ہم دونوں نے ایک دوسرے سے جان پہچان پیدا کی تھی۔"

"اور اپنا نام غلط بتایا تھا۔" آصف بے ساختہ بولا۔ "لیکن اُس نے جس مقصد کے تحت ایسا

کیا تھا اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ وہ سمجھا تھا کہ انور اس کی معلومات پر اچھل پڑے گا۔ خوفزدہ ہو آئے گا مگر ایسا نہ ہوا۔

انور ادھ کھلی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔

''اور کچھ......!'' وہ مسکرا کر بولا۔

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم نے اسے غلط نام کیوں بتایا تھا۔''

''تمہارے اس سوال کا جواب بعد میں دونگا پہلے تم یہ بتاؤ کہ اس کی لاش کہاں پائی گئی۔''

''اُس کے گھر میں۔''

''اوہ......!'' انور کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ کچھ سوچنے لگا۔ آصف جواب طلب نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تم تارجام سے یہاں کس وقت آئے تھے۔''

''سات بجے۔''

''اس کے بعد کیا کرتے رہے۔''

''رشیدہ سے لڑتا رہا...... پھر تقریباً دس بجے سوگیا۔''

''اور اتنی دیر تک سوتے رہے۔''

''میں سات بجے سے پہلے کبھی بستر نہیں چھوڑتا۔'' انور نے کہا۔ ''لیکن اس قسم کے سوالات سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ تم خود کب سے تارجام نہیں گئے۔''

''چھ ماہ قبل گیا تھا۔''

''وہاں تم نے شہر سے تین میل ادھر ہی کوئی شو روم دیکھا تھا......؟''

''میں قطعی سنجیدہ ہوں۔'' انور نے کہا۔ ''جواہرات اور دوسرے غیر معمولی پتھروں کا شو روم۔''

''کیا......؟ تم نے کہا تھا کہ تارجام سے تین میل ادھر ہی۔ گویا کہ ویرانے میں۔ ویرانے میں جواہرات کا شو روم...... ہونہہ۔''

''کیوں؟ ویرانے میں تمہیں جواہرات کا شو روم مضحکہ خیز کیوں لگ رہا ہے۔'' انور نے کہا۔

''دیکھو فضول باتوں میں وقت مت ضائع کرو۔''

''خیر اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو اسی وقت تارجام روانہ ہو جاؤ۔ تمہیں راستے ہی میں ''نکولس اینڈ کو'' کا سائن بورڈ نظر آجائے گا۔''

''خیر ہوگا بھئی! مجھے اس سے کیا۔'' آصف اکتا کر بولا۔

''صرف اتنا بتا دوں کہ وہاں اس شو روم کا وجود حیرت انگیز ہے یا نہیں۔''

''اگر ہے تو یقیناً حیرت انگیز ہے......!''

''تارجام سے واپسی پر میں وہاں گیا تھا۔ اگر میری جگہ تم ہوتے تو تم بھی یہی کرتے۔''

''یقیناً......!''

''ٹھیک...... تو جس وقت میں اندر پہنچا پروفیسر تیموری دوسرے کمرے میں کسی آدمی سے جھگڑا کر رہا تھا۔''

''دوسرا آدمی کون؟''

''میرا خیال ہے وہی نکولس تھا۔''

''ہوں...... آگے کہو۔''

''ظاہر ہے کہ وہاں پہنچنے پر مجھے بھی قیمتی پتھروں سے دلچسپی لینی پڑی اور اپنا نام بھی غلط بتانا پڑا۔ اس کی بعد پروفیسر تیموری نے اپنا نام بتایا اس سے قبل میں اسے اچھا خاصا ڈاکو اور خونی سمجھتا رہا تھا۔''

''کیوں......؟''

''کیا وہ صورت سے خوفناک نہیں معلوم ہوتا......؟''

''ہوں...... پھر......!''

''پھر یہ کہ میں وہاں سے واپس آگیا اور یہ تہیہ کر لیا کہ اس شو روم کو بے نقاب کئے بغیر نہ مانوں گا۔ وہاں یقیناً کوئی خوفناک حرکت ہو رہی تھی...... اور اس وقت تم پروفیسر تیموری کے قتل کی خبر سنا رہے ہو۔ تو گویا میرا اندازہ قطعی درست نکلا۔''

آصف کی سوچ میں پڑ گیا۔

"ہاں یہ تو بتاؤ تمہیں اس کا علم کیسے ہوا کہ کل میں تارجام گیا تھا۔"

"مجھے پروفیسر تیموری نے تارجام سے فون کیا تھا کہ انور یہاں مجھ سے پراسرار
ملا ہے۔ میں رات کو گھر نہیں واپس جاؤں گا لہٰذا تم میرے مکان کی حفاظت کا کوئی انتظام

"تو گویا آپ مجھے چور اور ڈاکو بھی سمجھنے لگے ہیں۔" انور نے کہا۔

"شاید وہ تمہیں پہچانتا تھا...... اور تمہارے غلط نام بتانے پر مشکوک ہو گیا۔ اس کے
بھی تو کافی جواہرات موجود ہیں۔"

"لیکن یہ بھی عجیب چیز ہے۔" انور نے کہا۔ "تارجام والا شوروم بھی ویرانے
اور پروفیسر تیموری بھی شاید ویرانے ہی میں رہتا ہے۔"

"میں کل شام ہی سے ایک ضروری کام میں مشغول تھا۔" آصف اس کی بات
کر کے بولا۔ "اس لئے میں نے پروفیسر کی بات پر دھیان نہ دیا اور ویسے بھی مجھے یقین
کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتے جس سے قانوناً گرفت میں آ جانے کا امکان ہو۔ بہرحال
رات گئے تک مشغول رہا۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ مجھے سونا گھاٹ کا ایک چکر لگا لی
اگر پروفیسر واپس آ گیا ہوگا تو برا مانے گا۔ میری اس کی خاصی دوستی تھی۔" آصف خا
انور کی طرف دیکھنے لگا۔ انور خاصی دلچسپی کا اظہار کر رہا تھا۔

"میں دو تین آدمی ساتھ لے کر سونا گھاٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔" آصف نے کہ
کیا۔ "تیمور منزل کا پھاٹک کھلا ہوا تھا اور عمارت بالکل تاریک تھی۔ مجھے کچھ شبہ ہوا اور
چلے گئے۔ صدر دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ پھر ہم اس کمرے میں پہنچے جہاں پروفیسر کی لا
ہوئی تھی۔ کسی نے پتھر توڑنے والے ہتھوڑے سے اس پر حملہ کیا تھا۔ میرا خیال ہے
ہتھوڑے کی متعدد ضربات سے واقع ہوئی۔ سر کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔"

"کیا وہ گھر میں تنہا رہتا تھا۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں اس کے ساتھ اس کا سیکریٹری حامد بھی رہتا تھا۔ لیکن وہ کل رات کو گھر پر نہیں

"کیوں......؟"

"اس کا بیان ہے کہ وہ پروفیسر سے چھٹی لے کر گیا تھا۔"

"تو پھر میرا خیال ہے کہ پروفیسر خاصا احمق تھا۔" انور نے کہا۔ "پہلے اس نے سیکریٹری کو
چھٹی دی اور پھر خود مکان اکیلا چھوڑ کر تارجام چلا گیا۔ تاکہ معمولی سا چور خفیف سی جدوجہد کے
بعد اس کے سارے جواہرات مار لے جائے۔"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ تم سے فون پر بات کرنے والا پروفیسر تیموری تھا۔"

"میں جلدی میں تھا اس لئے اس کی طرف دھیان نہیں دے سکا اور پھر اس وقت اس کی
ضرورت ہی کیا تھی۔"

"سیکریٹری واپس کب آیا......؟"

"آج چار بجے صبح۔"

"تم نے اسے حراست میں نہیں لیا۔"

"میں اس پر غور کر رہا ہوں۔" آصف نے کہا۔ "لیکن تم مجھے خواہ مخواہ ادھر ادھر کی باتوں
میں الجھا کر پہلو بچانا چاہتے ہو۔"

"کیا مطلب......!" انور اسے گھور کر بولا۔

"تم اس حادثے کے متعلق کچھ جانتے ہو۔"

"جو کچھ جانتا تھا میں نے بتا دیا۔"

"تم آخر یہ کیوں نہیں بتاتے کہ تم تارجام کیوں گئے تھے۔"

"میں......!" انور متحیر ہو کر بولا۔ "شاید تم گھاس کھا گئے ہو۔ بھلا میں تارجام کیوں جانے لگا۔"

"ابھی خود تم نے اس کا اعتراف کیا ہے۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"خیر! لیکن یہ مت بھولو کہ پروفیسر نے کل مجھے تارجام سے تمہارے متعلق فون کیا تھا۔ تم
اسے دھوکا دینے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"تم نے خواب دیکھا ہوگا۔ خیر عدالت تمہارے اس خواب کو دلچسپی سے سنے گی۔ فی الحال
مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ تمہارے محکمے کے سپرنٹنڈنٹ صاحب اس بات کی شہادت دیں

گے کہ کل میں دو بجے سے دس بجے تک ان کے ساتھ رہا۔"

"کیا مطلب......!" آصف چونک کر بولا۔

"مطلب یہ میری جان کہ وہ میری بیوی کا سالا ہے۔" انور آنکھ مار کر کہنے لگا۔

"فی الحال تمہاری کوئی دکھتی رگ میرے ہاتھ میں نہیں ہے اسلئے اسے استعمال کروں گا۔"

"خیر اچھا ہوا کہ تم نے پہلے ہی بتا دیا......اس کا بھی انتظام کرلیا جائے گا۔" آصف اٹھتا ہوا بولا۔

"اررر......بیٹھو نا بھئی۔ رشیدہ چائے لا رہی ہوگی۔"

"میں چائے نہیں پیوں گا۔" آصف ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"تمہاری مرضی۔" انور نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

اتنے میں رشیدہ چائے لے کر آ گئی۔

"آصف صاحب چائے نہیں پئیں گے۔" انور شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"کیوں......؟"

"مجھ سے کہہ رہے تھے مرغے کی بولی بولو۔ میں نے معذوری ظاہر کی اس پر بگڑ گئے۔"

"دیکھو انور میں بتائے دیتا ہوں۔" آصف غصے میں اس کے آگے اور کچھ نہ کہہ سکا۔

"ابھی نہیں پھر کسی وقت بتا دینا۔" انور نے لاپروائی سے کہا اور اٹھ کر غسل خانے کی طرف چلا گیا۔

"یہ کسی دن بڑی مصیبت میں پھنس جائے گا۔" آصف نے رشیدہ سے کہا۔

"میری بلا سے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ "مگر میں تو یہ دیکھتی آ رہی ہوں کہ یہ ہمیشہ دوسروں ہی کو مصیبت میں پھنسا دیتا ہے۔"

"کب تک......خیر کی ماں کب تک بکرے کی......کہنے کا مطلب یہ کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔"

"بہرحال میں آپ کے لئے بھی چائے لائی ہوں۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"تم اسے سمجھاؤ۔" آصف نے بیٹھتے ہوئے۔

"یہ میرے بس کا روگ نہیں......لیکن معاملہ کیا ہے۔"

"وہ پروفیسر تیموری کے قتل کے سلسلے میں کوئی اہم بات جانتا ہے۔"

"یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"میں اسے عرصے سے جانتا ہوں۔ مجھے اچھی طرح اس کا اندازہ ہوگیا ہے کہ وہ کب اوٹ پٹانگ باتیں کرنا شروع کر دیتا ہے۔"

اتنے میں انور بھی واپس آ گیا۔ اُس نے آصف کی گفتگو سن لی تھی لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

تینوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔

"ہتھوڑے پر کسی قسم کے نشانات بھی ملے یا نہیں۔"

"نہیں......!"

"ہاں میں نے رومال سے اس کا دستہ صاف کر دیا تھا۔" انور مسکرا کر بولا۔

آصف نے چڑھ کر اُسے بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور رشیدہ بھی اُسے گھورنے لگی۔

"دیکھو میاں آصف میں اپنا الو سیدھا کرنے کے بعد الٹا الو تمہارے حوالے کردوں گا۔ مجھے اپنا بہت سا قرض ادا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ بنک بیلنس بھی کم ہوتا جا رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ......اگر تم میرے پیچھے پڑنے کے بجائے اپنا کام دیکھو تو زیادہ اچھا ہوگا۔"

ایک مرد ایک عورت

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تمہارے ہاتھ میں تاش کے دو پتے ہیں۔ پہلا نکولس اور دوسرا ایکریٹری۔ میری ساتھ مغز مارنے سے بہتر تو یہی ہے کہ تم انہیں کریدنے کی کوشش کرو۔"

"مشورے کا شکریہ۔" آصف ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"ایک چیز اور......!" انور نے آہستہ سے کہا۔ "پروفیسر نے تم سے کہا تھا کہ وہ تارجام ہی میں رات گذارے گا......پھر واپس کیوں آ گیا۔"

"ممکن ہے بعد کو اُسے خیال آیا ہو گھر سیکریٹری بھی موجود نہیں اس لئے گھر اکیلا نہ
چاہئے۔" آصف نے کہا۔

"تو اسکا یہ مطلب ہے کہ اُس نے تار جام جانے سے پہلے ہی سیکریٹری کو چھٹی دے دی

"ممکن ہے۔"

"اس لئے مجھے پھر کہنا پڑے گا کہ پروفیسر یا تو فرشتہ تھا یا بہت بڑا احمق کیونکہ تیموری
محل وقوع ایسا ہے کہ وہاں دن دہاڑے چوری ہو سکتی ہے۔"

ابھی سلسلہ گفتگو یہیں تھا کہ ایک پستہ قد مگر مضبوط جسم کا آدمی کمرے میں داخل ہوا
نے سفید سلک کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ قمیض کا سخت کالر دودھ کی طرح سفید اور بے داغ تھا
رنگ کی سپاٹ ٹائی سینے پر لہرا رہی تھی۔ آنکھوں پر سنہرے فریم کا سبک سا چشمہ تھا۔

"تو میں بالکل ٹھیک وقت پر آیا۔" وہ مسکرا کر ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر رشیدہ
طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ "غالباً چائے دانی خالی نہ ہوگی۔"

انسپکٹر آصف نے اُسے گھور کر دیکھا۔ غالباً اُسے اس کی بے تکلفی ناگوار گزری تھی۔

"میں آپ لوگوں کی مشغولیت میں مخل تو نہیں ہوا۔" وہ آصف اور انور کی طرف دیکھ کر

"قطعی نہیں۔" انور نے زہریلی مسکراہٹ کیساتھ کہا۔ "آپ سے کیا پردہ مغل شہنشاہوں
کے شاہی محلات میں خواجہ سراؤں کو پوری پوری آزادی تھی۔"

آنے والا رشیدہ کی طرف دیکھ کر بے ڈھنگے پن کے ساتھ ہنسنے لگا۔ رشیدہ اٹھ کر د
کمرے میں چائے کی پیالی لینے چلی گئی۔ آصف ابھی تک اُسے گھورے جا رہا تھا۔ ایسا
ہو رہا تھا جیسے وہ اس کی موجودگی پسند نہیں کرتا۔ آصف اُس سے سچ مچ متنفر تھا اور اس کی
کے پیشے کی گندگی تھی۔ وہ روزنامہ "پوسٹ مارٹم" کا ایڈیٹر تھا۔ اس کی آمدنی کا واحد ذریعہ
میلنگ تھی وہ اپنے اخبار کے ذریعے اونچے طبقے کے لوگوں کے پرائیویٹ معاملات پبلک
سامنے لا کر یا لانے کی دھمکی دے کر خاصی رقمیں پیدا کر لیا کرتا تھا۔ لیکن اس کا طریقہ کار
تھا کہ وہ براہِ راست قانون کی زد میں نہیں آتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ خواہ مخواہ کسی
آدمی کے پیچھے پڑ جاتا اور انور سے بھی وہ اسی مقصد کے تحت ملتا رہتا تھا کہ شاید اُس سے

کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جسے وہ اپنی آمدنی کا ذریعہ بنا سکے۔ ویسے وہ انور سے ڈرتا بہت
تھا۔ اس خوف کی وجہ انور کی غیر معمولی ذہانت اور فطری بے مروتی تھی۔

رشیدہ کی واپسی پر وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور رشیدہ اس کیلئے چائے انڈیلنے لگی۔

"کیوں قدیر......؟ کوئی نئی چیز......!" انور نے اُس سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ انسپکٹر صاحب تمہیں کوئی نئی خبر ہی سنانے آئے ہیں۔" قدیر مسکرا کر بولا۔

"اچھا بھئی اب میں چلوں۔" آصف اٹھتا ہوا بولا۔ "آج شاید دن بھر میں سونا گھاٹ پر
رہوں اگر فرصت ہو تو اس طرف بھی چلے آنا۔"

"کوشش کروں گا۔" انور نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ آصف تم سے مدد لینے آیا تھا۔" قدیر بولا۔

"مجھے تمہارے اس جاننے پر کوئی اعتراض نہیں۔" انور نے لاپروائی سے کہا اور خیالات
میں ڈوبا ہوا ناک سے آہستہ آہستہ سگریٹ کا دھواں نکالنے لگا۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ پروفیسر تیموری کا سیکریٹری کل رات کو کہاں تھا۔"

"کہاں......؟" انور چونک کر بولا۔

"ابھی یہ نہیں بتا سکتا اگر ان لوگوں سے سودا طے نہ ہوا تو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"

"کن لوگوں سے۔"

"ابھی کس طرح بتا سکتا ہوں۔"

"خیر ہوگا......میں تمہاری تجارت میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتا۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "میں
اس وقت بہت زیادہ مشغول ہوں۔"

"کوئی بات نہیں! تم جا سکتے ہو......میں رشیدہ صاحبہ سے غپ لڑاؤں گا۔" قدیر نے کہا۔

"میں معافی چاہتی ہوں......مجھے بھی ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے۔"

"خیر خیر......نہ جانے کیوں مجھے آپ لوگوں سے اتنی محبت ہو گئی ہے۔"

"شکریہ شکریہ......!" انور منہ سکوڑ کر بولا۔

قدیر اٹھ کر چلا گیا۔

"تم سچ مچ بڑی احمق ہو۔"

"کیوں......!" رشیدہ تنک کر بولی۔

"تمہیں اُسے روک کر اُس سے سب کچھ اگلوا لینا چاہئے تھا۔"

"میں نہیں پڑتی اس چکر میں۔"

"خیر ہوگا......!" انور نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر اُسے دیتے ہوئے کہا
نمبر کی کار کے مالک کا پتہ لگانا ہے۔"

"پھر تم نے وہی شروع کیا۔"

"جانِ من! انور بُری طرح پھنس گیا ہے۔ کل رات کو اگر مجھ سے ذرا سی بھی
ہو جاتی تو آصف مجھے لاش کے سرہانے ہی پکڑ لیتا۔" انور نے کہا اور پچھلی رات کی
دہراتا ہوا بولا۔ "اب میرا بھی وہی خیال ہے جو تمہارا تھا کہ مجھے کوئی پھنسانا چاہتا ہے۔"

"ابھی کیا ہے۔" رشیدہ بزرگانہ انداز میں بولی۔ "ابھی اور دھکے کھاؤ گے خیر اب
کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ لاؤ کاغذ مجھے دو۔"

تھوڑی دیر کے بعد دونوں آفس چلے گئے۔ رشیدہ کو چھٹی دلا کر انور اپنے روز
کاموں میں مشغول ہو گیا۔ کلاک نے گیارہ بجائے اس نے کاغذات ایک طرف رکھ
کچھ سوچنے لگا۔ آج ایک بجے کے بعد اُسے کل والی پراسرار لڑکی سے ملنا تھا لیکن اسے
یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ دوبارہ نظر نہ آئے گی۔ آخر وہ کون تھی؟ کیا اس پتھر ہی سے
موت کا تعلق تھا۔ اگر ایسا تھا تو وہ درمیان میں کیوں ڈالا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے اور
کے کسی پراسرار تعلق کے امکانات پر غور کرنے لگا۔ لیکن یہ چیز بالکل ہی مہمل تھی۔ پھر
اُسے اس پتھر کا خیال آ گیا۔ اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا اور نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو......اوہ معاف کیجئے گا۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔" انور نے ریسیور رکھ دیا اور
ڈائریکٹری اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اسے پروفیسر تیموری کے فون نمبر کی
چند لمحوں کے بعد اس نے پھر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو......کیا آپ پروفیسر تیموری کے گھر سے بول رہے ہیں۔ اچھا اچھا......

آصف صاحب کو فون پر بلا دیجئے۔" وہ خاموش ہو کر بائیں ہاتھ سے میز پر رکھے ہوئے کاغذات کو
الٹنے پلٹنے لگا۔ "ہیلو آصف! میں بول رہا ہوں......کوئی نئی بات......؟ آخر اس قتل کا مقصد کیا
ہو سکتا ہے......کوئی چیز غائب بھی نہیں ہوئی......یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ جواہرات بھی بدستور ہیں؟
سیکریٹری سے تو پوچھو......اچھا یہی اُسی کا بیان ہے......خیر میں تم سے کسی وقت وہیں ملوں گا۔"

انور ریسیور رکھ کر پھر اپنے دفتری کاغذات میں ڈوب گیا۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے رشیدہ
واپس آئی۔

"خبر......؟" انور اس کی طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولا۔

"خبر تو ہے مگر بتاؤں گی نہیں۔" رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"رشو......!" انور پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"ہرگز نہیں......ایک شرط ہے۔"

"کیا......!"

"دونوں کان پکڑ کر مرغے کی بولی بولو۔"

"قریب آؤ......زور سے نہیں بولوں گا......" انور نے رشیدہ کے کان مضبوطی سے پکڑ لئے
اور آہستہ سے بولا۔ "ککڑوں کوں" اور پھر جھٹکا دے کر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ رشیدہ کھڑی بسورتی
رہی اور وہ لکھتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب اس سے کچھ نہ پوچھے گا......لیکن جیسے ہی وہ
جانے کے لئے مڑی انور آہستہ سے بولا۔

"ادھر آؤ......!"

رشیدہ پلٹ کر اُسے گھورنے لگی۔

"اچھا آؤ اب تم میرے کان پکڑ لو......آ جاؤ......شاباش۔"

"نہیں آؤں گی......نہیں آؤں گی۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔

"تو مجھے ہی آنا پڑے گا۔"

انور اٹھ کر اُس کے قریب پہنچ گیا۔ رشیدہ تھوڑی دیر تک اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔

"میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

"بولو بھی رشو......!" انور بچگانے انداز میں بولا۔ "میں بالکل یہ نہیں سمجھا تھا کہ تم سنجیدگی سے میرے کان پکڑنا چاہتی ہو۔"

"بکو مت......!"

"اچھا لو چپ ہو گیا۔"

"وہ پروفیسر تیموری کی کار کا نمبر تھا۔" رشیدہ نے کہا۔

"مذاق مت کرو۔"

"میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔ پروفیسر کے پاس دو کاریں تھیں ایک وہ خود اپنے استعمال میں رکھتا تھا اور دوسری سیکریٹری کے پاس رہتی تھی۔ یہ سیکریٹری ہی والی کار کا نمبر ہے۔"

"میرے خدا......!" انور آہستہ سے بولا۔ "تو کیا......وہ پتھر سیکریٹری ہی نے چرایا تھا؟ نہیں یہ ناممکن ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اُسے دوبارہ واپس کرنے کیلئے دوسرے سے مدد کیوں لیتا۔"

رشیدہ خاموش ہو گئی۔ انور پھر بولا۔

"رشو اس لڑکی کا پتہ لگانا بہت ضروری ہو گیا ہے۔"

"ہوگا......!" رشیدہ بے تعلقی ظاہر کرتی ہوئی بولی۔

انور نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ایک بج رہا تھا۔

"رشو......! تم پھر کسی وقت میرے کان پکڑ لینا۔ فی الحال میرے ساتھ چلو۔" انور اُسے دروازے کی طرف گھسیٹتا ہوا بولا۔

"کہاں......؟"

"جہاں میں چلوں۔"

اور پھر انور کی موٹر سائیکل سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔ رشیدہ کیریئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"تم مدینہ ہوٹل کے سامنے ہی ٹھہری رہنا۔ غالباً میرا مطلب سمجھ گئی ہوگی۔ تمہیں اس کا تعاقب کر کے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کون ہے۔"

"ہوں......اور اس کی اُجرت......!"

"اجرت......!" انور چونک کر بولا۔ "ایک بہت ہی لذیذ قسم کا چانٹا۔"

رشیدہ نے اُس کی پیٹھ پر گھونسا جڑ دیا اور دو ایک راہ گیر انہیں حیرت سے دیکھنے لگے۔

ہوٹل کے کچھ فاصلے پر انور نے موٹر سائیکل روک لی اور رشیدہ اتر کر دوسرے کنارے کے فٹ پاتھ پر چلی گئی۔

انور ناک بھوں سکوڑتا ہوا ہوٹل میں داخل ہوا۔ معینہ کیبن میں ایک آدمی بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ انور دروازے پر ٹھٹک گیا۔

"کیا آپ مسٹر انور ہیں۔" آدمی آہستہ سے بولا۔

انور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"چلے آیئے......!" وہ بولا۔

یہ ایک دبلا پتلا اور دراز قد آدمی تھا۔ گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ آنکھوں سے عیاری ٹپکتی تھی۔ چہرے کا پھیکا پھیکا تانبے جیسا رنگ بتا رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ شراب پینے کا عادی ہے۔ انور اس کے سامنے بیٹھ کر اُسے گھورنے لگا۔

"وہ کنجیاں دے دیجئے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"کنجیاں......!" انور نے تعجب ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "کیسی کنجیاں......میرا خیال ہے کہ میں اس سے قبل کبھی آپ سے نہیں ملا۔"

"وہی کنجیاں جو کل ایک لڑکی نے آپ کو دی تھیں۔"

"لڑکی......آپ شاید نشے میں ہیں۔"

"میں قطعی ہوش میں ہوں اور کنجیاں واپس لے کر جاؤں گا۔" اُس نے انور کو گھورتے ہوئے کہا۔ "آپ اپنی اجرت بتایئے۔"

"کیسی اجرت......دیکھئے جناب میں اجنبیوں سے بے تکلف ہونے کا عادی نہیں۔"

"سیدھے ہو جاؤ میاں لڑکے سیدھے۔" وہ تن کر بولا۔ "میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"وہ تو صورت ہی سے ظاہر ہے۔"

"انور......!"

"بدتمیز......!" انور تیز لہجے میں بولا۔ "انور صاحب کہو۔"

"اچھا انور صاحب کنجیاں واپس کر دیجئے۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"ناممکن! ہرگز نہیں۔" انور اٹھ کر کیبن سے نکل آیا۔

"تمہیں پچھتانا پڑے گا۔" وہ بولا۔

"اس پر پھر کبھی غور کروں گا۔" انور نے کہا اور چل پڑا۔ وہ آہستہ آہستہ ریسٹوران کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا اشارہ پا کر رشیدہ بھی اس کے پیچھے ہولی تھی۔ ریسٹوران میں پہنچ کر وہ اس کی طرف مڑا۔

"رشو...... وہ نہیں آئی۔ اس کے بجائے ایک مرد آیا ہے۔ تم اس کا پیچھا کرو...... اسی ہوٹل میں بیٹھا ہے۔ کیبن نمبر پانچ میں...... جاؤ جلدی کرو۔"

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" رشیدہ بولی۔

"جاؤ میں تمہاری طرف سے بھی کھا لوں گا...... مطمئن رہو۔"

رشیدہ منہ بناتی ہوئی باہر چلی گئی۔ انور دروازے کے قریب ہی کی ایک میز پر بیٹھ گیا۔ کافی کا آرڈر دے کر اس نے سگریٹ سلگایا اور سامنے رکھے ہوئے گلدان پر نظریں جما دیں۔ اس کی یہ محبت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے بائیں گال کے قریب سے ایک پیلے رنگ کی لہر گذر گئی ہو اور ساتھ ایک خاص قسم کی خوشبو...... ایک عورت پیلے رنگ کی ساری میں ملبوس کاؤنٹر کی طرف جا رہی تھی۔ لیکن وہ خوشبو! وہ خوشبو انور کا ذہن جھنجھ... اور جیسے ہی وہ عورت کاؤنٹر پر دونوں ہاتھ ٹیک کر پیچھے کی طرف مڑی انور کے سارے جسم میں ٹھنڈی ٹھنڈی لہریں دوڑ گئیں۔ یہ تو وہی تھی بالکل وہی جس کی تصویر اس نے پچھلی رات پروفیسر کی خواب گاہ میں دیکھی تھی اور وہ خوشبو۔ کیا اسی خوشبو نے پچھلی رات کو اس کا... پراگندہ نہیں کر دیا تھا۔ پروفیسر کے مکان کا سناٹا اور اندھیرا اُسکے ذہن میں آہستہ آہستہ رینگ... وہ کچھ پریشانی سی نظر آ رہی تھی۔ بارمین نے اس کی طرف ایک گلاس بڑھا دیا جس میں... نے پیلے رنگ کی شراب کا ایک پگ انڈیلا تھا۔ عورت نے سوڈے کی بوتل گلاس میں خالی... اور پھر اس بُری طرح گلاس پر ٹوٹ پڑی جیسے وہ بہت پیاسی ہو۔ گلاس ختم کرنے کے بعد... خالی میز کی قریب بیٹھ گئی۔ بارٹنڈر دوسرا گلاس اور سوڈے کی بوتل اس کی میز پر رکھ کر چلا...

اب وہ شراب کو بے تحاشہ حلق میں انڈیل لینے کی بجائے ہلکی ہلکی چسکیاں لے رہی تھیں۔ پھر اس نے ایک سگریٹ سلگایا اور نیم وا آنکھوں سے گلاس کی طرف دیکھنے لگی۔

اتنے میں بیرا انور کی کافی لے کر آ گیا۔ انور نے عورت کی میز کی طرف اشارہ کیا۔ بیرے نے کافی کی ٹرے اس میز پر رکھ دی۔ عورت بیرے کو گھورنے لگی۔

"میں نے کافی تو نہیں منگوائی۔" وہ حیرت سے بولی۔ قبل اس کے بیرا کچھ کہتا انور اس کے قریب پہنچ گیا۔

"میں اس وقت کافی ہی پیتا ہوں۔" انور نے آہستہ سے کہا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"مگر آپ......!" عورت کے لہجے میں احتجاج تھا۔

"ہاں...... آں......!" انور نے بیرے کو جانے کا اشارہ کر کے کہا۔ "میں آپ کے لئے اجنبی ضرور ہوں مگر آپ میرے لئے نہیں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"بات یہ ہے کہ پروفیسر تیموری......!"

"جی......!" شراب کے گلاس کو اس نے اتنی مضبوطی سے پکڑ لیا کہ اس کے ہاتھ کی رگیں ابھر آئیں۔

"مطلب یہ کہ آپ پروفیسر تیموری کی دوست تھیں۔"

"جی ہاں...... جی ہاں......!" وہ جلدی سے بولی۔

"اُسے کسی نے قتل کر دیا۔"

"اوہ...... جی ہاں...... میں نے اخبار میں پڑھا ہے۔"

"اس سے آپ کب ملی تھیں۔"

"لیکن آپ کون ہیں؟"

"پروفیسر تیموری کا ایک ہمدرد......!" انور نے کہا۔ "میں آپ سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ آپ آخری بار اس سے کب ملی تھیں۔"

"مجھے ٹھیک یاد نہیں۔ ہوسکتا ہے دس روز قبل...... ہوسکتا ہے پندرہ روز قبل۔"

"اور کل رات کو......!"

عورت دفعتاً چونک پڑی۔ وہ انور کو خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"بولئے بولئے......!" انور سر ہلا کر بولا۔ "میرے پاس اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ آپ کل رات کو تیمور منزل میں تھیں۔"

"نہیں......نہیں......یہ جھوٹ ہے۔" وہ اس طرح بولی جیسے خواب میں بول رہی ہو۔

"یہ سو فیصدی سچ ہے۔"

عورت اُسے تھوڑی دیر تک خوفزدہ نظروں سے دیکھتی رہی پھر دفعتاً سنبھل کر بولی۔

اگر آپ دوسری بار یہ جملہ دہرائیں گے تو میں پولیس کو فون کر دوں گی۔"

"ضرور کیجئے......اسطرح پولیس کو آسانی ہو جائے گی کیونکہ وہ خود آپکی تلاش میں ہے۔"

سیکریٹری

عورت پھر خوفزدہ نظر آنے لگی۔

"لیکن ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کل رات کو تیمور منزل میں تھیں یا نہیں۔"

"قطعی نہیں......ہرگز نہیں۔"

"خیر آپ کی مرضی......!" انور لاپروائی سے بولا۔ "لیکن اپنا نام بتانے میں تو آپ کو اعتراض نہ ہوگا۔"

"گلوریا تموتھی......!"

انور نوٹ بک نکال کر لکھنے لگا۔

"کہاں رہتی ہیں۔"

"رحمٰن لاج......تیسری منزل......روم نمبر پانچ۔"

"شکریہ۔" انور نوٹ بک جیب میں رکھتا ہوا بولا۔

"لیکن......لیکن؟" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا......!"

"کچھ نہیں۔"

"آپ کی مرضی۔" انور لاپروائی سے بولا اور کافی کی پیالی خالی کر کے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

وہ انور کو بغور دیکھتی رہی۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔

"میں اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتی۔ میری ہی طرح پروفیسر کے درجنوں جان پہچان والے ہوں گے۔ پولیس ان سب کو تنگ کرے گی؟"

"جان پہچان بھی کئی قسم کی ہوتی ہے۔" انور نے کہا۔ "ایک قسم یہ بھی ہوتی ہے کہ لوگ جان پہچان والوں کی تصویریں اپنی خوابگاہوں میں لگاتے ہیں۔"

"جی......!" عورت چونک کر بولی۔

"جی ہاں......!" انور معنی خیز انداز میں بولا۔ "پولیس آپ میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہی ہے۔"

"لیکن آپ کون ہیں۔"

"کہہ تو دیا کہ پروفیسر کا ایک دوست......میرا پولیس سے کوئی تعلق نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب کچھ مجھے بتا دیں تاکہ میں آپ کو پولیس کی زیادتی سے بچا سکوں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔" عورت جلدی سے بولی۔ "اور آپ مجھ پر سراسر اتہام لگا رہے ہیں کہ میں کل رات کو پروفیسر تیموری کے مکان میں تھی۔"

"خیر......خیر......دیکھا جائے گا۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ پولیس کو آپ تک نہ پہنچنے دوں۔"

انور نے کاؤنٹر پر جا کر بل ادا کیا اور ریستوران سے نکل گیا۔

رشیدہ کا انتظار فضول تھا معلوم نہیں وہ کب تک واپس آئے۔ انور کچھ سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی موٹر سائیکل سونا گھاٹ کی طرف جا رہی تھی اور اس کا ذہن کئی گتھیاں

سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

تیمور منزل میں پولیس ڈیرا ڈالے ہوئی تھی۔ انسپکٹر آصف بھی موجود تھا اور بہت زیادہ نظر آ رہا تھا۔ انور کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل گیا۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"کوئی نئی بات۔"

"کچھ نہیں...... کوئی نئی بات نہیں۔ میں نے نکولس کو حراست میں لے لیا ہے۔"

"کیوں......؟"

"شبہ کی بناء پر...... واقعی اس کا شو روم انتہائی پراسرار معلوم ہوتا ہے۔"

"لیکن صرف اسی کو حراست میں کیوں لیا ہے۔"

"میں تار جام گیا تھا۔" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "نکولس کی کل رات کی نقل وحرکت میں ڈالنے والی ہے۔"

"یعنی......!"

"وہاں سے پروفیسر تیموری کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد ہی وہ بھی چل پڑا۔"

"پھر......!"

"ظاہر ہے کہ اگر اُسے بھی شہر آنا تھا تو وہ پروفیسر تیموری ہی کے ساتھ کیوں نہ تھوڑی دیر بعد چلنے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے اور پھر دوسری بات یہ کہ اُس نے عام را بجائے دشوار گزار راستے اختیار کئے جن کے ذریعہ وہ پروفیسر سے کچھ دیر قبل ہی شہر پہنچ گیا"

"لیکن تمہیں یہ اطلاعات ملیں کہاں سے۔" انور نے کہا۔

"اس ٹیکسی ڈرائیور سے جو اُسے شہر لے گیا تھا۔"

"ہوں......!" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ اترا کہاں تھا۔"

"رحمٰن لاج کے قریب۔"

"رحمٰن لاج......!" انور چونک کر بولا۔

"ہاں...... لیکن تم چونکے کیوں؟"

"کچھ نہیں...... یونہی...... تو پھر نکولس نے کیا بتایا۔"

"ظاہر ہے کہ وہ آسانی سے یہ نہیں بتائے گا کہ وہ تیموری کا قاتل ہے۔"

"بھئی کمال کر دیا۔ محض اتنی سی بات پر تم نے اسے قاتل ہی تسلیم کر لیا۔" انور ہنس کر بولا۔

"نہیں اس کی وجہ ایک اور بھی ہے جس ہتھوڑے سے پروفیسر قتل کیا گیا تھا وہ عام استعمال کا ہتھوڑا نہیں۔ یا تو وہ پروفیسر ہی کا ہوسکتا ہے یا پھر اُسی کے کسی دوسرے ہم پیشہ کا۔"

"تمہاری مراد پتھر توڑنے والے ہتھوڑے سے ہے؟" انور نے پوچھا۔

"ہاں...... سیکریٹری نے بتایا کہ وہ پروفیسر کا نہیں تھا۔"

"تو کیا نکولس نے اُسے اپنا ہتھوڑا تسلیم کر لیا۔"

"بھلا وہ کیوں تسلیم کرنے لگا۔"

"تو اس سے تم نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ نکولس ہی کا ہوسکتا ہے۔" انور بولا۔

"یہ تو اب دیکھا جائے گا۔"

"پروفیسر کا قتل کہاں ہوا......؟" انور نے پوچھا۔

"پتھروں والے کمرے میں۔" آصف نے کہا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ دونوں اُس کمرے میں آئے جہاں پچھلی رات کو انور نے پروفیسر کی لاش دیکھی تھی۔ اس وقت اجالے میں چاروں طرف لگے ہوئے شیشے کے شوکیسوں میں طرح طرح کے خوش رنگ پتھر جگمگا رہے تھے۔ آصف انور کو وہ جگہ دکھانے لگا جہاں پروفیسر کی لاش ملی تھی۔

"تو تمہیں اچھی طرح اطمینان ہے کہ یہاں سے کوئی چیز چرائی نہیں گئی۔" انور نے پوچھا۔

"میں یہاں کی چیزوں سے واقفیت تو رکھتا نہیں۔" آصف مسکرا کر بولا۔ "سیکریٹری کا بیان یہی ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر موجود ہے۔ فی الحال مجھے اسی کے بیان پر یقین کرنا پڑے گا۔"

"ہوں......!" انور کچھ سوچ رہا تھا اور اس کی نظریں شوکیس پر جمی ہوئی تھیں جس میں اس نے پچھلی رات کو سیاہ پکھراج رکھا تھا۔ لیکن اس وقت وہ غائب تھا۔ اسکی جگہ خالی نظر آ رہی تھی۔

"سیاہ پکھراج......!" انور نے شوکیس پر جھک کر بلند آواز میں کہا۔

"اوہ...... کیا مطلب......!" آصف چونک کر بولا۔

"شاید یہاں بھی کوئی پتھر تھا جس کا نام لکھا ہوا ہے۔" انور خالی جگہ کیطرف اشارہ کر کے

"ہاں تھا تو...... اب وہ تجوری میں رکھ دیا گیا ہے۔" آصف نے کہا۔

"کیوں......؟"

"پتہ نہیں...... سیکریٹری نے رکھ دیا ہے۔"

"تمہارے سامنے۔"

"ہاں بھئی ہاں۔"

"تم اس کی قیمت سے واقف ہو۔" انور نے پوچھا۔

"کیوں یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"اس لئے کہ سیاہ پکھراج آج تک میری نظر سے نہیں گزرا......؟"

"ٹھیک ہے۔" آصف بولا۔ "آج سے پہلے میں نے بھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

"سیکریٹری کہاں ہے؟"

"اس کی حالت بہت ابتر ہے۔"

"وہ ہے کہاں......؟"

"اپنے کمرے میں؟ بھئی نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آتا ہے۔"

"اور مجھے تم پر رحم آتا ہے۔" انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں

"وہ سامنے والے کمرے میں ہے تم جاؤ۔ میں مرحوم کے سامان کی فہرست مکمل کر رہا

"مگر یہ تمہارا کام نہیں ہے۔" انور نے کہا۔

"یہ مت بھولو کہ پروفیسر میرا دوست بھی تھا۔"

"اس کا کوئی وارث بھی ہے یا نہیں۔"

"ہے تو...... لیکن اس کے متعلق پروفیسر کے قانونی مشیر مسٹر پی۔ داس زیادہ بہتر
گے۔"

"اور تم نے ابھی تک اس سے گفتگو نہیں کی۔"

"میں نے کوشش کی تھی لیکن وہ آج کل شہر میں موجود نہیں ہے۔"

"ہوں......!" انور نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ تھوڑی دیر تک وہ آصف کو بے خیالی میں گھورتا رہا پھر سیکریٹری کے کمرے کیطرف چلا گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ انور نے دستک دی۔ جواب ندارد...... اس نے پھر دروازہ تھپتھپایا۔ اندر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور وہ دروازہ کھل گیا۔ انور کے سامنے ایک خوبصورت جوان کھڑا تھا۔ آنکھیں سرخ اور پلکیں سوجی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کافی دیر تک روتا رہا ہو۔

"اندر چلئے۔" انور آہستہ سے بولا۔ سیکریٹری ایک طرف ہٹ گیا اور انور کمرے میں چلا گیا۔

"بیٹھ جائیے۔" انور ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

سیکریٹری بیٹھ کر انور کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"آپ کو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ آپ پروفیسر سے چھٹی لے کر گئے تھے۔"

"جی......!" سیکریٹری اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"جی ہاں۔"

"میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"آپ یہاں سے کس وقت گئے تھے۔"

"دس بجے دن کو۔"

"کہاں گئے تھے؟"

"نشاط نگر اپنی خالہ کے یہاں۔"

"آپ کے استعمال میں وہی کار رہتی ہے جس کا نمبر ۲۳۷۱ ہے۔"

"جی ہاں۔"

"آپ اسی کار پر گئے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"اور وہ کل سے اب تک آپ ہی کے پاس رہی۔"

"جی......!" وہ چونک کر بولا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"آپ میری بات کا جواب دیجئے۔"

"نہیں کل یہ میری خالہ کے بھی استعمال میں رہی۔"

"آپ کی خالہ کی عمر کیا ہے؟"

"مسٹر......!" وہ تیز لہجے میں بولا اور پھر انور کو گھورنے لگا۔

"اس سوال کا جواب ضروری ہے؟" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"پچاس یا پچپن سال......!"

"ہوں......!" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا آپ مکان کی کنجی اُس لچھے میں رکھ(تے) جس میں کار کی کنجی رہتی ہے۔"

"جی ہاں......!"

"تو کل کنجیوں کا لچھا بھی آپ کی خالہ کے پاس رہا ہوگا۔"

"جی ہاں......مگر کیوں......مگر کیوں؟"

"کچھ نہیں......کوئی خاص بات نہیں۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "کیا میں وہ لچھا (دیکھ) سکتا ہوں۔"

"جی ہاں......ضرور ضرور۔" سیکریٹری نے کہا اور اپنے کوٹ کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"یہ لیجئے۔"

"ان میں سے مکان کی کنجیاں کون کون سی ہیں۔" انور نے پوچھا۔

سیکریٹری بتانے لگا۔

"اچھا یہ تو وہ کنجیاں ہیں جو آپکے پاس رہتی تھیں۔ وہ کنجیاں کہاں ہیں جو پروفیسر رکھتا (تھا)"

"وہ ان کی جیب میں نہیں ملیں۔" سیکریٹری بولا۔

"آپ نے تلاش کی تھیں۔"

"نہیں......قاعدے کے مطابق انہیں اُن کی جیب میں ہونا چاہئے تھا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قتل کرنے والا اپنے ساتھ وہ کنجیاں بھی لے گیا۔" انور بولا

"بھلا میں اس کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں۔"

"خیر چھوڑیئے......یہ بتایئے کہ آپ نے وہ سیاہ پکھراج تجوری میں کیوں رکھ دیا؟"

"وہ تجوری ہی میں رہتا تھا۔ پرسوں چند مہمانوں کو دکھانے کیلئے شوکیس میں لگایا گیا تھا۔"

"مہمانوں کو دکھانے کے لئے؟"

"جی ہاں۔"

"ان مہمانوں کے نام......؟"

سیکریٹری نے نام بتانے شروع کئے اور انور اپنی نوٹ بک میں لکھتا گیا۔

"سر صغیر احمد......!" انور ایک نام پر بڑبڑایا۔ "نیشنل بنک کا ڈائریکٹر نا......!"

"جی ہاں وہی۔"

"شاید وہ بھی تو پتھروں کا شوقین ہے۔"

"جی ہاں۔"

"پروفیسر سے اس کے تعلقات کیسے تھے۔"

"اچھے خاصے تھے۔"

"لیکن ہم پیشہ اور ہم شوق لوگ ایک دوسرے سے حسد بھی تو رکھتے ہیں۔" انور بولا۔

"بھلا میں اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"تو وہ پکھراج پرسوں سے آج تک اُسی شوکیس میں رہا۔"

"جی ہاں"

انور اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کمرے سے نکل آیا۔

کچھ نئی باتیں!

چار بجے شام کو انور تیمور منزل سے شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کیس میں اُسے سچ مچ سوچنے پر مجبور ہو جانا پڑا تھا۔ سیکریٹری کا بیان الجھا ہوا تھا اور فی الحال کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ اسے مجرم کیوں نہ سمجھا جائے۔ پتھر چرایا گیا تھا۔ لیکن وہ اس کے بیان کے مطابق دعوت

والی رات سے اس وقت تک اسی شوکیس میں موجود رہا۔ پھر دوسری بات یہ کہ اگر وہ تجور
رکھا جاتا تھا تو پھر دعوت کے اختتام سے اب تک شوکیس ہی میں کیوں رکھا رہا۔ انور
ہو رہا تھا کہ اُس نے اس سے اور سوالات کیوں نہ کئے۔ پھر اس کا ذہن گلوریا کی طرف
ہو گیا۔ اُسے سو فیصدی یقین تھا کہ وہ پچھلی رات کو جائے واردات پر موجود تھی لیکن اس یقین
بنیاد کسی منطقی دلیل پر نہیں تھی جس خوشبو کا تجربہ اسے پچھلی رات کو ہوا تھا اس کا استعمال گلوریا
علاوہ کوئی دوسرا بھی کر سکتا تھا۔ اس امکان کے باوجود بھی وہ نہ جانے کیوں گلوریا کو اس کیس
متعلق ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پکھراج اسی نے چرایا ہو اور پھر کسی وجہ
اُسے واپس کر دینے پر آمادہ ہو گئی ہو۔ اس کام کے لئے اس نے اس لڑکی کو منتخب کیا ہو۔ لیکن
نہیں...... وہ سوچنے لگا۔ اگر یہ بات تھی تو اس لڑکی کے پاس سیکریٹری کی کار کی موجودگی کیا
رکھتی ہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ خود سیکریٹری بھی ملا ہوا تھا اور اگر یہ درست ہے تو
پتھر کی واپسی کے لئے اُسے ہموار کرنا بالکل ہی احمقانہ فعل تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام خود سیکریٹری
انجام دے سکتا تھا۔ پھر اچانک اس کا ذہن ایک دوسرے ہی دھارے پر بہہ نکلا۔ آخر پروفیسر
قتل کیا معنی رکھتا ہے اگر یہ سب کچھ اُسے پھنسانے کے لئے کیا گیا تھا تو اس سازش کی پشت
کون ہو سکتا ہے اور پھر سوچتے سوچتے اسے الجھن ہونے لگی اور اس نے وقتی طور پر یہ خیال
سے نکال پھینکا۔

رشیدہ گھر پر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ انور نے کمرے میں داخل ہوتے ہی فلٹ ہیٹ
کر دور پھینک دی۔ نشانہ تو میز ہی کا لیا تھا لیکن ہاتھ بہک جانے کی وجہ سے وہ جوتوں کی الما
میں جا گری۔ ٹائی کی گرہ ڈھیلی کر کے وہ ایک آرام کرسی میں دھنس گیا۔

"کیوں؟ کیا کسی نے مرمت کر دی۔" رشیدہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں میں کسی ایسے کی تلاش میں ہوں جس کی مرمت کی جا سکے۔"

"آئینہ لا دوں۔" رشیدہ نے بھولے پن سے کہا اور انور اُسے گھورنے لگا۔

"رپورٹ......!" وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"بہت اچھا حضور...... سنئے...... وہ مے پول ہوٹل کے کمرہ نمبر ۴۶ میں رہتا ہے۔

میں اس کا نام وجے کمار ہے ہوٹل میں لڑکی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ اُس سے
کچھ باتیں کرتا رہا لڑکی خوفزدہ سی نظر آ رہی تھی۔ پھر وہ ہوٹل سے چلی گئی اور میں واپس آ گئی۔"

"تم واپس آ گئیں۔"

"اور پھر کیا کرتی۔"

"اوہ...... تم اتنی اُلو کیوں ہو گئی ہو۔"

"نہیں تو کہاں۔" رشیدہ حیرت سے اپنا پورا جسم ٹٹولتی ہوئی بولی۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"تو میں کیا کروں۔"

"رشو......!"

"فرمائیے مسٹر انور۔"

"مجھے غصہ آ جائے گا۔"

"بُری بات ہے۔ بچوں کو غصے سے پرہیز کرنا چاہئے۔" رشیدہ مربیانہ انداز میں بولی۔

"رشو......!" انور جھلا کر چیخا۔

"انور......!" رشیدہ بھی اسی انداز میں چیخی۔

انور دانت پیسنے لگا۔ رشیدہ اس کی نقل کر رہی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے تمہاری شامت آ گئی ہے۔" انور نے کہا۔

"ہاں آئی تو تھی مگر تم سے ملاقات نہ ہونے پر افسوس ظاہر کر کے اپنا پتہ چھوڑ گئی۔"

"میں اپنا سر پھوڑ لوں گا۔"

"بسم اللہ...... مگر میز پر نہیں۔ کمزور لکڑی کی ہے۔ میرا خیال ہے دیوار...... خیر دیوار ہی سہی۔"

"بکواس بند کرو۔" انور پھر چیخا۔

"بکواس بند کر دی۔" رشیدہ بھی اُسی انداز میں چیخی اور چھت کی طرف دیکھنے لگی۔

انور نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور رشیدہ بلند آواز میں گانے لگی۔

"مان مرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار......!"

"ارے بند کرو...... بند کرو...... یہ نفرت آمیز گانا۔" انور زور سے چیخا۔

"کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار......!" رشیدہ نے پھر ہانک لگائی۔

"میں سچ کہتا ہوں۔"

"مان مرا احسان......!"

"چپ رہو۔"

"ارے نادان کہ میں......!"

"ارے چپ ارے چپ۔" انور کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر بولا۔ "خدا غارت کر
اُسے جس نے یہ گیت لکھا تھا۔ جاہل تھا وہ بالکل اُلو کا پٹھا تھا۔"

"تجھ سے کیا ہے پیار......!"

انور نے جھلا کر اپنی ٹائی کی گرہ تنگ کرنی شروع کر دی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے
گھونٹ کر مر جائے گا۔ نہ جانے کیوں اسے یہ گیت حد درجہ نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا۔

"چچ چچ...... ٹائی خوش رنگ بھی ہے۔" رشیدہ اس کے ہاتھ پکڑتی ہوئی بو

"آخر تمہیں اس گیت سے اتنی چڑ کیوں ہے۔"

"دور ہٹو...... دور ہٹو......!" انور اٹھتا ہوا بولا۔

"اب مجھے ان کھڑکیوں میں سلاخیں لگوانی پڑیں گی۔" رشیدہ فکر مند لہجے میں بو
"معلوم نہیں کب پڑوس کے ریڈیو سیٹ پر یہی گیت آنے لگے اور تم کھڑکی سے چھلانگ لگا دو۔"

"تم خدا کے لئے یہاں سے چلی جاؤ۔" انور عاجز آ کر بولا۔

"میں خود ہی جا رہی تھی۔" رشیدہ دروازے کی طرف بڑھی اور تھوڑی دور جا کر پھر
"جانتے ہو وہ پراسرار لڑکی کون ہے؟"

"کیوں خواہ مخواہ مجھے تنگ کرتی ہو۔" انور کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

"اب آئے ہو سیدھی راہ پر...... خیر سنو...... اس کا نام رابعہ صغیر ہے اور وہ سر صغیر
لڑکی ہے۔"

"کیا کہا......؟" انور اچھل کر بولا پھر اس کی نظریں رشیدہ کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔" رشیدہ نے آہستہ سے پوچھا۔

"بہت بڑی بات۔" انور کی نظریں بدستور اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"گرہیں خود بخود کھلتی جا رہی ہیں۔ خود بخود کھل رہی ہیں۔"

"تو ٹھیک سے بتاؤ نا۔"

دفعتاً انور نے چونک کر اپنی نظریں اس کے چہرے پر سے ہٹا لیں اور پھر اس طرح اس کی
طرف دیکھنے لگا جیسے وہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔

"معاملہ بہت زیادہ الجھا ہوا ہے۔" انور نے کہا اور رشیدہ کو اپنی اور سیکریٹری کی گفتگو کے
متعلق بتانے لگا۔

"تب تو معاملہ صاف ہے۔" رشیدہ بولی۔ "سیکریٹری بھی ملا ہوا ہے لیکن پروفیسر کے قتل کا
مقصد سمجھ میں نہیں آتا اور اب تو یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا کہ کسی نے تمہیں پھنسانے کی کوشش کی
ہے۔ بھلا صغیر احمد یا اُس کی لڑکی سے تمہارا کیا تعلق۔"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"ہاں ایک بات تو بھول ہی گئی۔ ایک عورت تلاش کرتی ہوئی آفس پہنچی تھی۔ اپنا نام گلوریا
بتایا تھا۔ شاید وہ مناسب حق المحنت کے عوض تم سے کوئی کام لینا چاہتی ہے۔"

"گلوریا؟ کیوں کیا......!" انور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا تم اُسے جانتے ہو......؟"

"ہاں...... میری فہرست میں وہ بھی شامل ہے۔"

"بہرحال وہ اپنا پتہ دے گئی ہے۔"

"ہوں......!" انور کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر دفعتاً چونک کر بولا۔ "میں نے ابھی تک چائے
نہیں پی۔"

"لیکن میں نے سنا ہے کہ تمہارے استاد انسپکٹر فریدی کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں۔"

"وہ عشق کی آخری منزل ہے...... میں ابھی تک وہاں نہیں پہنچ سکا۔"

چائے پی چکنے کے بعد وہ رحمٰن بلڈنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ گلوریا اُسے

کچھ بتانا چاہتی ہے کوئی اہم بات۔

تھوڑی دیر بعد وہ گلوریا کے فلیٹ کی گھنٹی بجا رہا تھا۔ دروازہ کھلا اور گلوریا چونک کر
ہٹ گئی۔

"آپ...... آپ...... کیوں؟"

"کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"مگر اس وقت یہاں گھر میں مہمان......!"

"آپ مطمئن رہئے...... آپ کا مہمان محفوظ رہے گا۔"

وہ دروازہ بند کر کے واپس لوٹ گئی۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خاص انتظام کر کے انور کو بلائے گی۔ انور نے دھکا دے کر دروازہ کھول دیا لیکن سامنے پڑتے ہی وہ ٹھٹک گیا۔ ایک معمر آدمی صوفے سے اٹھ رہا تھا۔ انور اسے اچھی طرح جانتا تھا
سر صغیر احمد تھا۔

سر صغیر اپنے سر پر فلیٹ ہیٹ جماتا اور کچھ بڑبڑاتا ہوا اس کے قریب سے گذر گیا۔

گلوریا انور کو بُری طرح گھور رہی تھی۔

"میں اس بدتمیزی کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اور مجھے آپ کا یہ جملہ بڑا عجیب لگ رہا ہے۔"

"تم آخر ہو کون......؟" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"آپ تو اس طرح کہہ رہی ہیں جیسے میں زبردستی یہاں گھس آیا ہوں۔" انور نے مس
کہا اور اپنا ملاقاتی کارڈ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"انور سعید......!" وہ اچھل پڑی۔ "مگر...... مگر......!"

"میں آپ کی درخواست پر یہاں آیا ہوں۔"

"اوہ...... معاف کیجئے گا۔ آپ نے پہلے ہی کیوں نہیں بتا دیا تھا۔"

"آپ نے پوچھا ہی کب تھا......؟"

"اچھا تو بیٹھئے۔ میں ایک بار پھر معافی چاہتی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" انور بیٹھتا ہوا بولا۔

"میں آپ کی مدد چاہتی ہوں۔"

"کس معاملے میں۔"

"پولیس نے نکولس کو پکڑ لیا ہے۔"

"نکولس...... کون نکولس......!"

"پروفیسر تیموری کا دوست......!"

"لیکن اس سے آپ کا کیا تعلق......؟"

"میری اور اس کی شادی ہونے والی تھی۔"

"اور وہ کل رات کو یہاں آیا تھا۔" انور نے پوچھا۔

"ہاں......!"

"تو وہ پروفیسر کے ساتھ ہی کیوں نہیں چلا آیا تھا۔"

"وہ نہیں چاہتا تھا کہ پروفیسر کو علم ہو۔"

"کیوں......؟"

"اب میں کیا بتاؤں۔" وہ بے بسی سے انور کو دیکھنے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔ "آپ نے میری تصویر پروفیسر کے کمرے میں دیکھی تھی۔"

"ہاں تو پھر......!"

"یہ سب میں نے نکولس ہی کے لئے کیا تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو نکولس کے کاروبار کے لئے روپیہ کہاں سے فراہم ہوتا۔ اسے بھی پتھروں کا خبط ہے اور اس نے بھی اپنی زندگی پتھروں کے لئے وقف کر دی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور جانتا ہی نہیں۔ میں نے پروفیسر تیموری سے قرض دلوایا تھا اور اسی سے وہ کاروبار کر رہا تھا۔ پروفیسر اس کا گاہک بھی تھا۔"

"کیا پروفیسر کو تم دونوں کے تعلقات کا علم تھا۔"

"ہاں......!"

"اور یہ سر صغیر احمد۔"

"یہ بھی نکولس کے گاہکوں میں سے ہے۔"

"لیکن تمہارا اس سے کیا تعلق۔"

گلوریا خاموش ہوگئی۔ انور اُسے گھور رہا تھا۔

"کچھ بھی نہیں...... کچھ بھی نہیں۔"

"اچھا سیاہ پکھراج کے بارے میں تم کیا جانتی ہو۔"

گلوریا بے اختیار چونک پڑی۔ اُس کے چہرے کی رنگت اڑنے لگی تھی لیکن ا
ہی اپنی حالت پر قابو پالیا۔

"سیاہ پکھراج...... کیسا سیاہ پکھراج...... میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"پھر میں تمہاری کوئی مدد نہ کرسکوں گا۔"

"مسٹر انور...... نکولس کو اس مصیبت سے نجات دلائیے۔ میں آپ سے التجا کر

"تو پھر میں جو کچھ پوچھتا ہوں تم بتاتی کیوں نہیں۔"

"جو کچھ میں جانتی تھی میں نے بتا دیا۔"

"تم نے کچھ نہیں بتایا۔ لیکن تم ایک دن سب کچھ بتانے پر تیار ہو جاؤ گی۔"

گلوریا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"کیا تم پروفیسر والی دعوت میں شریک تھیں۔"

"نہیں...... لیکن نکولس وہاں موجود تھا۔"

"سر صغیر اور پروفیسر کے تعلقات کیسے تھے؟"

گلوریا ایک بار پھر خاموش ہوگئی لیکن اُسے بولنا ہی پڑا' اور وہ کافی دیر تک ب
رہی۔ لیکن انور کے لئے وہ سب بے سود تھیں۔ اس کی دانست میں وہ اس سے کچھ
کوشش کر رہی تھی۔

وہ لڑکی

سات بجتے بجتے انور پھر سونا گھاٹ پہنچ گیا۔ تیمور منزل میں ابھی دو پولیس کانسٹیبل

تھے۔ آصف وغیرہ جا چکے تھی۔ کانسٹیبل دوپہر کو انور اور آصف کو ایک ساتھ دیکھ چکے تھے اس لئے انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ انور سیدھا سیکریٹری کے کمرے میں چلا گیا جو اس وقت بھی بند تھا۔ البتہ کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں جن سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

انور نے دستک دی اور دروازہ کھل گیا۔ سیکریٹری اُسے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت جھانک رہی تھی۔

"میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے فرصت نہیں۔"

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہاری خالہ......!"

"آپ جاسکتے ہیں۔" وہ بگڑ کر بولا۔ "مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کا تعلق پولیس سے نہیں ہے۔"

انور ہنسنے لگا...... اور سیکریٹری نے دروازہ بند کردیا۔ انور تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کھڑکی کے قریب جا کر بولا۔ "سیکریٹری صاحب آپ خواہ مخواہ ناراض ہوگئے...... مجھے رابعہ صغیر نے بھیجا ہے۔"

دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھل گیا اور سیکریٹری باہر نکل آیا۔

"کس نے بھیجا ہے تمہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"تمہاری خالہ رابعہ صغیر نے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

سیکریٹری دیوار سے ٹک کر کھڑا ہوگیا۔ انور نے محسوس کیا کہ وہ بغیر سہارے کے نہیں کھڑا ہوسکتا۔

"اندر چلو......!" انور اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے بولا۔

"سیکریٹری بالکل بے بس نظر آ رہا تھا۔"

"پولیس کو ابھی اس کی اطلاع نہیں کہ تم نے پروفیسر کی اجازت کے بغیر کل رات کو گھر چھوڑا تھا۔"

"تو کیا......!" وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "رابعہ نے سب کچھ بتا دیا۔"

"تم نے پولیس سے یہ بات کیوں چھپائی تھی کہ دعوت والی رات کو سیاہ پکھراج گم ہوگیا

تھا اور پروفیسر کی موت کے بعد پھر مل گیا۔"

"اگر رابعہ نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے تو اب مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"رابعہ نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا لیکن اب تمہیں سب کچھ بتانا پڑے گا۔"

سیکریٹری کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"لیکن اتنا یاد رکھو کہ تم جھوٹ بول کر کامیاب نہیں ہو سکتے۔" انور پھر بولا۔

"میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔" سیکریٹری گلوگیر آواز میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں آ
رہے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ پروفیسر کو کس نے قتل کیا لیکن یہ جانتا ہوں کہ پتھر کس نے چرا
تم کسی طرح سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرو کہ پروفیسر کا قاتل میں ہی ہوں۔ پتھر کو
اندھیرے ہی میں رہنے دو۔ میں نہیں چاہتا کہ رابعہ کا نام منظر عام پر آئے۔ اس سے بہتر
لئے پھانسی ہوگی۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں پہلے ہی سے یہ ساری اسکیم معلوم تھی۔"

"نہیں...... بلکہ میں بعد میں ان نتائج پر پہنچا ہوں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں واپس آنے کے بعد تمہیں اس بات کا احساس
تمہیں کسی خاص مقصد کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔"

"نہیں...... نہیں...... میں اس کے متعلق کچھ نہیں سوچنا چاہتا۔ کچھ نہیں سمجھنا چاہتا
اس کا اعتراف ہے کہ میں نے پروفیسر سے چھٹی نہیں لی تھی۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ را
واپس نہیں آسکتے۔"

"تو نشاط نگر جانے سے پہلے تمہیں اس کی اطلاع نہیں تھی کہ تم نشاط نگر جاؤ گے۔"

"مسٹر انور آپ یہ سب مت پوچھئے۔ کسی طرح یہ ثابت کر کے مجھے پھانسی کے تخ
پہنچا دیجئے کہ میں ہی پروفیسر کا قاتل ہوں۔"

"کیوں؟ تم زندگی سے بیزار کیوں ہو گئے ہو؟"

"میں یہ سوچنے سے پہلے مرجانا چاہتا ہوں کہ جس پر مجھے اعتماد تھا اس نے مجھے فریب

"تمہارا اشارہ رابعہ کی طرف ہے۔"

سیکریٹری نے خاموش ہو کر گردن جھکا لی اور انور سوچنے لگا کہ اسے اداکاری سمجھے یا
حقیقت۔ کیا وہ سچ مچ راست بازی سے کام لے رہا تھا یا رابعہ کو پھنسا کر خود الگ ہو جانے کی
کوشش کر رہا تھا۔

"تم نے آخر پتھر کی چوری اور بازیافت کے متعلق پولیس کو کیوں نہیں بتایا۔"

"مسٹر انور وہ پروفیسر کی زندگی ہی میں چرایا گیا تھا؟ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کتنا
بیش قیمت ہو سکتا ہے۔ پھر یہ بتائیے کہ خود پروفیسر ہی نے اس کی اطلاع پولیس کو کیوں نہیں
دی۔"

انور چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا

"ظاہر ہے کہ وہ اس کی اطلاع پولیس کو نہیں دینا چاہتے تھے۔" سیکریٹری پھر بولا۔

"لیکن وہ پتھر اسے ملا کہاں سے تھا۔" انور نے پوچھا۔

"مجھے اس کی اطلاع نہیں اور نہ میں یہی بتا سکتا ہوں کہ وہ ان کے پاس کب سے تھا۔"

"دعوت میں رابعہ بھی شریک تھی۔"

"ہاں...... وہ بھی تھی۔" سیکریٹری نے مضمحل آواز میں کہا۔

"اور دوسری صبح کو پکھراج شوکیس میں نہیں تھا۔" انور نے کہا۔

"ہاں......!"

"اُسے رات ہی کو تجوری میں کیوں نہیں رکھ دیا گیا تھا؟"

"اب اس کے متعلق میں کیا بتا سکتا ہوں۔ میں نے پروفیسر سے کہا بھی تھا لیکن انہوں
نے کہا کہ نہیں اُسے شوکیس ہی میں رہنے دیا جائے۔"

"رابعہ کس وقت تک تمہارے ساتھ نشاط نگر میں رہی۔"

"تین بجے تک ...... بلکہ وہ وہیں رہ گئی اور میں واپس چلا آیا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں
پروفیسر صبح ہی صبح واپس نہ آجائے۔"

"تم اسے بہت چاہتے ہو۔"

سیکریٹری خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں جھک گئی تھیں۔

"نشاط نگر میں تم کہاں رہے۔" انور نے پوچھا۔

"درحقیقت میری ایک خالہ نشاط نگر میں رہتی ہے لیکن میں نے وہاں رات نہیں گذاری تھی"

"پھر......!"

"رابعہ کے گھر پر......!"

"کیا نشاط نگر میں اس کا کوئی گھر ہے۔"

"جی ہاں...... اکثر وہ لوگ تبدیل آب و ہوا کے لئے وہاں جاتے ہیں۔ ویسے وہ
خالی ہی رہتا ہے۔"

"کیا اس سے پہلے بھی تم لوگ اس قسم کی راتیں گذار چکے ہو۔" انور نے پوچھا۔

"کبھی نہیں اور مجھے اس پر حیرت ہے کہ رابعہ جیسی ڈرپوک لڑکی اس پر کیسے تیار ہوگئی تھی"

"تو کیا خودتم ہی نے اس سے اس کے لئے کہا تھا۔"

"قطعی نہیں...... یہ تجویز اسی نے پیش کی تھی کہ ہم نشاط نگر میں رات گذاریں۔ حالانکہ ا
سے قبل وہ کبھی میرے ساتھ سینما تک نہیں گئی تھی۔ ایسی باتوں پر عموماً خوف ظاہر کیا کرتی تھی"

"لیکن نشاط نگر کیوں اتنی آزادی سے چلی گئی۔"

"اس نے کہا تھا کہ سر صغیر رات کو گھر پر نہیں رہیں گے۔"

"اوہ......!" انور اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔ "یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہ ا
پروفیسر دونوں بیک وقت رات کو گھر سے باہر رہنے کا ارادہ رکھتے تھے۔"

"تو کیا...... تو کیا......!"

"نہیں......!" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کسی قسم کا خیال ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔
قطعی یہ مقصد نہیں ہے کہ سر صغیر نے تمہارے ذریعہ پروفیسر کو قتل کرا دیا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں وا
اس کا علم نہ ہو۔ میں سر صغیر کی طرف سے بہت زیادہ مشکوک ہوں اور پولیس کو بھی اسی راستے
لگانے کی کوشش کروں گا۔"

"نہیں مسٹر انور...... نہیں خدا کے لئے ...... اس طرح رابعہ کی بھی بدنامی ہوگی اور م
اسے کسی طرح برداشت نہیں کرسکتا۔ میں پولیس کے سامنے اعتراف جرم کئے لیتا ہوں اگر آ

اس قسم کا کوئی قدم اٹھایا تو میں خود کو قانون کے حوالے کردوں گا اور میرا خون ناحق آپ کی
گردن پر ہوگا۔"

"واہ رے میرے شیر......!" انور ہنس کر بولا۔ "تم نے تو فرہاد کی بھی قبر پر لات ماردی۔
اس صدی میں، میں نے ایسا عشق نہیں سنا۔"

"مسٹر انور آپ جاسکتے ہیں۔" سیکریٹری اسے گھورتا ہوا بولا۔

"ظاہر ہے کہ میں یہاں رات نہیں بسر کروں گا۔" انور مسکرا کر بولا۔

"مجھے آپ سے ہمدردی کی توقع ہے۔"

"ہمدردی کی توقع اُسی وقت رکھ سکتے ہو جب سب کچھ صحیح صحیح بتادو۔"

"اور کیا میں ابھی تک جھک مار رہا تھا۔" سیکریٹری نے بگڑ کر کہا۔

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔"

"مسٹر انور......!"

"گرم ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "بعض اوقات میں لوگوں کو مصلحتاً غصہ
دلاتا ہوں۔"

سونا گھاٹ سے واپسی پر انور کے ذہن میں عجیب قسم کا انتشار برپا تھا اور اس انتشار میں
تصویریں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ رابعہ، گلوریا، نکولس، سیکریٹری سر صغیر احمد۔ وہ الجھتا
اور پھر شہر پہنچ کر اس نے اپنی موٹر سائیکل سر صغیر احمد کی کوٹھی کی طرف موڑ دی۔ کوٹھی کے قریب
سر صغیر دکھائی دیا جو اپنی کار پر کہیں جا رہا تھا۔ انور نے موٹر سائیکل کی رفتار دھیمی کردی اور
اسے یقین ہوگیا کہ صغیر کی کار کافی دور نکل گئی ہوگی تو اس نے اپنی موٹر سائیکل کوٹھی کے
سامنے کھڑی کردی اور خود اندر چلا گیا۔

"کس سے ملنا ہے آپ کو......!" ایک نوکر نے آگے بڑھ کر کہا۔ "صاحب ابھی باہر
گئے ہیں۔"

"مس رابعہ......!" انور نے اپنا ملاقاتی کارڈ نوکر کو دیتے ہوئے کہا۔

نوکر چلا گیا اور انور برآمدے میں انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد نوکر واپس آیا۔

"مس صاحبہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ان سے کہہ دو بہت ضروری کام ہے۔" انور نے کہا اور پھر بلند آواز میں بولا۔ "وہ

"مسٹر انور......!" دروازے سے آواز آئی۔ "اندر آجائیے۔"

رابعہ سامنے کھڑی تھی۔ وہ خوفزدہ نظر آرہی تھی۔

انور اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر تک دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

"کنجیاں واپس کر دیجئے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"کیسی کنجیاں؟"

"میں آپ سے التجا کرتی ہوں۔" وہ روتی آواز میں بولی۔ "آپ جتنا روپیہ طلب
گے میں آپ کو دے سکتی ہوں۔"

"بھلا ایک ایسے آدمی کو روپوں پیسوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے جو پھانسی پر چڑھنے جار

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"پولیس کو وہاں میری موجودگی کا علم ہو گیا ہے اور وہ وقت دور نہیں جب پروفیسر
الزام بھی میرے ہی سر تھوپ دیا جائے گا۔"

"اوہ...... میرے خدا میں کیا کروں۔" رابعہ سر پکڑ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کچھ نہیں...... میری پھانسی کی خبر اخبارات میں پڑھ لیجئے گا۔"

"نہیں...... نہیں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ چلے۔

"تو پھر یہ بتائیے کہ پروفیسر کا قاتل کون ہے۔"

"میں...... میں کیا جانوں...... میں۔"

"کیا سر صغیر کو آپ کے اور پروفیسر کے سیکریٹری کی دوستی کے متعلق معلوم ہے۔"

"جی......!" وہ اچھل کر بولی۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ کیا انہیں یہ معلوم تھا کہ آپ سیکریٹری کے ساتھ نشاط نگر میں
بسر کریں گی۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں سیکریٹری کو نہیں جانتی۔"

"تو پھر آپ نے اس کی کار چرائی ہو گی کیونکہ آپ اُسی کی کار پر مجھ سے ملنے گئی تھیں۔"

"جی......!" رابعہ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"جی ہاں...... میرے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں ہے اور کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ وجے
کمار کو آپ کب سے جانتی ہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔" وہ بے اختیار رو پڑی۔ "خدا کے لئے کنجیاں واپس کر دیجئے اور اپنا
حق المحنت بتائیے۔"

"کیا اب میں حق المحنت اپنی قبر میں لے جاؤں گا۔"

"پھر میں کیا کروں۔"

"سب کچھ سچ سچ بتا دیجئے۔"

"میں اس شخص کا نام نہیں بتاؤں گی۔"

"کیا قاتل کا......؟"

"نہیں نہیں...... اس کا جس نے مجھے پکھراج واپس کرنے کے لئے دیا تھا۔ لیکن وہ قاتل
نہیں ہے۔ ہرگز نہیں۔"

"اچھا تو پھر میں ہی قاتل ہوں...... چڑھ جاؤں گا پھانسی پر۔"

"نہیں...... نہیں۔" وہ بے تابانہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"آپ کی یہ پریشانی مجھے پھانسی سے نہیں بچا سکتی۔"

"میں کیا کروں......!" وہ پھر بیٹھ گئی۔

"سیکریٹری سچ مچ اس سازش میں شریک تھا یا آپ نے اُسے دھوکا دیا تھا۔"

"نہیں...... نہیں میں کچھ نہیں جانتی۔"

"آپ بہت کچھ جانتی ہیں۔"

وہ پھر رو پڑی۔

"دیکھئے یہ سب بیکار ہے۔ آپ کے آنسو بھی مجھے پھانسی سے نہیں بچا سکتے۔"

"مسٹر انور...... خدا کے لئے۔"

"میں مجبور ہوں۔"

"میں جانتی ہوں کہ آپ کا بال بھی بیکا نہیں ہوسکتا۔"

"یہ آپ کا خیال ہے۔"

"آپ بتائیے کہ میں آپ کو کتنا روپیہ دوں؟"

"روپیہ میں آپ سے نہیں لوں گا۔"

"پھر......!"

"میں نہیں بتا سکتا۔ لیجئے یہ کنجیاں سنبھالئے۔" انور کنجیاں اس کی گود میں پھینک کر کھڑا ہوگیا اور پھر جانے کے لئے مڑا۔

"مسٹر انور......!"

"فرمائیے۔"

"خدا کے لئے......سنئے تو......ایک منٹ ٹھہر جائیے......صرف ایک منٹ سنئے تو۔"

وہ پکارتی ہی رہ گئی۔ انور کے قدموں کی آہٹیں دور ہوتی جا رہی تھیں۔

"مے پول ہوٹل میں ایک مسافر وجے کمار۔" آصف نے کہا۔ انور نے بہت ضبط سے
ام لیا تھا۔ اگر وہ اس وقت بہت زیادہ محتاط نہ ہوتا تو یقیناً اچھل پڑتا۔

"اچھا......!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"وہ مدراس کا ایک مشہور بدمعاش تھا اور کئی بار کا سزایافتہ بھی۔"

"مدراس کا......!" انور نے کہا۔ "وہی تو نہیں جو کسی جوہری کے یہاں ڈاکہ ڈالنے کے
لے میں ماخوذ ہوا تھا۔"

"وہی......وہی......لیکن میں تمہاری یادداشت کی داد دیتا ہوں۔"

"تو وہ کن حالات میں قتل ہوا......؟"

"ہوٹل والوں کا بیان ہے کہ شام کو جب وہ نشے میں بُری طرح دھت تھا ایک آدمی اسے
ل تک پہنچانے کے لئے آیا تھا۔ پھر ویٹروں نے اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔ تقریباً
ٹھ بجے ایک ویٹر اس کا کھانا لے کر اس کے کمرے میں گیا اور وہاں سے الٹے پیر واپس آیا۔
ل نے وہاں اس کی لاش دیکھی تھی ایک خنجر اس کے سینے میں پیوست تھا۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ
ے نشے ہی کی حالت میں قتل کیا گیا تھا۔"

"اس آدمی کا پتہ لگا جو اُسے ہوٹل تک پہنچانے آیا تھا......؟" انور نے پوچھا۔

"پتہ نہ لگتا تو اچھا تھا......!" آصف بولا۔

"کیوں......؟"

اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا......!"

"یعنی......!"

"سر صغیر احمد نے اسے ہوٹل پہنچایا تھا۔"

"اوہ......تو کیا وہ سر صغیر کا دوست تھا۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں......وہ اسے ایک جگہ نشے میں پڑا ہوا ملا تھا۔"

"لیکن سر صغیر کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ مے پول ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔"

"انہوں نے اس سے پہلے بھی اسے ہوٹل میں دیکھا تھا اس لئے وہ اسے ہوٹل لے آئے

کہ شاید اسے کوئی پہچانتا ہو۔ وہاں پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ وہ وہیں ٹھہرا ہوا ہے۔"

"اور تم نے اس پر یقین کرلیا۔"

"کیوں یقین کیوں نہ کرتا۔" آصف جھنّا کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔" انور نے کہا اور موٹر سائیکل اسٹارٹ کردی۔

گھر پہنچ کر اسے رشیدہ کو سارے واقعات کی مکمل رپورٹ دینی پڑی۔

"اب آرہے ہیں دانتوں پسینے۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "پہلے ہی منع کیا تھا۔"

"تو کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ہمت ہار گیا۔"

"نہیں تم ٹھہرے تیس اور تیس ساٹھ مار خاں۔"

"ہشت...... فضول بکواس نہیں۔ سنو کل تمہیں قدیر کے دفتر میں جا کر پوسٹ مارٹم پچھلے دو تین سال کے شمارے دیکھنے ہیں۔ مجھے خیال پڑتا ہے کہ کبھی وہ پروفیسر تیموری اور سر احمد کے پیچھے پڑ گیا تھا ممکن ہے کہ کوئی کام کی بات ہاتھ لگ جائے۔"

"فضول اور بے کار۔" رشیدہ اکتا کر بولی۔ "تم ہمیشہ نکمی باتیں سوچتے ہو۔ خواہ مخواہ سری مول لینے سے کیا فائدہ۔"

"بہتر ہے میں یہ کام خود ہی انجام دے لوں گا۔" انور بگڑ کر بولا۔ "تم سمجھتی ہو کہ تمہارے بغیر میں اپاہج ہو جاؤں گا۔"

"اچھا بابا اچھا۔ بگڑنے کی ضرورت نہیں۔ میں ضرور جھک ماروں گی۔"

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو......!" انور نے ریسیور اٹھالیا۔

"اوہ انور......!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں ہوں قدیر۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں سب کچھ بتا دوں۔ یہ معاملہ سنگین ہے ممکن ہے کسی قانونی شکنجے میں پھنس جاؤں۔"

"تم مجھے کیا بتاؤ گے۔" انور نے پوچھا۔

"یہی کہ پروفیسر کا سیکریٹری کل رات کو کہاں اور کس کے ساتھ تھا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" انور مسکرایا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

"تم کچھ نہیں جانتے۔" دوسری طرف سے قہقہے کی آواز آئی۔

"میں پوچھتا ہوں کہ تم کس طرح ان کے پیچھے لگ گئے تھے۔"

دوسری طرف سے پھر قہقہہ سنائی دیا۔ "دیکھو انور تم میرے احسان سے کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ اس قسم کی گفتگو کرنے کے بعد اور مجھ سے معلومات حاصل کر کے تم کہو گے کہ مجھے اس کا پہلے سے علم تھا۔"

"یہ بات نہیں پیارے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں رابعہ اور سیکریٹری کے عشق کے متعلق ایک مثنوی لکھ رہا ہوں اور اس کے جملہ حقوق تمہارے نام محفوظ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"اوہ تو تمہیں سچ مچ معلوم ہے۔" قدیر جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے ان کا تعاقب کیوں کیا تھا۔"

"اب اسے پوچھ کر کیا کرو گے؟ اسی کی روٹیاں کھاتا ہوں۔ اگر پروفیسر کا قتل نہ ہو جاتا تو ہتہ ایک معقول رقم ہاتھ آنے کی امید تھی۔ سر صغیر کبھی یہ نہ چاہتا کہ اس کی لڑکی بدنام ہو جائے۔"

"سر صغیر......" انور طنزیہ انداز میں بولا۔ "اسے شاید یہ نہیں معلوم کہ وقت اس کے لئے پھانسی کا پھندا تیار کر رہا ہے۔"

"کیوں...... کیا...... وہ یعنی وہ......!"

"ہاں مجھے اس پر شبہ ہے اور بہت جلد پولیس بھی میرے ہی راستے پر آجائے گی۔"

"نہیں بھئی...... تم آخر اس پر کیوں شبہ کر رہے ہو۔ اگر نکلس ہی ہوا تو؟"

"لیکن اسے اپنے ہی تک محدود رکھنا کہ میں اس پر شبہ کر رہا ہوں۔"

"ارے یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ممکن ہے کل میں رشیدہ کو کسی کام سے تمہارے پاس بھیجوں۔"

"ضرور...... ضرور...... بڑی خوشی سے۔"

"اچھا شب بخیر......!" انور نے ریسیور رکھ دیا اور رشیدہ کی طرف مڑ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

"وجے کمار وہی تھا۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کون......!"

"جس نے مدراسی جوہری کے یہاں ڈاکہ ڈالا تھا اور انتہائی کوششوں کے باوجود پکھراج اس کے پاس سے برآمد نہیں ہوا تھا۔"

"سیاہ پکھراج......!" رشیدہ متحیر ہو کر بولی۔ "آخر تمہارے سر پر سیاہ پکھراج کیوں سوار ہے"

انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کوٹ اتارنے ہی جا رہا تھا کہ رشیدہ پھر بولی۔

"کیا کھانا کھانے کا ارادہ نہیں۔"

"نہیں......!" انور نے کہا اور کپڑے اتارنے لگا۔ "میں نے تم سے سو بار کہا کھانے کے لئے میرا انتظار نہ کیا کرو۔"

"بہتر ہے۔" رشیدہ جھلا کر بولی اور کمرے سے چلی گئی۔

دوسرے دن صبح ہی صبح پھر انسپکٹر آصف سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ انور کا ارادہ تھا کہ وہ سب سے پہلے اپنے اخبار کیلئے جاسوسی ناول کی قسط لکھے گا پھر کسی دوسرے کام میں ہاتھ لگائے گا۔ لیکن اٹھنے کے بعد اسے آصف کا منہ دیکھنا پڑا۔ جو خلاف معمول بہت زیادہ بارونق معلوم ہو رہا تھا

"دیکھا تم نے......؟" وہ چہک کر بولا۔ "اس بار تم پھسڈی ہو گئے۔"

"کیوں......؟"

"قاتل پکڑ لیا گیا۔"

"یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ جھگڑا قتل ہی پر ختم ہوتا۔" انور نے کہا اور آصف ہنسنے لگا۔

"خیر......کیا یہ ثبوت بھی ناکافی ہے کہ وہ ہتھوڑا جس سے پروفیسر قتل کیا گیا نکولس ہی کا تھا۔"

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"نکولس کے ایک دوست ریٹائرڈ حوالدار میجر شمشیر سنگھ نے اسے شناخت کیا ہے۔"

"اوہ......وہ پگلا حوالدار میجر......!" انور قہقہہ لگا کر بولا۔ "یقیناً اپنی عقل کے بجائے تم خود کہیں چرنے گئے تھے۔"

"کیوں......؟"

"بھلا اس پاگل کی شہادت کس عدالت میں پیش کرو گے۔"

آصف نے پھر ایک زوردار قہقہہ لگایا اور انور اسے گھورنے لگا۔

"خیر......خیر......تم بہت زیادہ عقل مند نہیں ہو۔ خود نکولس نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ ہتھوڑا اسی کا ہے۔" آصف مسکرا کر بولا۔

"نکولس نے......!"

"ہاں ہاں نکولس نے اور اس سے یہ بھی اگلوا لیا جائے گا کہ وہ پروفیسر کا قاتل ہے۔"

"اچھا تو کیا اسے اس سے انکار ہے۔"

"ہاں......وہ اس کا اعتراف تو کرتا ہے کہ ہتھوڑا اسی کا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ وہ پروفیسر کے گھر میں پہنچا کیسے۔"

اس بار انور نے ایک چھت شگاف قہقہہ لگایا اور آصف کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"آصف میاں تم ابھی بوڑھے ہو۔ اگر وہ سچ مچ پروفیسر کا قاتل ہوتا تو کبھی اس بات کا اعتراف نہ کرتا کہ وہ اسی کا ہتھوڑا ہے۔"

"مگر حوالدار میجر......!"

"وہ مخبوط الحواس ہے۔ اس لئے اس کی شہادت قانون کی نگاہ میں بے مصرف ہے۔"

"خیر میں تمہیں دکھا دوں گا۔" آصف جھلا کر بولا۔

"مگر مفت دکھانا کیونکہ میں تمہارا بہت پرانا دوست ہوں۔"

آصف نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور انور کو گھورے جا رہا تھا۔

''خیر ہٹاؤ......!'' انور تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''پروفیسر کے کسی وارث کا پتہ چلا۔''

''ہاں اس کا ایک بھائی سرحدی علاقے میں سمور کی تجارت کرتا ہے۔ پروفیسر کے قانونی مشیر نے اسے اطلاع دی تھی۔ اس پر اس نے اسے بذریعہ تار ہدایت کی کہ پروفیسر کا سارا اثاثہ بیچ ڈالا جائے اور دوسری دلچسپ بات یہ کہ ایک آدمی پروفیسر کی خواب گاہ کا سارا سامان خریدنے پر مجبور ہو گیا ہے۔''

''صرف خواب گاہ کا سامان۔'' انور چونک کر بولا۔ ''وہ آدمی کون ہے؟''

''اس نے مسٹر داس سے فون پر بات چیت کی تھی۔ غالباً وہ کسی بنک کے ذریعہ یہ سودا کرے گا۔''

''اس نے اپنا نام بتایا ہی ہو گا۔'' انور نے کہا۔

''ہاں...... جے پی سنگھ......!''

''لیکن کس بنک کے ذریعہ۔''

''ابھی یہ کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔''

انور نے نوٹ بک اٹھا کر اس میں آصف کا بتایا ہوا نام لکھ لیا۔ اسکے ذہن میں تجوری رہی تھی جس میں سیاہ پکھراج رکھا جاتا تھا اور وہ تجوری پروفیسر کی خواب گاہ میں رکھی ہوئی تھی

''یہ بتاؤ کہ وہ صرف خواب گاہ ہی کا سامان کیوں خریدنا چاہتا ہے۔'' انور نے پوچھا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔'' آصف نے کہا۔

''کیا وہ تجوری خواب گاہ ہی میں نہیں ہے جس میں وہ سیاہ پکھراج رکھا ہوا ہے۔''

''اگر یہی بات ہے تو اُس احمق خریدار کو بعد میں بڑی مایوسی ہو گی۔'' آصف ہنس کر بولا۔

''کیوں......؟''

''سیکریٹری نے اس پتھر کو بنک میں رکھوا دیا ہے۔''

''اچھا! کس بنک میں؟''

''نیشنل بنک......!''

''اوہ......!'' انور اچھل کر بولا۔ ''اور سر صغیر اس بنک کا ڈائریکٹر ہے۔''

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔''

''میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ سر صغیر ہی پروفیسر کا قاتل ہے۔''

''یقیناً تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' آصف منہ بنا کر بولا۔

''خیر دیکھا جائے گا۔''

''آخر تم سر صغیر کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔'' آصف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''اور میں بھی محسوس کر رہا ہوں کہ تم کسی سیاہ پتھر کا تذکرہ بار بار کرتے رہے ہو۔''

''صرف یہی نہیں۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''میں یہ بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ وجے کمار کا قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔''

''شاباش......!'' آصف نے قہقہہ لگایا۔ ''بس بس اب صرف افیون کی ایک گولی اور پاؤ بھر دودھ کی اور ضرورت پڑے گی۔ اس کے بعد تم اپنے استاد کے بھی کان کاٹ لو گے۔''

انور نے کوئی جواب دینے کے بجائے تولیہ کاندھے پر ڈالا اور غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ آصف تھوڑی دیر تک بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر وہ بھی اٹھ کر چلا گیا۔

ناشتہ کرتے وقت انور رشیدہ سے کہہ رہا تھا۔

''آج تم آفس نہیں جاؤ گی تمہیں روزنامہ ''پوسٹ مارٹم'' کے پرانے فائل الٹنے ہیں اور ایک اور نئی دریافت...... تم یہاں کے سارے بنکوں میں گھوم پھر کر یہ پتہ لگاؤ کہ کسی نے جے پی سنگھ کے نام سے اس دوران میں کوئی رقم تو نہیں جمع کرائی اور جمع کروائی ہے تو کس نے۔''

''فائل تو میں دیکھ لوں گی مگر یہ دوسرا کام میرے بس کا نہیں۔ کہاں کہاں کی خاک چھانتی پھروں گی۔''

''قدیر کو ساتھ لے لینا۔ میں اس سے فون پر کہہ دوں گا۔''

''بھئی...... یہ قدیر......!'' رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ ''بہت بور ہے...... خواہ مخواہ بھیجا چاٹ ڈالتا ہے۔''

"بہر حال آج تو تمہیں اُسے برداشت کرنا ہی پڑے گا۔"

"لیکن یہ جے بی سنگھ کون ہے اور کہاں سے ٹپک پڑا" رشیدہ نے پوچھا اور انور نے واقعہ دہرادیا۔

"جب نکو اس نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ہتھوڑا اسی کا ہے تو پھر اب خواہ مخواہ بھاگ دوڑ کی ضرورت ہے۔" رشیدہ بولی۔

"یہ ایک اچھا خاصا معمہ ہے۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "اور اب گلوریا کو بلانا پڑے گا۔ وہ کوئی اہم بات جانتی ہے جسے چھپانے کی کوشش کررہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پروفیسر کا قاتل نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ کبھی اسے اپنا ہتھوڑا نہ تسلیم کرتا۔"

جنگ اور خاتمہ

دوسری صبح انور کو حد درجہ خوش گوار معلوم ہورہی تھی۔ اس کی پچھلی تازگی دوبارہ لوٹ آئی اور اس کے چہرے پر فکر کے بادل نہیں تھے۔ پچھلی رات کو رشیدہ اس کا انتظار کرتے کرتے تھی اور وہ تقریباً دو بجے رات کو چوروں کیطرح اپنے کمرے میں داخل ہوکر چپ چاپ سوگیا۔

صبح چھ بجے آنکھ کھل جانے کے باوجود بھی وہ ابھی تک بستر میں پڑا انگڑائیاں لے رہا ذہن اور جسم دونوں تھکے ہوئے معلوم ہورہے تھے۔ اس کے باوجود بھی وہ صبح اس کے لئے حد خوشگوار تھی۔

"بیٹے آصف......!" وہ خود بخود بڑبڑایا۔ "اس بار تمہیں مرغا بنا کر چھوڑوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ انور نے بُرا سا منہ بنایا اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ رشیدہ طوفان کی طرح اندر داخل ہوئی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں چونک کر انور کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر کچھ اور قریب آکر اس طرح نتھنے سکوڑے جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کررہی ہو۔

"اوہ......!" انور بھی اسی انداز میں بولا۔

"تم تو کبھی کوئی خوشبو نہیں استعمال کرتے تھے۔" رشیدہ منہ سکوڑ کر بولی۔

"میں اب بھی کوئی خوشبو نہیں استعمال کرتا۔"

"تو پھر یہ تمہارے پاس سے ایوننگ ان پیرس کی بھینی بھینی خوشبو کیسے آرہی ہے۔"

انور نے اب غور کیا کہ وہ پچھلی رات کی پتلون اور قمیض ہی پہنے ہوئے سوگیا تھا۔

"اور یہ تمہارے کاندھے پر سرخ دھبہ کیسا......!" رشیدہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔ "اوہ......اوہ......یہ تو......لپ اسٹک کا دھبہ ہے۔"

"ارے......یہ......ہاں ہے تو۔ لیکن یہ لپ اسٹک کے دھبے کا میرے پاس کیا کام۔"

"اب مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔"

"بھلا میں تمہیں بیوقوف کیوں بنانے لگا۔"

"کل رات کو تم کہاں تھے۔" رشیدہ گرج کر بولی۔

"اخاہ......اب تم نے بھی انسپکٹر آصف کی طرح اس قسم کے سوالات کرنے شروع کردیئے۔"

"میں پوچھتی ہوں تم کہاں تھے؟"

"میں بتاتا ہوں کہ نہیں بتاؤں گا۔" انور جھلا کر بولا۔ "میں نے تم سے کبھی اس قسم کے سوالات نہیں کیئے۔"

"میں تمہاری طرح آوارہ تو نہیں کہ تمہیں اس کا موقع ملتا۔"

"اچھا بس بس......!" انور بگڑ کر بولا۔ "تم ہمیشہ یہ بھول جاتی ہو کہ ہم دونوں صرف دوست ہیں۔"

"میں ہمیشہ یاد رکھتی ہوں......لیکن تم آوارگی نہیں کرسکتے۔"

"آوارگی......تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے کیا۔"

"تو کیا پھر یہ لپ اسٹک کا دھبہ آسمان سے اترا ہے۔"

"چلو چلو......اپنا کام کرو۔"

"تمہیں بتانا پڑے گا کہ وہ کون ہے؟" رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔

"کون......؟"

"میں کہتی ہوں کہ تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔"

''مجھے اس سے انکار کب ہے۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''نہ جانے کیوں وہ اس وقت لڑنا چاہتا تھا۔''

''دیکھو تمہیں بتانا پڑے گا۔''

''اچھا تو سنو! کل رات میں گلوریا سے ملا تھا اور اسے سیدھی راہ پر لانے کے لئے اسے شراب بھی پلانی پڑی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تھوڑی دیر کے بعد نشے میں مجھ پر آ گری۔

رشیدہ کچھ سوچنے لگی لیکن انور پھر بولا۔

''اب تمہارا دماغ صاف ہوا یا نہیں۔''

''گلوریا سے تمہیں کیا معلوم ہوا۔'' رشیدہ نے پوچھا۔

''میں نے اُسے راز رکھنے کی قسم کھالی ہے اس لئے مجبور نہ کرو لیکن اتنا ضرور بتا سکتا کہ یہ دونوں قتل اس پتھر کے سلسلے میں نہیں ہوئے۔''

''پھر......!''

''پہلے تم مجھے اپنے کل کے کاموں کی رپورٹ دو......!''

''وجے کمار کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ مگر ۱۹۵۰ کے فائل میں مجھے ایک دلچسپ نظر آئی تھی۔''

''وہ کیا......!''

''قدیر اس زمانے میں پروفیسر تیموری کے خلاف لکھ رہا تھا۔ تقریباً پندرہ بیس شمارو اس نے اس کے خلاف لکھا ہے اور پھر اچانک لکھنا بند کر دیا اور پھر ایسی صورت میں جبکہ ایک قبل اس نے یہ لکھا تھا کہ وہ دوسرے شمارے میں کچھ اور دلچسپ باتیں لکھنے کی کوشش کر لیکن اس نے دوسرے شمارے میں پروفیسر کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ بلکہ تب سے اب تک نام تک نہیں لیا اور اسی آخری شمارے میں ایک خبر بھی دیکھی جس میں یہ تھا کہ سونا گھا تیموری منزل کے قریب کسی نامعلوم آدمی کی موٹر کے نیچے ایک بڑھیا دب کر مر گئی۔ مجرم کی جاری ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔''

''بہت اچھے......!'' انور چیخ کر بولا۔ ''بھلا وہ کس تاریخ کا شمارہ تھا۔''

''۱۲ جون ۵۰ء کا۔''

''پھر بہت اچھے......رشو تم نے کمال کر دیا۔'' انور نے اسے جھنجھوڑ کر کہا اور رشیدہ حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی، وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''اچھا بنک کا کیا رہا۔''

''سارے بنک دیکھ ڈالے لیکن کچھ پتہ نہیں چلا۔'' رشیدہ نے کہا۔ ''قدیر دن بھر میرے ساتھ مارا مارا پھرا اور اچانک اس کے پیٹ میں بڑا شدید درد اٹھا جس کی بناء پر میں نے اسے واپس کر دیا۔ اس نے کہا کہ اس قسم کی تلاشی بے سود ہے۔''

''کوئی بنک چھوٹا تو نہیں۔''

''چائنا بنک......میرا خیال ہے کہ وہی باقی بچا تھا۔ قدیر نے کہا کہ وہاں جانا فضول ہے کیونکہ وہاں پر زیادہ تر غیر ملکی سرمایہ رہتا ہے لیکن میں اسے واپس کرنے کے بعد وہاں بھی گئی تھی اور اب تم اچھل پڑو کیونکہ وہاں جے بی سنگھ کے نام پانچ ہزار روپے منتقل کیئے گئے ہیں۔''

''کس نے منتقل کیا ہے۔'' انور نے بے تابی سے پوچھا۔

''مسٹر قدیر احمد ایڈیٹر روزنامہ پوسٹ مارٹم......!''

''وہ مارا......!'' انور اچھل کر بولا۔ ''بنایا آصف کو مرغا۔''

''لیکن یہ معاملہ کیا ہے۔''

''بہت بڑا معاملہ رشو۔ یہ تو ایک دلچسپ اتفاق ہے۔ ورنہ میں بدھو بن گیا تھا۔'' انور نے کہا اور فون کی طرف لپکا۔

''ہیلو......!'' وہ ریسیور کان کے قریب لے جا کر رشیدہ کو آنکھ مار کر بولا۔ ''ہیلو......کیا قدیر صاحب ہیں......اوہ......اچھا۔'' وہ ریسیور رکھ کر رشیدہ کی طرف مڑا۔

''میں نے قدیر کے آفس میں فون کیا تھا۔ وہ گھر پر موجود ہے جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ہم لوگ وہیں چائے پئیں گے۔''

''آخر بات کیا ہے؟''

''جاؤ جلدی جاؤ۔'' وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ ''بات پھر بتاؤں گا۔''

رشیدہ چلی گئی اور انور دوسرے کمرے میں جا کر کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ تھوڑی
اس نے میز کی دراز سے ایک پستول نکالا اور اسے چند لمحے دیکھتے رہنے کے بعد پھر دراز
کر دیا اور اب ایک چمکدار چاقو اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔

رشیدہ کپڑے تبدیل کر کے آ گئی تھی۔ انور نے قد آدم آئینے پر الوداعی نظر ڈالی او
کے لئے تیار ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں موٹر سائیکل پر قدیر کے بنگلے کی طرف جا رہے تھے۔ راستے
ٹیلی فون پوسٹ کے قریب انور نے موٹر سائیکل روک دی۔

"کیوں کیا بات ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"آصف کو فون کروں گا۔"

"گھر ہی سے کر لیا ہوتا۔"

"خیال نہیں آیا تھا...... یہ ضروری ہے۔"

فون کرنے کے بعد وہ پھر چل پڑے اور بقیہ راستہ جلد ہی طے ہو گیا۔ وہ پورٹیکو
تھے کہ قدیر باہر نکلا۔ شاید وہ کہیں باہر جانے کے لئے تیار تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک
کیس لٹکا رکھا تھا۔

"ہیلو...... انور...... رشیدہ۔" وہ انہیں دیکھ کر چہکا۔ "ادھر کیسے بھول پڑے۔ آؤ
میں نے اپنا جانا ملتوی کر دیا۔"

"کہیں باہر جا رہے تھے۔" انور سوٹ کیس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اس میں کچھ
ہیں۔ آؤ آؤ...... چلو اندر چلو۔"

"ہم لوگوں نے ابھی چائے نہیں پی۔ میں دراصل تمہاری خیریت پوچھنے کے لئے
رشیدہ سے معلوم ہوا کہ کل تمہاری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ بھئی کل کی تکلیف کا بہت بہت

"دوستوں کے لئے میں ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار رہتا ہوں
مسکرا کر بولا۔ "میں تمہاری طرح تو ہوں نہیں۔ نہ جانے کب سے تم سے کہہ رہا ہوں
جاسوسی ناول میرے اخبار کے لئے بھی لکھ دو مگر تمہیں فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"مجھے شرمندگی ہے۔" انور افسوس ظاہر کرتا ہوا بولا۔ "میں ضرور لکھوں گا۔"

وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔

"اچھا بھئی تم لوگوں کے لئے چائے بناؤں۔" قدیر اٹھتا ہوا بولا۔

"کیوں، تم کیوں بناؤ گے۔" انور نے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ میں اتوار کو سب نوکروں کو چھٹی دیتا ہوں اور اس دن اپنا سارا کام خود ہی
کرتا ہوں۔"

"بہت اچھا اصول ہے۔" انور نے کہا۔

"تو رہنے دیجئے۔" رشیدہ بولی۔ "خواہ مخواہ تکلیف کرنے سے کیا فائدہ۔"

"واہ یہ بھی کوئی بات ہے۔ صرف پانچ منٹ لگیں گے۔ میں ابھی آیا۔" قدیر نے کہا اور
کمرے سے چلا گیا۔

"تو میں بھی چلتی ہوں آپ کی مدد کرا لوں گی۔"

"نہیں نہیں آپ بیٹھئے۔" انور آہستہ سے بولا۔

درمیانی وقفے میں بالکل خاموشی رہی۔ رشیدہ کسی الجھن میں مبتلا تھی۔ وہ کبھی کبھی انور کی
طرف سوچ میں ڈوبی ہوئی نظروں سے دیکھ لیتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد قدیر ٹرے میں چائے کا سامان لے کر آ گیا۔

"چائے تو لذیذ ہے۔" رشیدہ چائے کی چسکی لے کر بولی۔ "انور نہایت بے دردی سے
پیسٹریوں پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

"بہت لذیذ......!" وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ "اس وقت مجھے ۱۲ جون ۵۰ء کی حسین شام یاد
آ رہی ہے۔"

قدیر نے چائے کی پیالی میز پر رکھ دی اور شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ انور کی طرف
دیکھنے لگا۔

"ابھی اور بھی بہت کچھ یاد آئے گا۔"

"دلچسپ تذکرہ......!" انور نے کہا۔ "کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم نے اس رات کو رابعہ اور

سیکریٹری کا تعاقب کیوں کیا تھا۔"

"تاکہ تم جیسے حرام خوروں کا پیٹ بھرا جا سکے۔" قدیر گرج کر بولا۔ اچانک اس کا چہرہ زیادہ خوفناک نظر آنے لگا تھا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کی رگوں کا خون منجمد ہو گیا ہو میں عجیب قسم کی سنسنی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر کھڑا ہونا چاہا لیکن توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ قدیر کے قہقہے کی آواز کہیں دور سے آتی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر زمین پر آ رہا۔ رشیدہ بھی صوفے پر ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

اسے اس کا اندازہ نہیں ہو سکا کہ اسے کب ہوش آیا لیکن اس کا سویا سویا ذہن محسوس کر رہا تھا کہ وہ سیدھا کھڑا ہے اور اس کے دونوں ہاتھ اوپر کی طرف تنے ہوئے ہیں۔ کلائیوں میں تیز قسم کی چبھن محسوس ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں کھڑا ہے اور اس کے دونوں ہاتھ لوہے کی دو موٹی سلاخوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر رشیدہ اسی حالت میں کھڑی تھی لیکن ابھی اسے ہوش نہیں آیا تھا۔ اس لئے وہ ان سلاخوں کے درمیان جھول رہی تھی۔ انور نے سلاخوں کی طرف دیکھا۔ دونوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً دو فٹ رہا ہوگا اور اونچائی اتنی تھی کہ اس کے دونوں ہاتھ تنے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد اسے رشیدہ کی چیخ سنائی دی وہ ہوش میں آ گئی تھی اور انور کو گھور رہی تھی۔ دفعتاً کوٹھڑی کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی قدیر ان کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں بیٹے انور صاحب بڑے عقلمند بنتے تھے۔" قدیر گرج کر بولا۔ "وہ پرچہ کہاں ہے"

"کون سا پرچہ......!" انور غصے کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "میں اس قسم کا مذاق پسند نہیں کرتا"

"اچھا......اب مجھے سبق پڑھانے چلے ہو۔ میں تم دونوں کی قبر کھود کر یہیں دفن کر دوں گا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو گی۔"

"معلوم نہیں تم کیا بک رہے ہو۔" انور گرج کر بولا۔

"یہ تو میں جانتا ہوں کہ تم نے ابھی اُسے پولیس کے حوالے نہ کیا ہوگا۔" قدیر اس کی سنی ان سنی کر کے بولا۔ "کیونکہ تم پولیس کو اچانک متحیر کر دینے کے عادی ہو گئے ہو۔ میں تمہیں

سمجھاتا ہوں کہ پرچہ میرے حوالے کر دو اور اس واقعے کو بھول جاؤ۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا...... مجھے بتاؤ کہ تم نے اسے کہاں رکھا ہے میں خود تلاش کر لوں گا۔ ورنہ دوسری صورت میں تم جانتے ہی ہو کہ ایک قتل کو چھپانے کے لئے اکثر کئی قتل کرنے پڑتے ہیں۔ وجے کمار کا قتل شاید تمہیں یاد ہو۔"

"مجھے سب کچھ یاد ہے۔" انور بیزاری سے بولا۔ "لیکن یہ پرچہ ورچہ کیا ہے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"بیٹے انور تم مجھ کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ کل رات کو جب تم پروفیسر کی خواب گاہ کی تلاشی لے رہے تھے میں بھی اس کے مکان میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا اور جس نے بعد کو تمہارا تعاقب کیا تھا وہ میں ہی تھا۔ تم شاید مجھے پولیس کا سپاہی سمجھے تھے اور اس کے علاوہ سمجھتے بھی تو کیا۔ میں باقاعدہ پولیس کی وردی میں تھا۔ شاباش بتا دو جلدی سے کہ وہ پرچہ کہاں ہے۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

انور تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"اس پرچے کی قیمت دس ہزار روپے ہے۔"

"ٹھیر ٹھیر بدلائی نہیں ہوتی فرزند۔" قدیر مسکرا کر بولا۔ "تم مجھ سے دس پیسے بھی وصول نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں زندگی عزیز ہو گی تو آپ بتاؤ گے۔"

"لیکن شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کہ میں انسپکٹر آصف کو فون کر کے یہاں آیا ہوں۔" انور بولا۔

"اس کی فکر مت کرو۔ میں اسے بچوں کی طرح بہلا سکتا ہوں۔" قدیر نے کہا۔

"فی الحال میں جا رہا ہوں۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو اور تم رشیدہ اسے سمجھانے کی کوشش کرو۔ مفت میں اپنی اور تمہاری جان گنوائے گا۔"

قدیر چلا گیا۔

"آخر یہ سب کیا ہے۔" رشیدہ خوف زدہ آواز میں بولی۔

"یہ ایک وقتی تفریح ہے۔" انور ہنس کر بولا۔ "مجھے قتل کرنے کے لئے قیامت کے قریب دجال کا ظہور ہوگا۔ اس سے پہلے تو مرتا نہیں۔"

"لیکن وہ پرچہ کیسا ہے جس کا تذکرہ تم نے مجھ سے بھی نہیں کیا۔"

"قدیر نے اُسی پرچے کے لئے پروفیسر کو قتل کیا تھا۔"

"اور وہ سیاہ پتھر......!"

"وہ ایک الگ داستان ہے۔ اس کا تعلق پروفیسر کے قتل سے نہیں۔ میں ابھی تک کسی جاسوسی ناول کا خونی ہیرا سمجھتا رہا تھا لیکن دراصل ایسا نہیں ہے۔"

"لیکن اس مصیبت سے کس طرح چھٹکارا ہوگا۔" رشیدہ کراہ کر بولی۔

"چھٹکارا......!" انور نے کہا اور خاموش ہوگیا۔ فی الحال خود اسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چھٹکارے کی کیا صورت ہوگی۔

"تم نے کس مصیبت میں پھنسا دیا۔ اگر تم مجھے پہلے ہی بتا دیتے تو میں تمہیں یہاں کسی طرح ہرگز نہ آنے دیتی۔"

"اور اگر آدم شجر ممنوعہ کے قریب نہ جاتے تو اس خرابے میں کیوں پھنستے۔ میں تمہیں نہیں بتا سکتا تم ہمیشہ عورت ہی رہوگی۔" انور منہ بنا کر بولا۔ "بس غلطی ہوگئی! مجھے کیا معلوم کل اسی نے میرا تعاقب کیا تھا۔"

"لیکن یہ سب ہے کیا۔"

"بہت بڑا واقعہ......انتہائی پیچیدہ۔ اگر قدیر سے جے بی سنگھ والی حماقت نہ ہوجاتی تو کا کوئی سراغ رساں مجرم کا پتہ نہ لگا سکتا۔"

"تو کیا اس نے یہ سب تمہیں پھنسانے کے لئے کیا تھا۔"

"نہیں قطعی نہیں! کہہ دیا کہ پتھر والا واقعہ اس قتل سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ تمہیں یاد ہے قدیر اس دن صبح غیر متوقع طور پر ہمارے یہاں پہنچا تھا اسے کسی طرح علم ہوگیا ہوگا کہ اس میں آصف کو مجھ پر بھی شبہ ہے اسی لئے وہ سیکریٹری اور رابعہ کی کہانی لے کر پہنچا تھا۔ لیکن اس نے صاف صاف نہیں بتایا۔ وہ جانتا تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح یہ ضرور معلوم کرلوں گا کہ سیکریٹری رات کو کہاں اور کس کے ساتھ تھا لہٰذا اس نے پھر مجھے یہ کہہ کر مطلع کردیا کہ وہ اس میں پیسے نہیں بنانا چاہتا۔ وہ ان دونوں کو نشاط نگر جاتے دیکھ کر ان کے پیچھے لگ گیا تھا اور اس کی گفتگو بھی سن لی تھی کہ وہ رات وہیں گذاریں گے۔ اس نے سوچا کہ پروفیسر اس وقت تنہا ہی ہوگا۔ اس لئے وہ خلاف توقع رات ہی کو تارجام سے واپس آ گیا تھا۔"

"لیکن آخر اس نے پروفیسر کو قتل کیوں کیا۔" رشیدہ بولی۔

"وہی بلیک میلنگ کا چکر تھا۔ تم نے اس اخبار کے فائل تو دیکھے ہی ہیں تم یہ بھی جانتی ہو کہ وہ پروفیسر کے خلاف لکھ لکھ کر اس سے روپیہ اینٹھنا چاہتا تھا۔ لیکن شاید پروفیسر نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ تیرہ جون ۵۰ء کے شمارے میں قدیر نے اسے اس کا کوئی راز افشاء کردینے کی دھمکی دی تھی۔ شاید اس پر پروفیسر نے اسے معاملات طے کرنے کے لئے سونا گھاٹ بلایا تھا۔ وہاں اتفاق سے ایک بڑھیا اس کی کار کے نیچے آ کر ہلاک ہوگئی۔ پروفیسر نے دیکھ لیا اور اسے دھمکی دی کہ وہ پولیس کو اس کی اطلاع دے دے گا۔ قدیر گیا تھا اس سے روپیہ اینٹھنے اور خود مصیبت میں پھنس گیا؟ آخر کار ان دونوں میں سمجھوتہ ہوگیا۔ پروفیسر نے اس سے بڑھیا کو کار کے نیچے کچل دینے کا اقرار نامہ لکھوالیا اور اسے دھمکی دی کہ اگر وہ کبھی اسے یا اس کے کسی دوست کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ اس اقرار نامے کو پولیس کے حوالے کردے گا۔ اس نے اقرار نامہ نہایت احتیاط سے اپنی خواب گاہ کی ایک کرسی کے گدے میں سی رکھا تھا۔ قدیر نے اسی اقرار نامے کے لئے اسے قتل کیا تھا۔ ہوسکتا ہے بعد کو پروفیسر نے بھی اس سے روپیہ اینٹھنے کی کوشش کی ہو۔ بہرحال وہ قتل کی رات کو اقرار نامہ نہ پا سکا لیکن شاید یہ جانتا تھا کہ وہ خواب گاہ ہی میں کہیں محفوظ ہے۔ لہٰذا اس نے جی بی سنگھ کے فرضی نام سے خواب گاہ کا سامان خریدنے کی پیش کش کی اور پھر جب تم اس کے پاس اس لئے پہنچیں کہ وہ تمہیں جے بی سنگھ کا پتہ لگانے میں مدد دے تو وہ بھڑک گیا اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ تم اس کے اخبار کے فائل خواہ مخواہ نہیں الٹ پلٹ رہی ہو۔ ہاں تو میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ رات کو پروفیسر کی خواب گاہ کی تلاشی ضرور لوں گا ادھر قدیر بھی اسی تاک میں تھا۔ وہ ایک پولیس مین کی وردی پہنے ہوئے تھا جب میں وہ اقرار نامہ نکال کر وہاں سے نکلا تو اس نے میرا تعاقب کیا مگر میں اسے پہچان نہیں پایا تھا ورنہ اس وقت مجھ سے یہ حماقت نہ ہوتی۔"

"اور وہ پتھر والا معاملہ......!"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے متعلق تمہیں کچھ نہ بتا سکوں گا۔ میں نے گلوریا سے … کرلیا ہے۔"

"گلوریا سے؟"

"ہاں...... اسے بھول جاؤ۔"

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم لوگ بچ جائیں گے۔"

"کیوں نہیں...... جب تک کہ میری شہ رگ نہ کٹ جائے میں یہی سوچتا رہوں گا … مر نہیں سکتا۔ میں نے آصف کو فون کردیا تھا کہ میں قدیر کے یہاں جارہا ہوں۔ قاتل … اسے ثابت کردوں گا۔"

"ممکن ہے وہ آکر لوٹ بھی گیا ہو۔ قدیر نے اسے پٹی پڑھا دی ہو خود اس کے … اس کا کوئی ثبوت ہے نہیں۔ تمہارے بیان کے مطابق اقرار نامہ تمہارے ہی پاس ہے۔"

"پھر بھی میں ہمت نہیں ہار سکتا" انور نے کہا اور اپنے جوتے اتارنے لگا پھر اس … پیر کا موزہ دوسرے پیر سے دبا کر اتار دیا۔ بائیں پیر سے دائیں پیر کی موری اوپر … موزے میں اڑا ہوا ایک بڑا سا چمکدار چاقو نکال کر فرش پر ڈال دیا۔ رشیدہ اسے حیرت … رہی تھی۔ انور نے داہنے پیر کا موزہ بھی اتار دیا۔

"لیکن اسے استعمال کس طرح کرو گے...... دونوں ہاتھ تو بندھے ہوئے ہیں" … پرامید لہجے میں بولی۔

"ڈارون کی تھیوری کے مطابق آدمی پہلے بندر تھا" انور نے مسکرا کر کہا۔ "اور تم … ہو۔ بندر پیروں سے بھی ہاتھوں کا کام لے سکتے ہیں۔ دنیا کے سب بندر آدمی ہو گئے مگر … تک بندر ہوں اور اس وقت تمہیں اس کا بھی اندازہ ہو جائے گا کہ میں کسی حال میں بھی … نہیں رہ سکتا۔ کئی سرکس والے اب تک یہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے سرکس میں نوکری کرلوں …"

انور نے چاقو کا دستہ داہنے پیر کے انگوٹھے اور انگلیوں سے دبایا اور لوہے کی … مضبوطی سے پکڑ کر بندروں کی طرح الٹ گیا۔ وہ داہنے ہاتھ کی رسی کاٹنے کی کوشش کر… کلائی پر رسی کا تناؤ بڑھ جانے کی وجہ سے وہ زیادہ دیر تک اس حالت میں نہ رہ سکا۔ لیکن …

یقین تھا کہ وہ رسی کاٹنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ وہ ایک کراہ کے ساتھ پھر سیدھا ہو گیا۔ سارے جسم سے پسینے کی دھاریں پھوٹ پڑی تھیں اور وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر رشیدہ کی طرف دیکھا اور رشیدہ بے اختیار رو پڑی۔ وہ انور کی کلائی پر بہتے ہوئے خون کو دیکھ رہی تھی۔ شاید چاقو لگ گیا۔

"رشو ڈارلنگ روتے نہیں۔" انور نے کہا اور پھر چاقو کو انگلیوں میں دبا کر الٹ گیا۔ اس کی چڑھتی ہوئی سانسوں کے ساتھ رشیدہ کی سسکیاں بھی کوٹھری میں گونج رہی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کا ایک ہاتھ آزاد ہو گیا اور رشیدہ روتے روتے بے اختیار ہنس پڑی۔ انور نے دوسرا ہاتھ بھی کھول ڈالا اور پھر رشیدہ بھی آزاد ہو گئی۔ وہ اس کے بازوؤں میں پڑی سسکیاں لے رہی تھی۔

"رشو ڈارلنگ، چپ رہو۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

"میرا بندر...... میرا بندر......!" اس نے دبی دبی سسکیوں کے درمیان کہا۔

"آؤ اب نکل چلیں...... مجھ میں کھڑے ہونے کی سکت نہیں۔ یہ دیکھو" اس نے اپنا داہنا ہاتھ سامنے کر دیا جس سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ شاید کوئی رگ کٹ گئی تھی۔ وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے لیکن وہ باہر سے بند تھا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا" رشیدہ بولی۔

"فکر مت کرو...... کبھی تو کھلے گا" انور نے کہا اور دیوار سے ٹیک لگا کر دروازے کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ رشیدہ اپنی ساری پھاڑ کر اس کے زخمی ہاتھ پر پٹی باندھنے لگی۔

انور بڑی نقاہت محسوس کر رہا تھا ایک تو ابھی تک اس نشہ آور چائے کا اثر باقی تھا دوسرے ہاتھ سے کافی خون نکل گیا تھا اور پھر اس جمناسٹک کی تھکن...... دونوں گھنٹوں اسی طرح بیٹھے رہے۔

تقریباً تین بجے کوٹھری کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ انور نے رشیدہ کو دروازے کے دوسرے طرف کھڑے ہو جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی کھڑا ہو گیا۔

کنڈی اتارنے کی آواز آئی۔ دونوں پٹ کھل گئے۔ انور اور رشیدہ پٹوں کی آڑ میں تھے۔ جیسے ہی قدیر اندر داخل ہوا انور اس پر ٹوٹ پڑا۔ رشیدہ الگ کھڑی تھی۔ انور نے اسے پہلے ہی

حملے میں گرالیا تھا۔ مگر قدیر بھی کمزور نہیں تھا۔ وہ اپنی ساری طاقت صرف کر رہا تھا۔ دونوں
ہوئے زمین پر لوٹ رہے تھے۔ رشیدہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ دفعتاً قدیر
کے سینے پر سوار ہوگیا۔ وہ اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ رشیدہ گھبرا گئی۔ دفعتاً اسے وہ چاقو یاد آ
انور وہیں کٹی ہوئی رسیوں میں چھوڑ آیا تھا۔ وہ چاقو اٹھا کر دیوانہ وار قدیر پر ٹوٹ پڑی۔
نہیں تھا پھر بھی قدیر اچھل کر پیچھے کی طرف آ گرا۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا انور اس پر تھا۔

تھوڑی دیر بعد انور اور رشیدہ اسے رسیوں میں جکڑ رہے تھے۔

دوسری صبح کے اخبارات اس حیرت انگیز گرفتاری پر طرح طرح کی قیاس آرائیاں ک
لگے۔ لیکن صحیح واقعہ صرف انور کے اخبار نے چھاپا تھا اور اس کی کاپیاں ہاتھوں ہاتھ ف
ہو رہی تھیں۔

وہ دن انسپکٹر آصف کے لئے یقیناً بڑا منحوس تھا۔ انور نے جی کھول کر اس کا مضحکہ
لیکن وہ سب کچھ خاموشی سے سہتا رہا۔ اور کرتا بھی کیا۔ بُری طرح شکست کھا گیا تھا۔

رشیدہ نے انور کو کئی بار مجبور کیا کہ وہ اسے سیاہ پکھراج کا راز بتادے مگر ناکام رہی۔

اسی شام کو انور سر صغیر کی کوٹھی کے پائیں باغ میں بیٹھا سر صغیر کا انتظار کر رہا تھا۔ اپنا
کارڈ اندر بھجوا کر وہ لان پر بیٹھ گیا تھا۔ نوکر نے آکر اس سے اندر چلنے کو کہا۔

"میں یہیں کھلے میں بیٹھنا پسند کروں گا۔" انور نے کہا اور لان چیئر پر سیدھا ہو کر بیٹھ

نوکر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد سر صغیر پورٹیکو میں دکھائی دیا۔ وہ آہستہ آہستہ لان کی
آرہا تھا۔ چہرے سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔ انور کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک مضحکہ
مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مسٹر انور میں اپنے دوست کے قاتل کی گرفتاری پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔"
نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"شکریہ.....!" انور سنجیدگی سے بولا۔ "ذرا اس پر دستخط کر دیجئے۔"

اس نے اپنی جیب سے ایک چیک بک نکال کر سر صغیر کی طرف بڑھا دی۔

"پانچ ہزار روپے۔" سر صغیر اسے گھور کر بولا۔ "کیوں اس کا کیا مطلب.....!"

"یہ اس سیاہ پکھراج سے تعلق رکھتا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" سر صغیر نے آہستہ سے کہا۔ پھر دفعتاً اس کے چہرے کا
رنگ بدل گیا۔ آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ نتھنے پھڑکنے لگے اور وہ گرج کر بولا۔ "تم مجھے بلیک میل
کرنے آئے ہو۔ میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔"

"بگڑنے کی ضرورت نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "آپ جانتے تھے کہ وہ سیاہ پکھراج
چوری کا ہے لیکن پھر بھی آپ نے اسے وجے کمار سے خرید لیا تھا۔"

"جی.....جی.....!" سر صغیر ہکلایا۔

"جی ہاں.....اور یہی نہیں.....آپ نے اسی خوف سے اُسے ایک ایسی عورت کو دے دیا
تھا جس سے آپ کے ناجائز تعلقات ہیں۔"

"تم فضول بکواس کر رہے ہو۔" سر صغیر پھر گرجا۔

"میرا اشارہ گلوریا تموتھی کی طرف ہے۔" انور نے مسکرا کر کہا "لیکن آپ نے وہ پتھر اس
کے پاس امانتاً رکھوایا تھا۔"

سر صغیر کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے تھوک نگل رہا تھا۔

"کہئے تو یہ بھی بتادوں کہ وہ پروفیسر تیموری کے پاس کیسے پہنچ گیا تھا۔"

انور نے کہا اور سر صغیر کی طرف شرارت آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"تم نہ جانے کیا بک رہے ہو۔"

"گھبرائیے نہیں..... میں جو کچھ بھی بک رہا ہوں وہ میرے اخبار میں نہ چھپے گا۔ اُس
پکھراج کی اصلیت سے صرف میں واقف ہوں۔ میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ ہاں تو اسی
دوران میں پروفیسر تیموری نے نکلس کو قرض ادا کردینے کا نوٹس دے دیا اور شاید آپ کو یہ بھی یاد
ہوگا کہ وہ نوٹس بعد کو واپس بھی لے لیا گیا تھا؟ ہوا یہ کہ گلوریا نے آپ کا سیاہ پتھر نکلس کو دے دیا
کہ وہ اسے بطور ضمانت پروفیسر تیموری کے پاس رکھوا دے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور پروفیسر نے
نوٹس لے لیا۔ لیکن چونکہ ایک بہت ہی نایاب پتھر پروفیسر کے ہاتھ لگا تھا اس لئے اس نے
ضروری سمجھا کہ وہ اس کی نمائش کرکے اپنے ہم پیشہ اور ہم شوق لوگوں پر رعب ڈالے۔ اس سلسلے

میں اس نے چند لوگوں کو دعوت دی اس میں آپ اور آپ کی صاحبزادی بھی تھیں۔ کھانے
بعد اس نے پتھروں کی نمائش کی سیاہ پکھراج اس کے پاس دیکھ کر آپ کو بہت تاؤ آیا۔ واپس
آپ نے گلوریا سے باز پرس کی۔ بہر حال آپ اسے دوبارہ واپس لینا چاہتے تھے۔ اس لئے
نے پھر وجے کمار کی خدمات حاصل کیں اور وہ اسے پروفیسر کے یہاں سے چرا لایا۔ دوسرے
دن صبح وہ پھر آپ کے پاس سے غائب ہو گیا۔ اس بار اسے آپ کی صاحبزادی نے اڑایا
لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ دراصل آپ ہی کی ملکیت تھا۔ وہ اسے پروفیسر کے یہاں دیکھ چکی
تھی۔ اس لئے سمجھیں کہ شاید آپ اُسے چرا لائے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اسے آپ سے
کروا پس کرنے کی ٹھان لی اور اس سلسلے میں انہوں نے خاکسار کی خدمات حاصل کیں۔
نے جن حالات میں وہ پتھر اس کی جگہ پر پہنچایا وہ بہت ہی خطرناک تھے۔“

”میں جانتا ہوں...... میں جانتا ہوں۔“ سر صغیر بے صبری سے بولا۔

”اور میں مبلغ پانچ ہزار روپے بطور حق المحنت طلب کر رہا ہوں اور ہاں شاید آپ یہ
پسند کریں گے کہ پروفیسر نکولس کے ہتھوڑے سے کس طرح قتل ہوا......؟ خیر سنئے...... آپ
تھے کہ شاید پروفیسر ہی نے اُسے دوبارہ آپ کے پاس سے غائب کرا دیا۔ لہٰذا آپ پھر گلوریا
پاس پہنچے اور اسے خوب کھری کھری سنائیں۔ اسی رات کو گلوریا نے سوچا کہ وہ کیوں نہ اس
پروفیسر کے یہاں سے چرا کر اپنے ہاتھوں سے آپ کو واپس کر دے۔ وہ جانتی تھی کہ
اسے تجوری میں رکھتا تھا۔ لہٰذا وہ نکولس کا ہتھوڑا لے کر وہاں پہنچی۔ اُسے یہ بھی علم ہو گیا
پروفیسر رات کو باہر ہی رہے گا۔ اس نے پروفیسر کی خواب گاہ کی کھڑکی کا شیشہ توڑا اور اندر
ہو گئی۔ لیکن وہ اچھی طرح سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ اسے مکان کے اندر قدموں کی آہٹ سنائی
اور وہ گھبراہٹ میں ہتھوڑا وہیں چھوڑ کر کھڑکی سے کود گئی۔ آنے والا پروفیسر کا قاتل تھا
وہاں پہنچ کر یہ معلوم ہو گیا تھا کہ پروفیسر گھر پر موجود نہیں ہے اس لئے اس نے نہایت
سے اپنی کنجیوں کا لچھا استعمال کیا اور مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ موقع غنیمت تھا اس
نے اقرار نامے کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن اس کے کامیاب ہونے سے پہلے ہی پروفیسر
اور قاتل نے اُسی ہتھوڑے سے اس پر حملہ کر دیا اور اسے ختم کرنے کے بعد بھاگ نکلا

جلد ہی وجے کمار پہنچ گیا اور پھر شاید اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے وہ بھی اُس کے
ہاتھوں مارا گیا اور ہاں اس رات کو بھی آپ ہی نے وجے کمار کو وہاں بھیجا تھا کہ وہ اس پتھر کو
دوبارہ چرا لائے۔ ہاں تو جناب جب میں وہاں پہنچا تو پروفیسر کی لاش سے مڈبھیڑ ہو گئی آپ خود
سمجھ سکتے ہیں کہ وہ چیز کتنی خطرناک تھی اور پھر جبکہ پروفیسر تار جام ہی سے انسپکٹر آصف کو فون کر چکا تھا
کہ اس کے مکان کی حفاظت کی جائے۔ اگر میں ذرا سا بھی چوک جاتا تو وہاں پکڑا گیا تھا۔“

انور خاموش ہو گیا۔

”میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ ان معلومات کو اپنے ہی تک محدود رکھئے گا۔“ سر صغیر
نے کہا۔ ”رابعہ نے مجھے پہلے ہی اس کے متعلق بتا دیا تھا اور میں بہت پریشان تھا۔“

سر صغیر نے چیک پر دستخط کر دیئے۔

”شکریہ۔“ انور نے چیک بک تہہ کر کے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ ”مطمئن رہئے میں
بلیک میلر نہیں ہوں...... اچھا...... آداب عرض......!“

پھاٹک سے نکل کر وہ موٹر سائیکل کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ رابعہ نے اس کا راستہ روک لیا۔

”تو تم نے سب کچھ بتا دیا۔“ وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

”جتنا تم نے بتایا تھا اس سے آگے نہیں بڑھا۔“

”یعنی کہ......!“

”ہاں ہاں...... میں نے ان سے یہ نہیں بتایا کہ تم نے وہ رات نشاط نگر میں سیکریٹری کے ساتھ بسر
کی۔“

”شکریہ...... بہت بہت شکریہ۔“

”ٹاٹا......!“ انور نے ہاتھ ہلایا اور موٹر سائیکل اسٹارٹ کر دی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 17

بھیانک جزیرہ

(مکمل ناول)

بوڑھا تیغ زن

رات بھر موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قیامت سے پہلے ہی شہر کی نچی اونچی عمارتیں ریت میں تبدیل ہو کر سمندر کے سینے میں سما جائیں گی۔

کوچہ و بازار ویران پڑے تھے۔ ہوا کے تیز جھونکے کھڑکیوں اور جالیوں میں شور مچاتے رانہ میں گھس رہے تھے۔ بادلوں کی گرج سے عمارتوں کی بنیادیں تک لرز رہی تھیں۔

رات بھر طوفان خوف و ہراس کے جھنڈے گاڑتا رہا۔

اور صبح شہر کی سب سے بارونق سڑک پر ایک لاش پڑی ہوئی دکھائی دی۔ لاش جس پر ایک ر بھی نہیں تھا بالکل ننگی لاش۔ جس کے چہرے کا سارا گوشت کاٹ لیا گیا تھا پیشانی پر بکھرے ہوئے بالوں کے نیچے آنکھوں کی جگہ دو بڑے غار نظر آ رہے تھے۔ ناک کی ابھری ہوئی ہڈی کے نیچے ڈاڑھوں تک پھیلے ہوئے دانت جسم کی تانبے جیسی رنگت سے ظاہر ہوتا تھا کہ شاید وہ کوئی ر ملکی ہے۔

وہ راہگیر جنہوں نے اسے دیکھا تھا سوچ رہے تھے کہ اس دل ہلا دینے والے منظر کو وہ زندگی بھر نہ بھلا سکیں گے۔ لاش وہاں سے اٹھوا دی گئی اور پولیس والے قرب و جوار کی عمارتوں میں پھیل گئے۔ لیکن کسی کو اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں تھا ہوسکتا ہے کہ مقتول نے ٹھیک اسی جگہ پہنچ کر دم توڑا ہو۔ لیکن طوفان کی ہنگامہ خیزیوں میں کسے خبر ہوتی۔

حادثہ مے پول ہوٹل کے سامنے ہوا تھا۔ انسپکٹر جگدیش نے ہوٹل کا رجسٹر چیک کیا قیام کرنے والے مسافروں میں چھان بین کی لیکن مقتول ان میں سے نہ تھا۔ آخر تھک ہار کر وہ اور

سی آئی ڈی انسپکٹر آصف ڈائننگ ہال میں آ بیٹھے۔

"میں تو تنگ آ گیا ہوں اس شہر سے۔" انسپکٹر جگدیش اپنی پیشانی کا پسینہ پ
بولا۔ "روز ایک قتل دھرا ہے۔"

"یہ یقیناً کوئی غیر ملکی ہی تھا۔" آصف نے کہا۔ "اس رنگ کے لوگ اپنی طرف نہیں
دیتے۔"

"غیر ملکی...... لیکن آخر کہاں کا۔"

"یہ بتانا دشوار ہے۔" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "قاتل نے صورت ہی بگاڑ
غیر ملکی سفارتخانوں میں تفتیش کر لی جاتی۔"

"ایسے ہی موقعوں پر بے اختیار فریدی صاحب یاد آ جاتے ہیں۔"

"وہی کیا کر لیتا۔" آصف منہ چڑھا کر بولا۔

"یہ مت کہو...... انہوں نے ایسے ایسے بے سروپا جرائم سے پردہ اٹھایا ہے جن
فرشتوں کو بھی خبر نہ رہی ہوگی۔"

"ذہن پر ذرا سا زور دینے پر سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔" آصف لاپرواہی سے بو

"تبھی تو وہ لونڈا انور تمہیں انگلیوں پر نچاتا رہتا ہے۔" جگدیش نے مسکرا کر کہا۔

"تم غلط سمجھے...... نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آ جاتا ہے۔"

"اس پر یا اس لڑکی پر......!" جگدیش اسے آنکھ مار کر مسکرایا۔

"کیا بات کر رہے ہو تم بھی...... وہ میری لڑکی کے برابر ہے۔"

"لیکن وہ ہے کون!" جگدیش نے کہا۔ "جب سے اس نے داراب کو قتل کر کے
سے دس ہزار روپے وصول کئے ہیں مجھے الجھن سی ہوگئی۔ آخر وہ ہے کون۔ کس خاندان
رکھتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ شاید انور بھی اس سے واقف نہیں ہے۔"

"اور وہ دونوں ساتھ رہتے ہیں۔"

"ہاں۔"

"اور انور یہ نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔"

"وہ بھی کچھ جھکی سا ہے۔ وہ ہمیشہ آم کھاتا ہے...... پیڑوں سے اسے کوئی غرض نہیں ہوتی۔"

"تو گویا ان دونوں کی رہائش غیر قانونی ہے۔" جگدیش نے کہا۔

"یہ تو خدا ہی جانے...... ویسے ان دونوں کا یہی کہنا ہے کہ وہ صرف ایک دوسرے کے
ہیں۔"

جگدیش نے معنی خیز انداز میں قہقہہ لگایا۔

"تعجب ہے کہ انور ابھی تک دکھائی نہیں دیا۔" جگدیش نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"تم نے نہیں دیکھا۔" آصف نے مسکرا کر کہا۔ "وہ نہ جانے کب سے قرب و جوار کی
سونگھتا پھر رہا ہے۔"

"بعض اوقات وہ اپنی حدود سے نکل جاتا ہے۔" جگدیش ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ "اگر
یدی صاحب کا خیال نہ ہوتا تو میں اسے کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑتا۔"

"لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے ہمیشہ ایک نہ ایک لطیفہ تیار رکھتا ہے۔"

"دیکھو میاں آصف...... آدمی اگر کرنے پر آ جائے تو سب کچھ کر گزرتا ہے۔"

"خیر بھئی چھوڑو ہٹاؤ...... اس لاش کے متعلق کیا کیا جائے۔"

"ایسے معاملات تو مقدرات پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔" جگدیش انگڑائی لے کر بولا۔

"ٹھیک ہے......!" پیچھے سے آواز آئی۔ جگدیش اور آصف مڑے۔ انور ایک میز پر جھکا
یٹ سلگا رہا تھا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جگدیش صاحب۔" وہ ناک سے دھواں نکالتا ہوا بولا۔

"مقدرات سے زیادہ ایسے موقعوں پر جیوتش و دیا کام دیتی ہے۔ نہیں تو پھر رمل، کوڑیاں
اگر سب چت پڑیں تو مقتول لال بادشاہ ورنہ امریکہ کا ریڈ انڈین۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے کبھی آپ سے مشورہ نہیں لیا۔" جگدیش ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"ریڈ انڈین......!" آصف چونک کر بولا۔

"ہاں بچپن میں کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ ریڈ انڈین تانبے کی شکل کے ہوتے ہیں۔"

انور مسکرا کر بولا۔

''مگر ریڈ انڈین یہاں کہاں۔'' آصف نے کہا۔ ''امریکہ کی حکومت انہیں امریکہ

جانے دیتی ہے۔''

''لیکن وہ لوگ جو میکسیکو میں آباد ہیں ان پر اس قسم کی پابندیاں نہیں۔ ان

مہذب ہیں۔ خصوصاً اسپینی نسلوں کے لوگ عموماً بیرونی ممالک سے براہِ راست تجارتی

رکھتے ہیں۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں امریکی سفارت خانے میں تفتیش کرنی چاہئے۔''

نے کہا۔

''اب یہ تم جانو...... میں تو آج نیشنل رائفل کلب میں میکسیکو کے ایک باشندے

ونسنٹ کی تیغ رانی کے کمالات دیکھوں گا۔ مطلب یہ کہ ڈان ونسنٹ ایک مشہور تیغ زن

رائفل کلب کے شمشیر زنوں سے آج اس کا مقابلہ ہوگا۔ اس نے اپنے شہر کے سارے تیغ

چیلنج کیا ہے۔''

''اوہ......!'' آصف اسے گھورنے لگا۔

''وہ بھی سرخ رنگ کا ہے۔'' انور اٹھتا ہوا بولا۔ وہ تھوڑی دیر کھڑا مسکراتا رہا پھر باہر

''دیکھا تم نے......!'' آصف نے جگدیش کو مخاطب کیا۔

''میں کیا دیکھوں تم دیکھو...... اب بھی فریدی صاحب کے اعجاز کے قائل ہو

سب انہیں کی صحبت کا نتیجہ ہے۔''

''فریدی......!'' آصف منہ بگاڑ کر بولا۔ ''میرے سامنے کا لڑکا ہے۔ یہ بھی اتفاق

ہے کہ اسے اتنی شہرت نصیب ہوگئی ہے ورنہ وہ دراصل اس کا اہل نہیں۔ سراغ رسانی

اصولوں سے تو واقف نہیں ہے۔''

''بس بنیادی لکیریں تو تم ہی پیٹا کرو۔ انہوں نے نئی نئی راہیں نکالی ہیں۔''

''لیکن ان کا فن سے تو کوئی تعلق نہیں۔'' آصف نے کہا۔

''خیر اب تمہارا فن بھی دیکھ لیا جائے گا۔'' جگدیش سر ہلا کر بولا۔ ''مجھے اچھی طرح

یہ کہ تم انور کی مدد کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔''

''یہ سراسر جھوٹ ہے۔''

''خیر ہوگا......!'' جگدیش اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں نے اپنا کام مکمل کر ہی لیا ہے۔ دو تین دن

ادھر ادھر ہاتھ مارنے کے بعد کیس تمہارے محکمے کے سپرد کر دیا جائے گا۔''

''تو پھر نیشنل کلب کی کیا رہی۔'' آصف بولا۔

''اگر انور سچ کہتا ہے تو ہمیں وہاں ضرور جانا چاہئے۔''

''لیکن ہم نے اس سے یہ بھی نہ پوچھا کہ مقابلہ کس وقت ہوگا۔'' آصف نے کہا۔

''میں جھوٹ نہیں کہتا۔'' جگدیش مسکرا کر بولا۔ ''سچ سچ تم اس لونڈے کی انگلی پکڑ کر چلتے

ہو۔ نیشنل کلب دور ہی کتنا ہے۔ ابھی چل کر معلوم کئے لیتے ہیں۔''

آصف جھینپ گیا۔

نیشنل رائفل کلب پہنچ کر وہ دونوں سیدھے سیکریٹری کے کمرے میں چلے گئے۔ دروازہ

اندر سے بند تھا اور کئی آدمیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جگدیش نے آہستہ آہستہ دستک

دی۔

''ٹھہرو......!'' اندر سے ایک آواز آئی اور جگدیش کی بھنوئیں سکڑ گئیں۔ اس نے

دروازے کو دھکا دیا اور دونوں پٹ کھل گئے۔

کمرے میں تین آدمی تھے۔ ایک تو کلب کا سیکریٹری اور دو کوئی غیر ملکی جن کی رنگت تانبے

کی طرح سرخ تھی۔ آصف کی آنکھیں چمکنے لگی۔

''اوہ آپ لوگ!'' سیکریٹری اٹھتا ہوا متحیر آمیز لہجے میں بولا ''معاف کیجئے گا۔ میں کچھ اور

سمجھا تھا...... تشریف رکھئے۔''

''ہم نے سنا ہے کہ آج آپ کے یہاں کوئی مقابلہ ہونے والا ہے۔'' جگدیش نے پوچھا۔

''جی ہاں...... جی ہاں...... تیغ زنی کا مقابلہ......!'' منیجر ان غیر ملکیوں میں سے ایک کی

طرف اشارہ کرکے بولا۔ ''سی نور ڈان ونسنٹ ...... میکسیکو کے باشندے ہیں۔ آج شام کو کلب

ممبران کو اپنی تیغ زنی کے کمالات دکھائیں گے۔''

سکریٹری نے ان سے ان دونوں کا تعارف کرایا۔ دوسرے کا نام ڈان الفریڈو تھا۔ وہ
اکھڑی اکھڑی انگریزی میں گفتگو کررہے تھے۔ تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر
جگدیش اصل موضوع پر آ گیا۔

''مسٹر ونسنٹ میں آپ کو تھوڑی سی تکلیف دوں گا'' جگدیش نے انگریزی میں کہا۔

''کہئے......!'' ونسنٹ مسکرا کر بولا۔ ''یہ ایک قوی الجثہ اور طویل القامت آدمی تھا۔ پیشانی
کشادہ اور سر کے بال سیاہی مائل سرخ تھے۔ آنکھیں بلی کی آنکھوں کی طرح، کبھی ہلکی اور
گہری سبز معلوم ہوتی تھیں۔ ناک سے ہونٹوں کے فاصلے کی زیادتی نے چہرے کو غیر متناسب
دیا تھا۔ ہونٹ پتلے تھے اور خاموشی کی حالت میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے ہونٹ بھینچے
ہوئے ہے۔

''آپ یہاں کب آئے ہیں۔''

''پرسوں...... کیوں؟''

''آپ کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟''

''چار......!''

''آپ میکسیکو سے سیدھے یہاں آئے ہیں۔''

''نہیں ہم انگلینڈ میں تھے۔ دراصل ہم دنیا کی سیاحت کیلئے نکلے ہیں اور تیغ زنی کے
مظاہرے کر کے اپنا سفر خرچ نکالتے ہیں۔ آپ کا ملک بھی ہمارے پروگرام میں شامل ہے۔''

''آپ کے تین ساتھی کہاں ہیں۔''

''دل کشا ہوٹل میں، ہم لوگ وہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

''کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے تینوں ساتھی اس وقت بھی دل کشا میں موجود ہیں۔''

''کیوں......؟'' اسکے لہجے میں تحیر تھا۔ ''ہم انہیں اس وقت وہیں چھوڑ کر آئے ہیں۔''

''بات یہ ہے کہ ہمیں ایک لاش ملی ہے ننگی لاش...... اس کا چہرہ بگاڑ دیا گیا ہے۔ رنگت
کے اعتبار سے مقتول آپ ہی کی طرف کا معلوم ہوتا ہے۔''

''اوہ......!'' ڈان ونسنٹ کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئیں۔ ''لاش آپ کو کس

وقت ملی۔''

''صبح چھ بجے۔''

''تب تو کوئی پریشانی کی بات نہیں۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''میرے چاروں ساتھی آٹھ بجے
تک زندہ تھے لیکن میں اس لاش کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ خدا کرے وہ میرا ہم وطن نہ ہو۔''

تھوڑی دیر بعد جگدیش انہیں ساتھ لے کر کوتوالی پہنچ گیا۔ انہیں لاش دکھائی گئی۔

ڈان ونسنٹ لاش کو دیکھ کر کچھ پریشان سا نظر آنے لگا۔

''بے شک یہ میرا ہی ہم وطن معلوم ہوتا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟''

''اس سے پہلے آپ کے ملک کا کوئی باشندہ یہاں دکھائی نہ دیا۔'' آصف نے کہا۔

''ہم لوگ امریکن سفارت خانے کی وساطت سے غیر ممالک کا سفر کرتے ہیں میرے
خیال سے آپ اس کا پتہ وہیں سے لگا سکتے ہیں۔''

''وہ تو ہم بھی جانتے ہیں۔'' آصف بولا۔

''اچھا تو اب میں جاؤں۔'' وہ ان سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ ''مجھے امید ہے کہ آج شام کو
آپ لوگ رائفل کلب کا پروگرام ضرور دیکھیں گے۔''

''ضرور...... ضرور......!'' جگدیش نے اسے یقین دلایا۔

اس کے چلے جانے کے بعد جگدیش اور آصف ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں
سے دیکھنے لگے۔

لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھیج دی گئی۔ امریکن سفارت خانے میں دریافت کرنے پر معلوم
ہوا کہ ان پانچ آدمیوں کے علاوہ میکسیکو کا کوئی اور باشندہ شہر میں نہیں داخل ہوا۔

''یار آصف میری تشفی نہیں ہوئی۔'' جگدیش نے کہا۔

''پھر......!''

''ہمیں آرلکچو چلنا چاہئے۔''

''تو تم ان لوگوں کے پیچھے پڑ گئے۔'' آصف مسکرا کر بولا۔

''ہاں میں ان کے تین ساتھیوں کو بھی ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

"چلو بھئی! حالانکہ ابھی میرا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں لیکن پھر بھی میں دلچسپی لینے کے لئے مجبور ہوں۔"

"کیوں......؟" جگدیش نے پوچھا۔

"میں تمہیں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ صرف فریدی پر ہی دنیا نہیں ختم ہوگئی۔"

"اوہ......!" جگدیش ہنس کر بولا۔ "ضرور ضرور...... اس موقعے کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔"

"شاید تم مذاق سمجھ رہے ہو۔"

"نہیں بھئی مذاق کیوں سمجھوں گا۔ میں تو دل سے چاہتا ہوں کہ فریدی صاحب ا... سے واپسی پر کوئی اور دھندا دیکھیں۔"

آر لکچو پہنچ کر انہوں نے سب سے پہلے ہوٹل میں قیام کرنے والوں کا رجسٹر دیکھا۔ پانچ... کے نام درج تھے۔ ایک ویٹر سے انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ پانچوں اس وقت ڈائننگ ہال میں موجود ہیں۔ دونوں نے ڈائننگ ہال کا رخ کیا۔

پانچوں ایک بڑی میز کے گرد بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ آصف اور جگدیش کنارے کی... پر چلے گئے۔ آصف نے لنچ کا آرڈر دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ بھی کھانے میں مشغول ہوگئے۔

"ہیں تو پانچ ہی......!" جگدیش بولا۔

"بھئی میرا خیال ہے کہ ان کے پیچھے پڑنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" آصف نے کہا۔

"ہاں...... آں......!" جگدیش کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کے چہرے پر توجہ کے آثار دیکھ کر آصف بھی مڑا۔

دروازے کے قریب انہیں دو آدمی دکھائی دیئے ان میں ایک بوڑھا تھا اور دوسرا جوان۔ بوڑھے کے چہرے پر بھورے رنگ کی فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی اور ہونٹوں میں پائپ دبا ہوا تھا۔ سر پر اطالوی طرز کی نیلی فلٹ ہیٹ تھی۔ اس نے اپنی پلکیں اس طرح سکوڑ رکھی تھیں جیسے آنکھوں میں دھواں لگ رہا ہو۔ اس کا جوان ساتھی اس کی طرح گٹھیلے جسم کا نہیں تھا۔ اس کی ڈاڑھی با... اور آنکھوں سے مکاری جھلکتی تھی۔ بوڑھا اس سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا اور وہ اپنے ہونٹ بھینچ کر ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہ دونوں بھی غیر ملکی ہی معلوم ہوتے ہیں۔" جگدیش نے کہا۔

"آخر تمہارے سر پر غیر ملکی کیوں سوار ہوگئے ہیں۔" آصف ہنس کر بولا۔

"جگدیش پھر کھانے میں مشغول ہوگیا۔" تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

"اس قسم کی لاش سے پہلی بار میرا سابقہ پڑا ہے۔ کم بخت قاتل نے اس کے جسم پر کپڑے تو رہنے دیئے ہوتے۔"

"ظالم نے جوتے بھی تو نہ چھوڑے۔" آصف کو انور کی آواز سنائی دی۔ جگدیش اسے گھورنے لگا۔ لیکن انور اس کی پرواہ کئے بغیر ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"اس وقت ہم لوگ کوئی حیرت انگیز خبر سننے کے موڈ میں نہیں ہیں۔" آصف ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"مطمئن رہو۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں بھی اس کیس میں اپنی ناکامی کا صدقِ دل سے اعتراف کرتا ہوں۔"

"میں پہلی بار تمہارے منہ سے ایسا جملہ سن رہا ہوں۔" آصف کی آواز میں تحیر تھا۔

"جگدیش صاحب...... جس چیز کا تذکرہ کر رہے تھے وہ تفتیش کے سلسلہ میں آخری کڑی تھی۔ اس کے بغیر کوئی اقدام سعی لاحاصل ہوگا۔ کپڑوں پر کم از کم لانڈری کے نشانات ضرور مل جاتے۔"

"قطعی......!" جگدیش کی آواز میں دبا سا جوش تھا۔

"اور یہ پانچوں ہی ہیں۔" انور میکسیکو کے باشندوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"ظاہر ہے کہ مقتول ان میں سے نہیں ہوسکتا۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ یہ پانچوں ہی آدمی امریکی سفارت خانے کی وساطت سے یہاں آئے ہیں۔" وہ خاموش ہو کر سگریٹ سلگانے لگا۔

جگدیش کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ہوٹل کے کلرک نے ایک لفافہ لا کر اس کی طرف بڑھا دیا جس پر انسپکٹر جگدیش تحریر تھا۔

"کس نے دیا ہے۔" جگدیش نے پوچھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا۔" کلرک سٹپٹا کر بولا۔

"کیا مطلب......؟" جگدیش اسے گھورنے لگا۔

"میں لکھنے میں مشغول تھا۔" کلرک نے کہا۔ "کوئی اس طرح میری میز پر رکھ گیا کہ مجھے خبر تک نہ ہوئی۔"

"اچھا......!" جگدیش نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور لفافہ کھولنے لگا۔ کاغذ پر کچھ تحریر تھی جسے پڑھ کر جگدیش کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں اس نے اسے میز پر رکھ دیا اور چاروں طرف تجسس آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

آصف کاغذ اٹھا کر پڑھ رہا تھا۔

"جگدیش، آصف اور انور صاحبان! مجھے آپ سے ہمدردی ہے آپ حضرات نے شاید ابھی تک طریقہ قتل پر غور نہیں کیا۔ آپ یقین کیجیے کہ اس کے چہرے کا گوشت اس کے ختم ہو جانے کے بعد کاٹا گیا ہے اس سے اس کی موت کا کوئی تعلق نہیں لیکن اس کے بقیہ جسم پر کوئی اور دوسرا زخم بھی نہیں ہے۔ ذرا ذہن پر زور دیجیے مقتول کی بائیں پنڈلی پر آپ نے ایک نیلے رنگ کی دھاری دیکھی ہوگی وہ دھاری ہی دراصل اس کی موت کا باعث بنی تھی۔ آپ یقین کیجیے کہ پوسٹ مارٹم کے وقت اس دھاری سے ایک باریک سی سوئی برآمد ہوگی۔ زہر میں بجھائی ہوئی سوئی۔ جان لینے کا یہ طریقہ میکسیکو کے قدیم باشندوں کی ایجاد ہے۔ اسپینی جنرل کورٹے کے سینکڑوں سپاہی انہیں زہریلی سوئیوں کے شکار ہوئے تھے ان کے استعمال کا طریقہ بڑا دلچسپ ہے یہ پتلی پتلی نلکیوں میں رکھی جاتی ہیں استعمال کے وقت انہیں ہونٹوں میں دبا کے پھونکتے ہیں۔ اس عمل سے سوئیاں برق رفتاری سے اچھل کر شکار کے جا چبھتی ہیں اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ جاتے ہیں۔ آپ ڈاکٹر کو فوراً مطلع کیجیے کہ وہ اس دھاری کا خاص طور سے خیال رکھے اور پھر اگر آپ وہ سوئی برآمد ہو جانے کے بعد بھی قاتل یا قاتلوں کو نہ پکڑ سکیں تو میں آپ حضرات کو خودکشی کا مشورہ دوں گا۔"

"یہ کون ہو سکتا ہے۔" جگدیش آہستہ سے بولا۔

"کوئی بھی ہو۔" انور نے کہا۔ "لیکن ہمیں اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔"

"مطلب......!" آصف متفکرانہ انداز میں بولا۔

"اسکا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ان سوئیوں اور نلکیوں کے لئے ان کی تلاشی لینی چاہیے۔"

انور نے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملے بغیر میں ایسا اقدام نہیں کر سکتا۔" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"آخر یہ مشورہ دینے والا کون؟" آصف نے کہا۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جگدیش کی نظریں پھر ان دونوں کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ زیب ہی کی میز پر کھانا کھا رہے تھے۔ بوڑھے کا جوان ساتھی ہال میں بیٹھی ہوئی عورتوں کو گھور رہا تھا۔

"میں اگر آپ کی جگہ ہوتا تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار نہ کرتا۔" انور نے جگدیش سے کہا۔

"آپ ہوتے ہی کیوں میری جگہ۔" جگدیش منہ بنا کر بولا۔

"بہرحال یہ لکھ لیجیے کہ یہ آپ کے بس کا روگ نہیں۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔

قبل اس کے کہ جگدیش کچھ کہتا وہ جا چکا تھا۔ جگدیش اور آصف بڑی دیر تک اس پراسرار پر گفتگو کرتے رہے لیکن کسی خاص نتیجے پر پہنچنا امر محال تھا۔

انہوں نے ایک بار پھر کلرک پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی لیکن نتیجہ وہی صفر۔

ہوٹل سے نکلے تو رائفل کلب کی ایک موٹر دکھائی دی جس پر سے شام کے مقابلے کے لئے ان ہو رہا تھا۔ داخلہ ٹکٹ کے ذریعے تجویز کیا گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ خاصی بھیڑ ہو جائے گی۔" آصف بولا۔

"چیز دلچسپ ہوگی۔" جگدیش نے کہا۔ "میرے خیال سے نشستیں مخصوص کرائی جائیں گی۔"

"میں اس کا انتظار کر لوں گا۔"

آصف چلا گیا۔ جگدیش کا ارادہ تھا کہ وہ بھی واپس جائے لیکن کچھ سوچ کر رک گیا۔ وہ ملکی لوگوں کا پیچھا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد فیصلہ کر لیا کہ وہ ان ڑی نظر رکھے گا۔ وہ پھر آرلیکچو میں واپس آ گیا۔ پانچوں غیر ملکی ڈائننگ ہال سے اٹھ گئے جگدیش نے پھر ہوٹل کا رجسٹر لے کر ان کے کمروں کے نمبر دیکھے اور اوپری منزل کی طرف

روانہ ہو گیا۔

وہ ایک طویل راہداری سے گزر رہا تھا۔ جس کے دونوں طرف کمرے تھے۔ یہ بھی بڑا عجیب اتفاق تھا کہ ان پانچوں کو سلسلے وار خالی کمرے مل گئے تھے۔ جگدیش ان نمبروں پر اچٹتی نظر ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اسے مخاطب کیا جگدیش مڑا جس بوڑھے کو اس نے ڈائننگ ہال میں دیکھا تھا اس کا جوان ساتھی اسے اشارہ سے بلا رہا تھا۔ اس کے بلانے کا طریقہ اتنا بھدا تھا کہ جگدیش اپنی توہین محسوس کئے بغیر نہ سکا۔ بہرحال طوعاً و کرہاً پلٹا۔

''تم حجام ہو۔'' اس نے جھٹکے دار بھدے لہجے میں پوچھا۔ یہ سوال اس نے غلط انگریزی میں کیا تھا۔

''تم ہوش میں ہو یا نہیں۔'' جگدیش بگڑ کر بولا۔

اس پر اس نے جگدیش کو الٹی سیدھی گالیاں سنا کر رکھ دیں قریب کے کمروں سے بوڑھا بھی نکل آیا۔ اس نے اپنے جوان ساتھی کو کھینچ کر پیچھے ہٹا دیا اور خود جگدیش سے معافی مانگنے کے بعد اپنے ساتھی کو ایک ایسی زبان میں ڈانٹنے لگا جو جگدیش کے لئے ناقابل فہم تھی۔

''آفیسر مجھے افسوس ہے کہ اس نے آپ کو حجام کہہ کر مخاطب کیا۔'' اس نے جگدیش سے انگریزی میں کہا۔ ''بات یہ ہے کہ یہاں پہلی بار آیا ہوں۔ ہمارے ملک میں صرف حجام ہی اس قسم کا یونیفارم پہنتے ہیں۔''

''آپ کہاں سے آئے ہیں۔'' جگدیش نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں ابھی ناخوشگواری تھی۔

''ہم پرتگال کے باشندے ہیں۔'' بوڑھا خوش اخلاقی سے جھک کر بولا۔ پھر اپنے ساتھی سے مخاطب کیا۔ ''آفیسر سے معافی مانگو۔''

''مجھے افسوس ہے۔'' اس نے لٹھ مار دیا۔ ''اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب بھی جگدیش کو حجام ہی سمجھنے پر مصر ہے۔''

جگدیش گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس بے موقع اور بے تکے واقعے نے اس کا موڈ خراب کر دیا تھا۔ وہ دوسرے کونے تک جا کر پھر واپس لوٹا۔ اس بار انور کی شرارت آمیز مسکراہٹ اس کا انتظار کر رہی تھی۔

''بڑے بدتمیز ہوتے ہیں یہ پرتگالی۔''

''لیکن تم یہاں کیا کر رہے ہو۔'' جگدیش اُسے گھور کر بولا۔

''کیوں کیا یہاں ٹہلنا منع ہے۔''

''میں تمہیں منہ لگانا پسند نہیں کرتا۔'' جگدیش نے خشک لہجے میں کہا۔

''لیکن میں تو آپ کو انسپکٹر پولیس سمجھتا ہوں۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔ ''بہرحال یہ خبر بڑے اخبار کے لئے بہت دلچسپ ثابت ہو گی کہ پرتگال کے باشندے یہاں کے پولیس والوں کو حجام سمجھتے ہیں۔''

انور جانے کے لئے مڑا۔

''ٹھہرو......!'' جگدیش آگے بڑھ کر بولا۔

انور پلٹ کر مسکرایا۔

''میں فریدی صاحب کی وجہ سے تمہارا خیال کرتا ہوں۔'' جگدیش نے کہا۔

''اور اسی وجہ سے میں بھی تم سے آج تک نہیں الجھا کہ فریدی صاحب تم پر مہربان ہیں۔''

جگدیش اُسے گھورتا رہا۔

''یہ خبر اخبار میں نہیں چھپے گی۔'' جگدیش سخت لہجے میں بولا۔

''اچھا دیکھا جائے گا۔'' انور نے کہا اور مدھم سروں میں سیٹی بجاتا ہوا نیچے چلا گیا۔

جگدیش کی بیزاری اور بڑھ گئی۔ اب وہ یہاں کسی قیمت پر بھی ٹھہرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی منہ لٹکائے ہوئے نیچے اتر رہا تھا۔

جگدیش شام تک پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن ہزار تقاضوں کے باوجود بھی نہ مل سکی۔ اس دوران میں آصف نے اسے اطلاع دی کہ تیغ زنی کے مقابلے کے ٹکٹ مل گئے ہیں اور سیٹیں بھی مل گئی ہیں۔ جگدیش کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی قسم کی تفریح میں حصہ لے۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ وہ انور کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا اور وہاں جانے پر اس سے

ملاقات یقینی تھی۔ تقریباً چھ بجے آصف پہنچ گیا اور جگدیش کو شدید انکار کے باوجود اس کے ساتھ جانا پڑا۔

نیشنل رائفل کلب کا وسیع میدان قناتوں سے گھرا ہوا تھا۔ اندر مختلف قسم کی کرسیوں سے درجوں کی تشکیل کی گئی تھی۔ نشستوں کا انتظام دائرے کی شکل میں کیا گیا تھا۔ وسط میں اسٹیج بنایا گیا تھا جو چاروں طرف سے کھلا ہوا تھا۔

ٹھیک سات بجے ڈان ونسنٹ اسٹیج پر نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔

اناؤنسر نے مجمع سے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "ہمارے کلب کے چند نامور شمشیر زن ڈان ونسنٹ سے مقابلہ کریں گے۔" اس کے بعد اس نے کلب کے ایک ممبر کے نام کا اعلان کیا۔ ایک نوجوان شمشیر زن شمشیر تولتا ہوا اسٹیج پر آیا اور تلواروں کے جھنکار سے فضا معمور ہوگئی۔

چند ہی لمحوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ مقابلہ کرنے والے کی تلوار زمین پر تھی اور ڈان ونسنٹ کی تلوار اس کے سینے پر۔

"بہت پھرتیلا ہے۔" جگدیش نے آصف سے کہا۔

"مجھے تو امید نہیں کہ کوئی اسکے مقابلے میں کامیاب ہو سکے۔" آصف آہستہ سے بڑبڑایا۔

آصف کا خیال صحیح تھا۔ اس نے صرف آدھے گھنٹے میں سارے مقابلہ کرنے والوں کو زیر کرلیا۔ وہ کسی تدبیر سے ان کے ہاتھ سے تلوار نکال دیتا تھا۔

"خواتین و حضرات۔" ڈان ونسنٹ نے مجمع کو اپنی طرف مخاطب کیا۔ "مجھے افسوس ہے آپ میں سے کوئی بھی مجھے زیر نہ کرسکا۔ میں نے آپ کے ملک کے تیغ زنوں کی بڑی تعریف سنی تھی۔ لیکن میں آپ کو الزام نہ دوں گا۔ یہ فن آہستہ آہستہ ساری دنیا سے ختم ہوتا جا رہا ہے۔ دنیا کا ایک حصہ ایسا ہے جہاں کے لوگوں نے آتش گیر اسلحوں کی موجودگی میں بھی اس فن کی حفاظت کی ہے۔ اور مجھے فخر کے ساتھ اس بات کا اعلان کرنے دیجئے کہ وہ حصہ میرا وطن میکسیکو ہے۔"

"یہ قطعی جھوٹ ہے۔" ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ لوگوں کی نظریں اس طرف اٹھ گئیں۔

جگدیش کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔ یہ وہی بوڑھا پرتگالی تھا جس کے جوان ساتھی نے اُسے ... سمجھا تھا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" ڈان ونسنٹ نے اُسے للکارا۔

"میں کہنا چاہتا ہوں کہ میکسیکو کے باشندے جھوٹی شیخی بگھارتے ہیں۔"

"صاف صاف کہو۔" ڈان ونسنٹ بگڑ کر بولا۔

"میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پرتگالی بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے۔"

"کیا زبانی؟" ڈان ونسنٹ کے لہجے میں تمسخر تھا۔

"نہیں...... اس کا اظہار میری تلوار کرے گی۔"

"مجھے منظور ہے۔" ڈان ونسنٹ مسکرا کر بولا۔ پھر مجمع سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔"

"قطعی نہیں...... قطعی نہیں......!" بے شمار آوازیں آئیں۔

بوڑھے کے لئے کلب کے سیکریٹری نے ایک تلوار منگوائی جسے وہ دو تین منٹ تک مختلف زاویئے سے دیکھتا رہا...... پھر وہ اسٹیج پر پہنچ کر مجمعے سے مخاطب ہوا۔ خواتین و حضرات! میں اپنی اس بے موقع دخل اندازی پر شرم سار ہوں۔ اگر سی نور ڈان ونسنٹ ساری دنیا کو نہ للکارتے تو میں یہ دلیری ہرگز نہ کرتا۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" مجمع بے تابانہ انداز میں چیخا۔

اناؤنسر تھوڑی دیر تک بوڑھے سے سرگوشیاں کرنے کے بعد بلند آواز میں بولا۔

"موسیو البرونو پرتگال کے باشندے ہیں وہ خود کو تیغ زنی کا ماہر نہیں سمجھتے لیکن پھر بھی سی نور ڈان ونسنٹ جیسے مشہور تیغ زن سے مقابلہ کرنے جا رہے ہیں۔"

اس کے بعد اناؤنسر نے ڈان ونسنٹ کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر تک پھر سرگوشیاں ہوتی رہیں۔

"خواتین و حضرات۔" اناؤنسر کی آواز پھر سنائی دی۔ "یہ مقابلہ آدھے گھنٹے تک ہوگا موسیو البرونو کا دعویٰ ہے کہ وہ آدھ گھنٹہ میں ایک درجن تلواریں توڑیں گے۔"

”مجمع نے اس اعلان پر پرجوش تالیاں بجائیں۔“

دوسرے لمحے میں دونوں تلواریں سونت رہے تھے۔ اچانک ڈان ونسنٹ بوڑھے ال جھپٹا۔ البرونو نے اس کی تلوار اپنی تلوار پر روکی اور دونوں میں زور ہونے لگا۔ مجمع اس بڑا طاقت پر عش عش کر رہا تھا۔ دفعتاً البرونو حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ پیچھے ہٹا اور ڈان ونسنٹ زور میں تلوار سمیت زمین پر آ رہا۔ مجمعے نے تالیاں بجائیں ڈان ونسنٹ جلدی سے اٹھا لیکن اس کے ہاتھ میں آدھی تلوار تھی۔ اس نے جھلا کر ٹوٹی ہوئی تلوار زمین پر پٹخ دی اور تلوار کے لئے چیخا۔ بوڑھا اس انداز میں کھڑا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ دوسری تلوار ڈان ونسنٹ نے اسے للکارا لیکن اُس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس پر ٹوٹ پڑا۔ یہ حملہ خطرناک تھا۔ اگر البرونو ذرا سا بھی چوکتا تو تلوار اس کے سینے سے پار ہو جاتی۔ اناؤنسر اور دونوں چیخنے لگے۔ تفریحی مقابلہ خون کی پیاس میں تبدیل ہو چکا تھا لیکن ریفری ان کے آنے کی ہمت نہ کر سکا۔ دونوں وحشیانہ انداز میں تلواریں چلا رہے تھے۔ خصوصاً ڈان ونسنٹ جامے سے باہر ہو رہا تھا۔ دفعتاً پھر ایک زوردار جھنکار سنائی دی اور ڈان ونسنٹ کی تلوار ٹ گئی تھی۔ اب کی اس نے ٹوٹی ہوئی تلوار بوڑھے البرونو پر پھینک ماری لیکن البرونو نے ا تلوار پر روک کر ایک طرف ڈال دیا۔ اس کے چہرے پر غصے کے آثار کی بجائے ط مسکراہٹ تھی۔

مجمع نے چیخ کر آسمان سر پر اٹھالیا۔

ڈان ونسنٹ گھونسہ تان کر البرونو پر جھپٹا۔ بوڑھے نے اپنی تلوار ایک طرف ڈال دی اس اثناء میں ڈان ونسنٹ کا گھونسہ اس کے جبڑے پر پڑ چکا تھا۔ البرونو لڑکھڑا کر چار قدم ہٹ گیا لیکن اس کا جوابی حملہ اتنا سخت تھا کہ ڈان ونسنٹ کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ وہ اونچے نیچے لڑھک کر بیہوش ہو گیا۔

البرونو کو بیشمار آدمیوں نے گھیر لیا تھا اور اسکی تعریفوں کے پل باندھے جا رہے تھے لیکن کچھ بوکھلایا بوکھلایا سا نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔

”وہ پھر آ رہا ہے۔“ دفعتاً البرونو چیخا۔ لوگ دوسری طرف مڑے اور وہ نہایت صفائی

ان کے زغے سے نکل گیا لیکن انسپکٹر جگدیش کی نظریں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ وہ ایک طرف کی قنات چاقو سے پھاڑ کر باہر نکل گیا۔ جگدیش اس کی طرف لپکا۔ وہ بھی اسی راستے سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ کسی نے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی۔ جگدیش جھلا کر پلٹا لیکن وہ اتنے بڑے مجمع میں کسے ٹوک سکتا تھا اور پھر ایسی صورت میں جبکہ اس نے کسی کو صریحی طور پر دیکھا نہیں تھا۔

بہرحال اس پر اس کا بہت بُرا ردعمل ہوا۔ وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کوئی اسے دیکھ کر ہنس تو نہیں رہا ہے اس بوکھلاہٹ میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ کچھ دیر قبل البرونو سے دو دو باتیں کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

جگدیش نے دیکھا کہ انور کچھ دور کھڑا مسکرا رہا ہے۔ جگدیش بوکھلا کر اسکی طرف بڑھا۔

”اور اس وقت اس کم بخت نے تمہاری ٹانگ پکڑ لی۔“ انور ہنس کر بولا۔

”کون تھا......؟“ جگدیش نے بے اختیار پوچھا۔

”وہی جس نے دوپہر کو تمہیں حجام کہا تھا۔“

”اوہ......اور تم کھڑے دیکھتے رہے۔“

”نہیں......میں نے اسے پکڑنا چاہا تھا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔“

”وہ گیا کدھر......!“

”اگر یہی معلوم ہوتا تو پکڑ ہی نہ لیتا۔“ انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

جگدیش خاموش ہو گیا۔

”ڈان ونسنٹ زندہ ہے یا مر گیا۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”مرا تو نہیں لیکن مردے سے بدتر ہے۔“ انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

”میں نے اتنی خوفناک تیغ زنی آج تک نہیں دیکھی۔“

”اس بوڑھے کے جسم میں آدمی کی روح نہیں معلوم ہوتی۔“

”مجھے یقین ہے کہ اگر ڈان ونسنٹ قاعدے سے مقابلہ کرتا تو بوڑھا اپنے وعدے مطابق آدھے گھنٹے میں ایک درجن تلواریں ضرور توڑ دیتا۔“ جگدیش نے کہا۔

"مجھے تو اسے بوڑھا کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔" انور نے کہا۔ "مجھے شبہ ہے کہ
نہیں ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"اگر تم اپنے چہرے پر مصنوعی سفید ڈاڑھی لگالو تو کیا سچ مچ بوڑھے ہو جاؤ گے۔"

"مگر اس کی ڈاڑھی مصنوعی نہیں معلوم ہوتی۔" جگدیش نے کہا۔

"معلوم نہ ہونا اور بات ہے۔ تم نے کھینچ کر تو دیکھی نہیں۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

دوسرا اجنبی

دوسرے دن کے اخبارات تیغ زنی کے حیرت انگیز مقابلے کی نت نئی کہانیاں سنا رہے تھے۔ پراسرار البرونو کی شخصیت پر نئے نئے زاویوں سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ایک اخبار اس معاملے میں سب سے آگے بڑھ گیا تھا۔ اس نے ایک پولیس انسپکٹر کی ٹانگ کے جانے والا واقعہ بھی پیش کیا تھا۔ لیکن پولیس انسپکٹر کا نام نہیں ظاہر کیا تھا۔

تقریباً گیارہ بجے انسپکٹر آصف انور کے دفتر میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی انور پہنچا آصف اس پر جھپٹ پڑا۔

"یہ کس انسپکٹر کی داستان تھی۔"

"تم سے مطلب......؟" انور نے بے رخی سے کہا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"تمہاری شامت تمہارے گرد منڈلا رہی ہے۔" آصف بھنا کر بولا۔

"اپنا کام دیکھو...... میں ہرگز یہ نہ بتاؤں گا کہ وہ کون تھا۔"

"پولیس تم پر توہین کا مقدمہ چلا دے گی۔"

"خیر اس صورت میں اس انسپکٹر کا گریبان پکڑ کر عدالت میں کھینچ لے جاؤں گا۔"

آصف بیٹھ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک انور کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"جگدیش نہ جانے کیوں تم سے ناراض ہے۔"

"تعجب ہے۔" انور حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "میں نے آج تک اس سے کوئی تعلق نہیں رکھا لیکن وہ پھر بھی ناراض ہے۔ میں اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"خیر چھوڑو! البرونو کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"وہی جو کچھ تم نے میرے اخبار میں پڑھا ہے۔"

"اس سے تو کوئی خاص خیال واضح نہیں ہوتا۔"

"تو پھر بس یہ سمجھ لو کہ میرا کوئی خاص خیال نہیں۔"

"لیکن وہ پھر دونوں غائب کیوں ہو گئے۔"

"کون......!"

"البرونو اور اس کا ساتھی۔"

"کہاں غائب ہو گئے۔" انور دلچسپی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

انہوں نے کل رات ہی کو آرلکچو ہوٹل چھوڑ دیا۔

"اور تم لوگ ان کی تلاش میں ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔

"ہاں......!"

"کیوں......؟"

"ڈان ونسنٹ کی حالت بہت ابتر ہے۔"

"اچھا اس لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا کیا ہوا۔"

"انتہائی حیرت انگیز۔" آصف دیدے پھرا کر بولا۔ "اس پراسرار خط کے مطابق سچ مچ اس کی پنڈلی سے ایک زہریلی سوئی برآمد ہوئی ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ موت کا باعث اس سوئی کا زہر ہی ہوا ہے۔"

"اور پھر تم نے ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں کی تلاشی نہیں لی۔"

"اس وقت تو یہی کر کے آ رہا ہوں۔" آصف نے کہا۔ "آخر تم اتنے بداخلاق کیوں ہو گئے ہو۔ اتنی دیر سے تم نے ایک بھی سگریٹ نہیں پیش کیا۔"

انور نے سگریٹ کا ڈبہ دراز سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ہاں تو پھر کیا ہوا......؟"

"کچھ نہیں...... ان کے پاس سے کوئی بھی قابل اعتراض چیز برآمد نہیں ہوئی۔" آ
سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"ہوں......!" انور کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تو تم نے ان کا
چھوڑ دیا۔"

"نہیں ایسا تو نہیں۔ ہماری نظریں اب بھی ان پر ہیں۔ لیکن اب ہم سارا زور البرونو کا
لگانے میں صرف کررہے ہیں۔"

"آخر کیوں؟" انور اسے گھور کر بولا۔ "کیا ڈان ونسنٹ نے اسکے خلاف کوئی بیان دیا ہے؟"

"ہاں......!"

"کیا......؟"

"یہی کہ لندن میں اس کا جھگڑا چند پرتگالیوں سے ہوگیا تھا اور وہ ان کے جان کے
ہوگئے تھے۔ ڈان ونسنٹ کا خیال ہے کہ البرونو انہیں میں سے ہے اور اس کے ساتھیوں کو نقص
پہنچانا چاہتا ہے۔ اس کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کل والی لاش کا تعلق البرونو ہی
ہے۔"

"وہ کیسے......!"

"ڈان ونسنٹ کہتا ہے کہ شاید اس نے میرے ساتھی کے دھوکے میں کسی اور آدمی کو
ڈالا ہے۔"

"بات تو کچھ قاعدے کی معلوم ہوتی ہے۔" انور نے کہا۔

"اور ان دونوں کا اس طرح غائب ہوجانا بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ مجرم ہیں۔" آصف
دوسرا سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"کیوں......؟"

"ان کا طریقہ کار کچھ عجیب سا ہے۔ اگر وہ واقعی مجرم ہیں تو ایسے مجرم آج تک م

ں سے نہیں گزرے۔"

"کیا تم داراب[1] کو بھول گئے۔" آصف نے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن داراب نے بھی کبھی بھرے مجمعے میں کسی پولیس انسپکٹر کی ٹانگ کھینچنے کی
نہیں کی۔"

"اوہ تو کیا یہ حرکت البرونو نے کی تھی۔"

"نہیں اس کے ساتھی نے۔"

"کس کی ٹانگ پکڑی تھی۔"

"بہت اچھے۔" انور طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"آخر بتا دینے میں کیا حرج ہے؟"

"میں غیرضروری باتیں کرنا پسند نہیں کرتا۔" انور نے قلم اٹھا کر کچھ لکھنا شروع کردیا۔

"شاید تم اس کیس میں دلچسپی نہیں لے رہے ہو۔"

"قطعی نہیں۔"

آصف تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی بے تکی ہانکنے کے بعد چلا گیا۔

انور رشیدہ کا انتظار کرنے لگا۔ وہ صبح سے غائب تھی اور ابھی تک آفس بھی نہیں آئی تھی۔
پہلا اتفاق تھا کہ وہ انور کو بتائے بغیر اتنی دیر کے لئے غائب ہوئی تھی۔ دونوں تقریباً دو ڈھائی
ماہ سے ایک ساتھ رہتے آئے تھے اور ایک دوسرے کے عادات و اطوار سے اچھی طرح واقف
لیکن رشیدہ کا آج کا رویہ انور کو الجھن میں ڈالے ہوئے تھا۔ وہ پچھلی رات سے ہی کچھ بے
سی نظر آرہی تھی۔ انور اسے رائفل کلب والے مقابلے میں لے گیا تھا اور رات ہی سے اس
اس کی بے چینی محسوس کرلی تھی۔ لیکن رشیدہ نے کافی استفسار کے باوجود بھی اس کی وجہ نہیں
تھی۔

گھڑی نے بارہ بجائے اور انور سارا کام چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ رشیدہ ابھی تک
آئی تھی۔ اس نے موٹر سائیکل اٹھائی اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

رشیدہ کے فلیٹ کا دروازہ باہر سے بند نہیں تھا۔ انور نے اطمینان کا سانس لیا۔

[1] داراب کے کارناموں کیلئے جاسوسی دنیا کا چودھواں ناول "تجوری کا گیت" جلد نمبر 4 ملاحظہ فرمائیے۔

دوسرے لمحے میں وہ دروازے پر ہولے ہولے دستک دے رہا تھا۔ دروازہ کھلا
سامنے کھڑی تھی لیکن خلاف توقع اس نے انور کا استقبال مسکراہٹ سے نہیں کیا۔ اس کے
پر زردی چھائی ہوئی تھی اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے نظر آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے
ساری رات جاگتی رہی ہو۔

"رشو......!" انور تحیر آمیز انداز میں بولا۔

رشیدہ خاموش رہی۔

"تم کہاں تھی؟"

رشیدہ تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "ابھی نہیں بتا سکتی"

"کیوں؟ کیا کوئی خاص بات......؟"

رشیدہ نے سر ہلا دیا۔

"آخر کیا......؟"

"کہہ تو دیا کہ ابھی نہیں بتا سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ میرے اندیشے محض وہم ہوں۔"

"پھر تم نے پہیلی بجھوا دی۔"

"میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی مگر ابھی نہیں۔"

"اور اس وقت الجھن میرا خاتمہ کر دے گی۔"

"اوہو......!" رشیدہ کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تمہیں میرا
پرواہ کب سے ہو گئی۔"

"جب تم ہنستی ہو تو مجھے ذرہ برابر بھی تمہاری پرواہ نہیں ہوتی۔ لیکن جب اداس ہوتی
میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔"

"تم آج آدمیوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔" رشیدہ پھر مسکرائی۔

"رشو...... نہ جانے کیوں میں آج تم سے لڑنے کے لئے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"کیوں......؟" رشیدہ اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

"یہی تو میں نہیں جانتا۔"

رشیدہ اسے بدستور گھورتی رہی۔

"تم رات سے پریشان نظر آ رہی ہو۔" انور پھر بولا۔ "آخر کیوں؟"

"میری طبیعت رات سے ٹھیک نہیں ہے۔"

"خیر اب تم مجھے بہلانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"چلو یہی سمجھ لو......" رشیدہ نے بے دلی سے کہا اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

انور تھوڑی دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

رشیدہ کا یہ عجیب غریب رویہ اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا۔ انور خیالات میں ڈوبا ہوا ٹیلی فون کا ڈائیل گھمانے لگا۔ پھر ماؤتھ پیس میں آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑانے کے بعد بولا۔ "ہیلو...... میں انور بول رہا ہوں...... ذرا جگدیش صاحب کو فون پر بلا دیجئے۔ اس نے ریسیور میز پر رکھ کر ایک سگریٹ سلگایا اور دھوئیں کا گنجان بادل چھوڑتا ہوا پھر ریسیور کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "ہیلو...... جگدیش صاحب...... اوہ...... مجھے افسوس ہے...... لیکن میں نے آپ کا نام تو نہیں دیا۔ آپ کے علاوہ وہاں اور بھی کئی پولیس انسپکٹر موجود تھے...... اور پھر اس طرح میں نے وہ کام کیا ہے کہ آپ کو اس کا فائدہ بھی معلوم ہوگا...... نہیں سمجھے...... اچھا تو سمجھئے...... میں نے یہ نہیں لکھا کہ ٹانگ کھینچنے والا البرونو کا ساتھی تھا...... اس سے وہ دونوں اس بات پر مطمئن ہو جائیں گے کہ پولیس ان کی طرف زیادہ دھیان نہ دے گی اور آپ اپنا کام کر گزریں گے...... ہاں ہاں...... لیکن اگر میری نیت میں فتور ہوتا تو میں حجام والے واقعے کو سب سے پہلے لکھتا لیکن میں نے اس کا ذکر تک نہیں کیا...... خیر ہاں تو البرونو اور اس کے ساتھی کا کیا رہا...... اوہ...... ابھی تک لاپتہ ہیں...... خیر اچھا شکریہ۔"

انور نے ریسیور رکھ دیا۔

سارا دن اسی الجھن میں گزر گیا کہ رشیدہ کی حالت میں غیر متوقع تبدیلی کا کیا باعث ہے وہ اپنے کمرے ہی میں رہی۔ انور نے کئی بار اس سے ملنا چاہا لیکن دروازہ نہ کھلا۔ رات کو تقریباً آٹھ بجے وہ باہر نکلی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سفری بیگ تھا اس نے انور کے دروازے پر دستک دی۔

دوسرے لمحے میں انور دروازے میں کھڑا اسے حیرت سے گھور رہا تھا۔

''یہ کیا خبط ہے۔''

''میں باہر جا رہی ہوں۔''

''آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے۔''

''میں ایک بہت بڑے خطرے کی بو سونگھ رہی ہوں۔'' وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

''رشو میں کان اکھاڑ لوں گا'' انور نے کہا لیکن رشیدہ پر اس جملے کا کوئی اثر نہ ہوا۔

انور سمجھا تھا کہ وہ پھر اپنے پرانے موڈ میں آجائے گی مگر اس کے چہرے کی زردی میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا۔

''او بابا تم کچھ بتاؤ نا......؟'' انور چڑ کر بولا۔

''وقت نہیں ہے۔ میں جلد ہی واپس آجاؤں گی۔ ہوسکتا ہے کہ سب وہم ہو۔ لیکن مجھے احتیاط برتنی پڑے گی۔ میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گی...... مگر......!''

بارجے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ رشیدہ چونک کر مڑی۔ آنے والا رک گیا۔ وہ اندھیرے میں تھا اور رشیدہ کے چہرے پر انور کے کمرے کی روشنی پڑ رہی تھی۔

''کون ہے۔'' انور نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''سی نورا رومولی......!'' ایک تیز قسم کی آواز سنائی دی اور رشیدہ لڑکھڑا کر انور کے بازوؤں میں آ رہی۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

''انور...... جلدی...... انور......!'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔ انور نے اسے کمرے کے اندر کھینچ کر ایک صوفے پر ڈال دیا اور خود دروازے پر جم گیا۔

''تم کون ہو......؟''

آنے والا اندھیرے سے روشنی میں آ گیا۔ یہ ایک پستہ قد مگر مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ انور اس کی رنگت دیکھ کر بے اختیار چونک پڑا۔ تانبے جیسا سرخی مائل رنگ مگر وہ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا۔ انور کو ان سب کی صورتیں بخوبی یاد تھیں۔

''دوست......!'' اس نے آہستہ سے انگریزی میں کہا۔

''یعنی......؟'' انور نے سوالیہ انداز میں کہا۔ اس کے لہجے میں سختی تھی۔

''مجھے اندر آنے دو میں خود کو محفوظ نہیں سمجھتا۔'' اس نے کہا اور کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ انور کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ میز پر پڑے ہوئے چاقو پر تھا۔

''جہاں کھڑے ہو وہاں سے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کرنا۔'' انور تیز لہجے میں بولا۔ ''میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوا۔''

اجنبی نے مسکرا کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

''سی نورا رومولی......!'' وہ پھر آہستہ سے بولا۔

رشیدہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی اور اجنبی کو اس طرح گھور رہی تھی جیسے اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

''تم کون ہو۔'' انور پھر گرجا۔

''دوست...... میں دوست ہوں...... ابھی سی نورا خود بتائے گی۔'' اس نے اپنے چہرے پر لگی ہوئی گھنی مونچھیں اتار دیں۔

''ڈیگاریکا......!'' رشیدہ آہستہ سے بولی اور تیزی سے اس کے قریب آ گئی۔ انور کے ہاتھ سے چاقو چھوٹ گیا۔

اجنبی رشیدہ کے سامنے دوزانو ہو گیا۔

انور کی حیرت اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہی تھی۔

ان دونوں نے ایک ایسی زبان میں گفتگو شروع کر دی جس کا ایک لفظ بھی انور کی سمجھ میں نہ آسکا۔

رشیدہ پہلے تو ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی پھر اچانک خوفزدہ نظر آنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ انور کی طرف مڑی۔

''انور اب تمہیں بہت جلد میرا راز معلوم ہو جائے گا لیکن ہم اس وقت جلدی میں ہیں۔

میں اس وقت جارہی ہوں کل کسی وقت تمہیں میرا ٹھکانہ معلوم ہو جائے گا۔“

انور نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

رشیدہ اور وہ اجنبی دروازہ کھول کر باہر نکل گئے اور پھر اچانک ایسا معلوم ہوا کہ جیسے بہت وزنی چیز بارجے پر گر پڑی ہو۔ انور جھپٹ کر باہر نکلا لیکن دوسرے لمحے میں اس کی آنکھوں کے قریب بجلی سی چمکی اور وہ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

نہ جانے کتنی دیر بعد وہ اندھیروں کے تانے بانے سے آزاد ہو سکا۔ کنپٹی بُری طرح دکھ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کئے اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے کا ارادہ کیا لیکن اچانک اس کا ذہن جاگ اٹھا اور کچھ دیر قبل پیش آئے ہوئے واقعات آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ اس نے رشیدہ اور پراسرار اجنبی کو باہر جاتے دیکھا تھا پھر ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی پر اچانک حملہ کیا گیا ہو۔ وہ پھرتی سے باہر نکلا تھا اور شاید وہ کسی کا مکا ہی تھا جس نے اس کے سر کی ہڈیاں تک ہلادی تھیں۔

انور نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے ہی کمرے میں تھا لیکن اسے پھر آنکھیں بند کر لینی پڑیں اور وہ سوچنے لگا کہ وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا ہے۔ بوڑھا البرونو صوفے پر بیٹھا ٹیبل لیمپ کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

انور کا سر چکرانے لگا۔ آخر یہ بوڑھا آدمی ہے یا بھوت۔ لیکن اسکی موجودگی کا مطلب اسی نے اس پر حملہ کر کے بے ہوش کر دیا تھا۔ انور کا ذہن تیزی سے سوچنے لگا۔ کیا رشیدہ لئے خائف تھی وہ پراسرار اجنبی کون تھا جسے دیکھ کر پہلے تو وہ بُری طرح خائف ہو گئی تھی لیکن اس انداز میں گفتگو کرنے لگی تھی جیسے اسے برسوں سے جانتی تھی۔ رنگت کے اعتبار سے وہ ڈان دنسنت ہی کا ہم وطن معلوم ہوتا تھا لیکن رشیدہ اسپینی زبان کیا جانے۔ وہ اس طرح اس زبان میں گفتگو کر رہی تھی جیسے وہ اس کی مادری زبان ہو۔ اس کا ذہن پھر البرانو کی طرف گیا۔ کیا سچ مچ البرانو ہی اس غیر ملکی کا قاتل تھا مگر کیوں؟ کیا اس وقت اس نے رشیدہ اور اس کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور تو کیا، اس نے رشیدہ کو قتل کر دیا ہوگا...... رشیدہ کو۔

انور کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں اس نے پھر آنکھیں کھولیں۔ البرونو بدستور کتاب میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں میں ایک موٹا سا سگار تھا جو شاید بجھ چکا تھا۔ انور

لئے اچھلا اور یک لخت البرونو پر جا پڑا۔ بوڑھا اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ لیکن وہ پھر بھی سنبھل گیا۔ دوسرے لمحے میں اس کی فولادی انگلیاں انور کی کلائیوں میں بُری طرح چبھ رہی تھیں۔ بوڑھے کی نشست میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے انور کو اپنی بانہوں میں جکڑ لیا اور اب وہ اس کا سر اپنے ہاتھ میں لئے اس طرح اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی چھ ماہ کا شیر خوار بچہ ہو۔

”شور مچانے کی ضرورت نہیں۔“ وہ آہستہ سے انگریزی میں بولا۔

انور پر سکتہ سا ہو گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اب زندگی بھر اس کی ٹانگوں کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکے گا۔

”البرونو تمہارا دشمن نہیں۔“ وہ پھر بولا۔ ”اگر وہ دشمن ہوتا تو یہاں ٹھہرتا ہی کیوں؟ تم کوئی احمقانہ حرکت نہیں کرو گے۔“

البرونو نے گرفت ڈھیلی کر دی اور انور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ البرونو کی حالت میں کسی قسم کا کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور پہلے کی طرح پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی لیکن آنکھیں جذبات سے عاری اور سرد تھیں۔ انور کے سارے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ البرونو نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ انور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں البرونو کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

”میں جانتا ہوں تم جو کچھ سوچ رہے ہو۔“ البرونو بولا۔

”کیا......؟“ انور نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

”یہی کہ کاش اس وقت تمہارا دوست انسپکٹر آصف یہاں آ جاتا۔“

انور بے اختیار چونک پڑا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ آخر البرونو سے اس کا کیا تعلق اور وہ اس کے بارے میں اتنی معلومات کیسے رکھتا ہے؟

”تمہیں یہاں میری موجودگی پر حیرت ہو رہی ہے۔“ البرونو پھر مسکرایا۔

”آخر تم چاہتے کیا ہو؟“ دفعتاً انور اٹھ کر چیخا۔

”صبر......صبر......!“ البرونو نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ”اگر میں موقع پر نہ پہنچ جاتا تو تم

کہیں اور ہوتے۔"

"وہ لڑکی کہاں گئی؟" انور بے صبری سے بولا۔

"یہ ابھی نہیں بتایا جاسکتا۔ میں خود نہیں جانتا۔ لیکن وہ خود نہیں گئی زبردستی لے جائی گئی ہے۔"

انور پھر اُسے گھورنے لگا۔

"دیکھو بوڑھے، میں بہت خراب آدمی ہوں۔" انور بولا۔

"وہ تو تمہاری صورت سے ظاہر ہے۔"

انور پھر جھلا کر اٹھا۔

"دیکھو لڑکے! تم شاید اپنے ہاتھ پیر تڑوا کر ہی رہو گے۔"

"میں ڈان ونسنٹ نہیں ہوں۔" انور طنزیہ انداز میں بولا۔ "میں تمہارا غرور توڑ دوں گا۔"

البرونو نے قہقہہ لگایا۔

"جلد بازی ٹھیک نہیں مسٹر انور۔" وہ تھوڑی دیر بعد سنجیدگی سے بولا۔ "مجھے اطلاع ملی تھی کہ جرائم کی دنیا میں تم ایک بہترین دماغ ہو لیکن شاید وہ محض افواہ تھی۔ تم ایک معمولی آدمی سے بھی بدتر معلوم ہوتے ہو۔"

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انور نے اٹھنا چاہا۔

"ٹھہرو......!" البرونو اٹھتا ہوا بولا۔ "شاید یہ فون میرے لئے ہے۔"

اس نے ریسیور ہاتھ میں اٹھالیا۔ "ہیلو......ٹھیک...... میں یہاں دس منٹ تک اور انتظار کروں گا......جلدی کرو۔"

اس نے ریسیور رکھ کر بجھا ہوا سگار سلگایا اور دیوار سے لگی ہوئی ایک تصویر پر نظریں جمادیں۔ انور بُری طرح بوکھلایا تھا۔ نہ جانے وہ کیوں خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ اس کی ساری تیزی اور طراری رخصت ہوگئی تھی۔ وہ بوڑھے کی بے پناہ طاقت کا بھی اندازہ لگا چکا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اس سے بھی زیادہ برق رفتار ہے۔

کسی نے دروازے پر دستک دی۔ انور نے پھر اٹھنا چاہا لیکن بوڑھے کے ہاتھ کے

اشارے پر تین آٹھ کا ریوالور دیکھ کر ہمت جواب دے گئی۔ بوڑھا ریوالور کا رخ انور کیطرف کئے ہوئے آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھلا لیکن وہ داہنے پٹ کی آڑ میں ہوگیا۔

آنے والا انسپکٹر آصف تھا۔ انور اسے اشارہ کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ دفعتاً اُسے البرانو کی آنکھوں میں سفاکی کی جھلک دکھائی دی اور ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کی گردش کرنے کی صلاحیت یک لخت مفقود ہوگئی ہو اور اب وہ زندگی بھر اپنی آنکھیں اس کے چہرے پر سے نہ ہٹا سکے گا۔

"اوہو......!" آصف چہک کر بولا۔ "کیا بت بننے کی مشق کر رہے ہو۔"

اس کے اس جملے پر بھی انور کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور پھر آصف بے خودی میں پیچھے کی طرف مڑا۔ اس کا منہ پھیل گیا۔

"شش......!" البرونو پرسکون لہجے میں بولا۔ "شور نہیں...... ورنہ یہ ریوالور تم سے زیادہ شور مچانا جانتا ہے۔"

آصف کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے تحکمانہ لہجے میں بولا۔

آصف بیٹھ گیا۔ کبھی وہ انور کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی البرونو کی طرف۔

"مسٹر آصف کی جیب سے پستول نکال کر سامنے میز پر رکھ دو۔" البرونو نے انور سے کہا۔

انور نے تعمیل کی......لیکن میز کے قریب پہنچ کر وہ دفعتاً گھوم پڑا۔ البرونو کے ریوالور سے ایک شعلہ نکلا اور انور کے ہاتھ میں دبا ہوا ریوالور اچھل کر دور جا گرا۔

"میں اپنے ریوالور میں بے آواز کارتوس استعمال کرتا ہوں۔" البرونو مسکرا کر بولا۔ "میں شور نہیں پسند کرتا۔"

انور گھبرا کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن البرونو کی گولی پستول کی نال پر پڑی تھی اور اس کا ہاتھ محفوظ تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" البرونو کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میں یہاں دوسری کال کا انتظار کر رہا ہوں مجھے تم لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

آصف متحیرانہ انداز میں البرونو کو دیکھ رہا تھا۔ انور بے بسی سے بیٹھ گیا۔

"لیکن تم...... یعنی کہ تم......!" آصف اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

"اس کمرے میں میری موجودگی کا سبب پوچھنا چاہتے ہو۔" البرونو مسکرایا۔

آصف جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ڈان ونسنٹ کی حالت ابتر ہے۔"

"تو پھر اس سے کیا۔ وہ ایک مقابلے کے دوران زخمی ہوا تھا۔ سب سے پہلے اسی نے مجھ پر جارحانہ حملہ کیا تھا۔ خیر ہوگا میں کسی قسم کی صفائی نہیں پیش کرنا چاہتا۔ مجھے اطمینان ہے کہ جس وقت چاہوں گا یہاں سے چلا جاؤں گا۔ مجھے صرف ڈان ونسنٹ کی موت کا انتظار ہے۔"

"یہ تم ایک سی آئی ڈی انسپکٹر کے سامنے کہہ رہے ہو۔" آصف اسے گھور کر بولا۔

"میں تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔" البرونو نے مسکرا کر کہا۔

انسپکٹر آصف کو زندگی میں شاید ہی کبھی کوئی ایسا لمحہ آیا ہو جب کسی مجرم نے اس سے اس قسم کی گفتگو کی ہو۔ وہ انور سے بھی بوکھلایا ہوا نظر آنے لگا تھا۔

"لیکن تم یہاں سے نکل نہیں سکو گے۔" آصف ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

"میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔" البرونو نے ریوالور کا رخ آصف کی طرف پھیر دیا۔

"بیٹھ جاؤ......!" انور جھلا کر بولا۔ پھر البرونو سے کہنے لگا۔ "اگر یہ صحیح ہے کہ تم اس ابھی قیام کرو گے تو میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ......!"

"بری بات...... بری بات۔" البرونو اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "ذرا ذرا سی بات پر ناراض نہیں ہوا کرتے۔"

"لیکن یہاں اس وقت اس کی موجودگی کا مطلب۔" آصف نے انور سے پوچھا۔

"ان لوگوں نے رشیدہ کو اغوا کر لیا ہے۔" انور دانت پیس کر بولا۔

"یہ بکواس ہے۔" البرونو نے تلخ لہجے میں کہا۔

"پھر وہ کہاں گئی۔"

"کہہ تو دیا کہ میں نہیں جانتا۔"

"مجھ پر کس نے حملہ کیا تھا۔"

"میں یہ نہیں بتا سکتا۔"

"اس طرح تم ایک بہت بڑے جرم کے مرتکب ہو رہے ہو۔" آصف نے کہا۔

"جرائم تو میری جیب میں پڑے رہتے ہیں۔" البرونو لاپرواہی سے بولا۔

اتنے میں پھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ البرونو نے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا لیکن ریوالور کا رخ ابھی آصف اور انور ہی کی طرف تھا۔

"ہیلو......!" وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ "تم بہت دیر کر رہے ہو۔ کہو کیا رہا...... وہ ٹھیک ہے ...نے کی امید تو نہیں...... ٹھیک بہت اچھا...... تم وہیں ٹھہرو...... میں ابھی آتا ہوں۔"

البرونو ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑا۔

"اچھا دوستو! شب بخیر۔ تم دونوں دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ چلو جلدی میرے پاس وقت نہیں ہے۔ ضرورت پڑنے پر میں قتل بھی کر سکتا ہوں ٹھیک...... ہاں اسی کھڑے رہو۔"

البرونو نے کمرے سے نکل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا اور پھر بارجے میں پھیلی ہوئی ...میں اس کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی رہی۔

آصف دروازے کی طرف جھپٹا۔

"بیکار ہے۔" انور مردہ دلی سے بولا۔ "باہر سے دروازہ بند کر گیا ہے۔"

"بہرحال اسوقت بڑی بے عزتی ہوئی۔" آصف نے پریشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"ابھی اس سے بھی زیادہ بے عزتی ہونی باقی ہے۔" انور خشک لہجے میں بولا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"اس کمرے سے نکلنے کے لئے شور مچا کر نچلی منزل والوں کو بلانا پڑے گا۔"

یہ سن کر آصف سناٹے میں آ گیا۔ کم از کم اس عمارت کے لوگ اسے اچھی طرح جانتے تھے۔

"چیخو بھی چیخو۔" انور برا سا منہ بنا کر بولا۔ "ورنہ رات تمہیں یہیں بسر کرنی پڑے گی۔"

"یار یہ تو بڑا برا ہوا۔"

"میں اس کم بخت سے سمجھ لوں گا۔" انور بھنا کر بولا۔

"وہ تو بعد کی باتیں ہیں...... اس وقت کیا کیا جائے؟ اگر چیخ چیخ کر لوگوں کو بلائے تو خواہ مخواہ احمق بننا پڑے گا۔"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"رشیدہ کا کیا قصہ ہے۔" آصف نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"خود میں ہی نہیں سمجھ سکا تمہیں کیا بتاؤں گا۔" انور نے کہا۔ "لیکن اس وقت تم آ گئے۔"

"ادھر سے گزر رہا تھا سوچا تم سے ملتا چلوں۔"

"اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون......؟"

"چائے والا......!" باہر سے آواز آئی اور آصف کا چہرہ چمک اٹھا۔

"باہر سے بند ہے کھول لو بھئی۔" آصف پرمسرت لہجے میں بولا۔

دروازہ کھلا اور قریب کے ہوٹل کا ایک لڑکا ٹرے میں چائے لئے ہوئے داخل ہوا۔

"تم سے چائے کے لئے کس نے کہا تھا۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔

لڑکا سہم گیا۔

"ایک صاحب نے۔"

"کون تھا......؟"

"میں پہچانتا نہیں لیکن انہوں نے آپ کا پتہ بتایا تھا۔"

"اس کا حلیہ......!" آصف نے پوچھا۔

"بوڑھے تھے، ڈاڑھی تھی۔ ہرے رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھے۔"

انور آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا اس نے تمہیں سے کہا تھا۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں...... منیجر صاحب سے میں قریب ہی کھڑا تھا۔"

"کیا تم انگریزی سمجھ لیتے ہو۔"

"نہیں منیجر صاحب نے مجھے بتایا تھا، وہ صاحب چائے کے پیسے بھی دے گئے ہیں۔"

"اچھا...... اچھا تھوڑی دیر بعد برتن لے جانا۔" انور نے کہا۔

لڑکا چلا گیا۔

"یار اس بوڑھے نے سچ مچ دماغ خراب کر دیا ہے۔" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں نے بڑے بڑے مجرموں کا سامنا کیا ہے...... لیکن یہ بوڑھا......" انور سگریٹ سلگاتے ہوئے سوچنے لگا۔

"کیوں......؟ کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں! رشیدہ کا معاملہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"آخر بات کیا ہے۔" آصف نے پوچھا۔

"ٹھہرو......!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "بوڑھا ہمیں مستقل طور پر بیوقوف بنائے جا رہا ہے۔ کیا چائے پیو گے؟ عجیب احمق ہو۔ اٹھو جلدی کرو۔"

آصف کھڑا ہو گیا۔ دونوں باہر نکلے۔ آصف اس کے کہنے پر عمل تو کر رہا تھا لیکن بے دلی سے۔ اس نے کئی بار انور سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن انور جلدی میں تھا۔ اس نے نیچے آ کر گیراج سے موٹر سائیکل نکالی اور دونوں اس پر بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔

"کہاں چلو گے؟" آصف نے پوچھا۔

"ٹیلی فون ایکسچینج......!"

"کیوں......؟"

"البرونو کی دوسری کال ٹھیک دس بج کر پانچ منٹ پر آئی تھی۔ ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئے کہ وہ کہاں سے آئی تھی۔"

"معلوم تو ہو جائے گا۔" آصف نے کہا۔ "لیکن بوڑھا بہت چالاک ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"وہ اس قسم کی غلطی نہیں کر سکتا جس سے پکڑے جانے کا امکان پیدا ہو سکے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ تم اندر جا کر پتہ لگاؤ۔ میرا فون نمبر تو جانتے ہی ہو۔" انور نے کہا۔

ٹیلی فون ایکسچینج کے قریب پہنچ کر انور نے موٹر سائیکل روک دی اور آصف اتر کر عمارت میں داخل ہوا۔

انور فٹ پاتھ پر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ رشیدہ کے متعلق آصف کو بتائے یا نہ بتائے۔ خود رشیدہ کے رویئے نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ کون سی ایسی بات تھی جس کے لئے رشیدہ اس راز داری سے کام لے رہی تھی اور یہ بھی خیال ہے کہ اس پراسرار اجنبی کے ساتھ اپنی خوشی سے گئی تھی اور پھر اس کے بعد کے واقعات نے معاملے کو اور بھی الجھا دیا تھا۔ آنے والا ڈان ونسنٹ ہی کا ہم وطن معلوم ہوتا تھا اور ڈان ونسنٹ کے بیان کے مطابق پرتگالی بوڑھا البرونو اس کا دشمن تھا۔ لیکن وہ اجنبی ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا۔ انور کو ان کی شکلیں اچھی طرح یاد تھیں۔ پھر وہ کون تھا۔ انور سوچنے لگا۔ کہاں سے آیا تھا۔ ان پانچ غیر ملکیوں کے علاوہ سفارتخانے میں کسی اور کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ پھر وہ مقتول کون تھا......؟ اور وہ اجنبی......؟

انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔

تھوڑی دیر میں آصف مدھم سروں میں سیٹی بجاتا ہوا عمارت سے نکلا۔

"میرا خیال عموماً غلط نہیں ہوتا۔" اس نے کہا۔

"کیا ہوا......!"

"دس بجکر پانچ منٹ پر تمہارے فون کی کال دولت گنج پبلک ٹیلی فون پوسٹ سے ہوئی تھی۔"

"اوہ......!" انور مایوسانہ انداز میں بولا۔ "تب تو بیکار ہے۔ وہاں سے کیا معلوم ہو سکے گا۔"

"تم نے رشیدہ کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"تمہیں کیا بتا سکتا ہوں جبکہ خود مجھے ابھی تک کچھ نہیں معلوم۔"

"لیکن ابھی تھوڑی دیر قبل تم البرونو پر اسکے اغواء کا الزام لگا رہے تھے۔" آصف نے کہا۔

"بھئی معاملہ کچھ عجیب سا ہے۔ رشیدہ کہیں باہر جانے کے لئے تیار تھی۔ میں اس کے ساتھ باہر نکلا تھا کہ کسی نے اچانک مجھ پر حملہ کر دیا جب مجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ میں پلنگ پر

ہوں اور البرانو کمرے میں بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا ہے۔"

"اور رشیدہ......!"

"میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں گئی۔"

"وہ کہاں جانے کے لئے تیار تھی۔"

"اس نے بتایا نہیں تھا۔"

"عجیب بات ہے۔" آصف نے کہا اور انور کو گھورنے لگا۔

انور نے ایک سگریٹ سلگائی اور دو تین گہرے گہرے کش لینے کے بعد بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ البرانو کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ ابھی تک اس کی کوئی حرکت سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ بات تو ظاہر ہی ہے کہ وہ ہمیں تنگ نہیں کرنا چاہتا۔!"

"کیوں؟ کیا وہ ابھی تک ہماری پوجا کرتا رہا ہے۔" آصف نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"نہیں......اگر وہ تنگ کرنا چاہتا......تو ہم صبح تک کمرے سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔"

"اونہہ ہوگا۔" آصف گردن جھٹک کر بولا۔ "ابھی مجھ سے سروکار ہی کیا......؟ جب کیس مجھ تک پہنچے گا اس وقت دیکھا جائے گا۔"

"جی ہاں...... اس دن تو وہ خود ہی ہاتھ باندھے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔" انور تلخ لہجے میں بولا۔

"خیر......خیر......میں ابھی اس پر رائے زنی کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں۔" آصف نے مسکرا کر کہا۔ "اچھا بھئی میں تو چلا......بس آ رہی ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسری بس نہ مل سکے گی۔ شب بخیر۔"

آصف انور کی طرف ہاتھ ہلاتا ہوا بس پر چڑھ گیا۔

انور نے ختم ہوتی ہوئی سگریٹ سے دوسری سگریٹ سلگائی اور خیالات میں ڈوبا ہوا کش پر کش لیتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ شاید زندگی میں پہلی بار اسے اتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بوڑھے البرونو کا تصور اس کے غصے کی آگ بھڑکا دینے کے لئے کافی تھا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ دوسری ملاقات پر وہ بے دریغ اپنا ریوالور استعمال کرے گا۔ خواہ

بعد میں پھانسی ہی کیوں نہ ہو جائے۔

دفعتاً ایک ٹیکسی اس کے قریب سے گزری اور وہ بے اختیار اچھل پڑا۔ البرونو کا نوجوان ساتھی پچھلی نشست پر بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔ اس کے قریب سے گزرتے وقت ٹیکسی کی رفتار کم تھی۔ لیکن آگے جا کر اس کی رفتار تیز ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ انور اچھل کر اپنی موٹر سائیکل کی سیٹ پر آ رہا۔ دوسرے لمحے موٹر سائیکل ٹیکسی کا تعاقب کر رہی تھی ٹیکسی شہر سے ایک ویران راستے پر ہولی۔ انور بدستور اس کا تعاقب کئے جا رہا تھا۔ انور کا ارادہ محض تعاقب کا تھا مگر پھر ایک خیال نے اسے اس ارادے سے باز رکھا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ البرونو کے ساتھی کو یہیں روک کر پکڑ لیا جائے۔ ممکن ہے کہ منزل مقصود پر پہنچ کر البرونو سے بھی مڈبھیڑ ہو جائے ایسی صورت میں وہ تنہا کیا کر سکے گا۔

اس نے جیب سے ریوالور نکالا اور پے در پے فائر کرنے شروع کر دیئے۔ ٹیکسی رک گئی۔ انور کو توقع تھی کہ ادھر سے بھی فائر ہوں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔

اتنے میں اس کی موٹر سائیکل ٹیکسی کے برابر پہنچ گئی۔ ڈرائیور نیچے اتر آیا لیکن پچھلی سیٹ خالی تھی۔

''وہ ڈاکو کہاں گیا......!'' انور گرج کر بولا۔

''ڈ ڈ ڈاکو......!'' ڈرائیور بوکھلائے ہوئے لہجے میں ہکلایا۔

''ہاں ڈاکو! میں پولیس کا آدمی ہوں۔''

ڈرائیور نے پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا اور ''ارے'' کہہ کر اچھل پڑا۔

''یعنی......کیا......ڈ ڈاکو......ارے ارے۔'' ڈرائیور بُری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

''ہاں وہ کہاں گیا۔''

''یہیں تھا......یہیں۔'' اس نے پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

انور نے ابھی تک مشین بند نہیں کی تھی اور دونوں طرف زمین پر پیر ٹیکے موٹر سائیکل ہی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دفعتاً کوئی چیز اس کی پیٹھ میں چبھی۔

''خبردار......!'' پیچھے سے آواز آئی۔ ''اپنا ریوالور زمین پر ڈال دو۔''

ڈرائیور بچ کر ٹیکسی میں گھس گیا اور انور نے اپنا ریوالور زمین پر گرا دیا۔ البرونو کا ساتھی اطمینان سے اس کی موٹر سائیکل کے کیریئر پر بیٹھا اس کی کمر میں اپنے پستول کی نال چبھو
اس نے جھک کر انور کا ریوالور اٹھایا اور اپنی جیب میں ڈال لیا۔

''اب چلاؤ موٹر سائیکل......!'' البرونو کا ساتھی اکھڑی اکھڑی انگریزی میں بولا۔

''ذرہ برابر بھی میرے حکم کے خلاف کیا تو یہیں ختم کر دوں گا۔ سیدھے چلو۔''

موٹر سائیکل چل پڑی۔ انور بُری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ موٹر سائیکل کسی درخت سے ٹکرا دے۔ ایسی شکست اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

''داہنی طرف موڑ دو......!'' البرونو کا ساتھی تحکمانہ لہجے میں بولا۔

انور نے موٹر سائیکل موڑ دی۔ لیکن کچھ دور جا کر خود بخود بڑبڑانے لگا۔ آخر ایسی بھی کیا
اس نے جھلا کر مشین بند کر دی۔

''چلاؤ......!'' البرانو کا ساتھی چیخا۔

''نہیں......!''

''میں شوٹ کر دوں گا۔''

''کر دو......!''

''میں پھر سمجھاتا ہوں۔''

''نہیں سمجھتا......میں بزدل نہیں۔''

ایک زخمی

ان دونوں میں تکرار ہو رہی تھی کہ کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور گولی البرونو کے ساتھی کے کان کے قریب سے گزر گئی۔

''بیوقوف آدمی بھاگو......!'' وہ انور کو دھکا دیتا ہوا بولا۔

دوسرا فائر ہوا اور اس نے انور کا ہاتھ پکڑ کر جھاڑیوں کی طرف بھاگنا شروع کر دیا! انہیں وہ سمت معلوم ہو گئی تھی جدھر سے فائر ہو رہے تھے۔

"یہ ڈان ونسنٹ کے ساتھی معلوم ہوتے ہیں۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر انور سے "شکار کھیلو گے۔"

انور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔ اس نے سوچا ممکن ہے پولیس کے ہوں اور اگر نہ بھی ہوں تو وہ خواہ مخواہ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں سے کیوں الجھے۔

البرونو کا ساتھی اسے خاموش دیکھ کر بولا۔ "ہم بھاگ بھی سکتے ہیں مگر تمہاری موٹر یہیں رہ جائے گی۔ اور اگر ان لوگوں نے اسے پولیس کے سامنے پیش کر دیا تو تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔"

انور جواب دینے ہی والا تھا کہ پھر فائر ہوا۔

"آدمی ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔" البرانو کا ساتھی بڑبڑایا۔

"تو پھر تم بھی فائر کیوں نہیں کرتے۔" انور نے کہا۔

"نہیں اسے یہی سمجھنے دو کہ ہمارے پاس پستول نہیں ہے۔"

"کیوں......؟"

"میں اسے زندہ پکڑنا چاہتا ہوں۔ اس طرح وہ سامنے آ جائے گا۔"

"آخر تم لوگوں نے یہ کیا لغویت پھیلا رکھی ہے۔" انور بولا۔

"اسے لغویت نہ کہو۔ وہ دن دور نہیں جب تم ہماری شان میں قصیدے گاتے پھرو گے"

انور اسے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس نے اسے چپ کرا دیا۔

"شش...... خاموش وہ موٹر سائیکل کی طرف آ رہا ہے۔"

موٹر سائیکل کے قریب کوئی کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

"جلدی کرو...... ورنہ موٹر سائیکل گئی۔ وہ سمجھتا ہے کہ شاید ہم بھاگ گئے۔"

اس نے انور کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ حملہ آور موٹر سائیکل پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ وہ اس پر ٹوٹ پڑا۔ دونوں گتھے ہوئے زمین پر آ رہے۔

"خدا تم دونوں پر اپنی رحمت نازل کرے۔" انور نے بلند آواز میں کہا اور اچھل کر موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا۔

البرونو کا ساتھی چیخنے لگا۔ مگر موٹر سائیکل اسٹارٹ ہو چکی تھی اور اب اونچی اونچی زمین پر پھدکتی کودتی آگے بڑھی جا رہی تھی۔ انور راستے کا تعین کئے بے تحاشہ بھاگ رہا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اچانک پچھلے پہیے کا ٹائر ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا اور اسے مجبوراً موٹر سائیکل روک دینا پڑی۔ مگر وہ خطرے کی بو سونگھ چکا تھا۔ ٹائر خود بخود نہیں پھٹا تھا بلکہ اس پر کسی نے فائر کیا تھا۔ انور کود کر جھاڑیوں کی طرف بھاگنے لگا۔

"ٹھہرو......!" اسے پشت پر آواز سنائی دی۔

انور نے پلٹ کر دیکھا ایک آدمی رائفل لئے کھڑا تھا۔ اندھیرے میں صورت تو نہیں دکھائی دی لیکن اس کے قد و قامت سے انور نے یہ اندازہ ضرور لگا لیا کہ وہ اس سے پہلے بھی کہیں اسے دیکھ چکا ہے۔

دفعتاً اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور اجنبی نے قہقہہ لگایا۔

"تو یہ تم ہو۔" اجنبی نے انگریزی میں کہا اور انور نے اسکی آواز پہچان لی۔ یہ البرونو تھا۔

"تم نے مجھ پر گولی کیوں چلائی۔" انور گرج کر بولا۔

"مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔" البرونو نے آہستہ سے کہا اور اس کے قریب آ گیا۔

"لیکن تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو۔"

"تم سے مطلب......!"

"میں تمہاری دلیری کے قصے سن چکا ہوں۔" البرونو ہنس کر بولا۔ "لیکن میرا ایک ہی گھونسہ تمہیں بہشت کی سیر کرا دے گا۔"

"میں نے بھی تمہارا خاتمہ کر دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

"بہت اچھے۔" البرونو نے قہقہہ لگایا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "ممکن ہے تم سچ کہتے ہو لیکن میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ موٹر سائیکل سنبھالو اور میرے ہمراہ چلو۔"

"نہیں جاؤں گا۔" انور جھلا کر بولا۔

"چلو......!" البرانو نے اس کے سینے پر نال رکھ دی۔

مجبوراً انور نے موٹر سائیکل اٹھائی اور اسے دھکیلتا ہوا البرونو کے ساتھ چلنے لگا۔

شکست پر شکست۔ انور بُری طرح جھلایا ہوا تھا۔ البرونو کی شخصیت حد درجہ پراسرار ہوتی جارہی تھی۔ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔ پھر اس کا ذہن البرونو کے ساتھی کی طرف منتقل ہوگیا۔ معلوم نہیں اس کا کیا انجام ہوا۔ بہت ممکن ہے کہ اس پر حملہ آور پولیس ہی کا کوئی آدمی رہا ہو۔ کیا البرونو اس سے واقف تھا۔ انور نے سوچا کہ اسے کچھ دیر قبل والا واقعہ بتادے۔ مگر پھر ارادہ بدل گیا۔ آخر وہ اسے بتائے ہی کیوں۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" البرونو تھوڑی دیر بعد بولا۔

"یہی کہ میرا اور تمہارا تعلق ہی کیا؟ نہ جانے کیوں تم لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ رشیدہ کو اغواء کرنے کا مطلب کیا تھا۔"

"تو ابھی تک یہ خیال تمہارے دل سے نکلا نہیں۔" البرونو نے کہا۔ "خیر...... خیر...... ابھی تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

البرونو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے راستہ طے کررہا تھا۔ کئی کھائیاں اور نالے پھلانگنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے مکان کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"اندر چلو......!" البرونو نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

انور نے موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی کردی۔ وہ اس مکان کی ساخت پر غور کررہا تھا جس کی تعمیر کے سلسلے میں زیادہ تر لکڑی استعمال کی گئی تھی۔ قرب و جوار میں کچھ اور بھی ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے دکھائی دیئے۔ لیکن وہ سب ویران معلوم ہوتے تھے۔ غالباً یہ جھونپڑے خانہ بدوشوں کے بنائے ہوئے تھے۔ جن میں وہ وقتاً فوقتاً قیام کرتے رہے ہونگے۔ انور نے اس طرف کے خانہ بدوشوں کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔ فصل کٹنے کے زمانے میں وہ ان اطراف میں پھیل جاتے تھے دن میں تو کھلیانوں میں محنت مزدوری کرتے اور رات کو چوریاں کرتے تھے۔

"دروازہ ادھر ہے۔" البرونو نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"تمہاری دعوت کروں گا۔" البرانو اسے دھکا دیتے ہوئے بولا۔ انور بے تحاشہ پلٹ پڑا۔ انور کے ہاتھ سے رائفل گر گئی اور انور کا گھونسہ اس کی پیشانی پر پڑا۔

البرونو لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ انور پھر جھپٹا لیکن اس بار البرانو نے بُری طرح اس کی گردن پکڑلی کہ اسے دوسرے لمحے میں اپنی زندگی محال نظر آنے لگی۔

"احمق کہیں کے...... گدھے۔" البرانو آہستہ سے بڑبڑایا اور انور کو دھکیل کر اندر کردیا۔

اندر مٹی کے تیل کا چراغ جل رہا تھا۔ جس کی مدھم روشنی میں لکڑی کے اس کمرے کی فضا حد درجہ پراسرار معلوم ہو رہی تھی۔ سامنے نظر پڑتے ہی انور بے تحاشہ چونک پڑا۔ ایک چارپائی پر وہی اجنبی پڑا دکھائی دیا جس کے ساتھ رشیدہ کہیں جارہی تھی۔ انور نے پلٹ کر البرانو کی طرف دیکھا جو معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"کیا تم نے اسے مار ڈالا۔"

"نہیں...... آہستہ بولو۔ وہ سورہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کے سر میں پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔"

"وہ لڑکی کہاں ہے۔" انور نے بے ساختہ پوچھا۔

"اسے ڈان ونسنٹ کے آدمی لے گئے۔"

"کہاں......؟"

"ابھی یہ نہیں معلوم۔"

"تم جھوٹے ہو۔" انور گرج کر بولا۔

"تم پھر چیخنے لگے۔" البرونو نے تلخ لہجے میں کہا۔ "چلو باہر چلو۔"

دونوں باہر نکل آئے۔

تھوڑی دیر بعد ایک سایہ دکھائی دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بھاری وزن اٹھائے ہوئے ان کی طرف آرہا ہو۔ البرونو نے ٹارچ کی روشنی ڈالی اس کا ساتھی کسی کو پیٹھ پر لادے چلا آرہا تھا۔

"یہ کیا......؟" البرونو نے پوچھا۔

"شکار......!" اس نے اس آدمی کو زمین پر ڈالتے ہوئے کہا۔ البرونو کی ٹارچ بیہوش

کے چہرے کے گرد روشنی کا دائرہ بنا رہی تھی۔ انور نے پہلی ہی نظر میں اسے پہچان لیا۔ وہ

ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے ایک تھا۔

"تم ہم سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے۔" البرونو کے ساتھی نے انور کے کندھے پر ہاتھ

ہوئے کہا۔

انور نے اس کے ہاتھ کو جھٹک دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے گال پر ایک تھ

پڑا۔ انور نے بھی مکا تان لیا لیکن البرونو درمیان میں آ گیا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کو ڈا

شروع کر دیا۔ پھر دونوں نے مل کر ڈان ونسنٹ کے ساتھی کو اٹھا لیا اور کمرے میں لے آئے

البرونو نے اسے ایک لکڑی کے ستون کے سہارے کھڑا کیا۔ نیچے سے اوپر تک رسی سے جکڑ دیا۔

"یہ تمہیں ملا کہاں......؟" البرونو نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"یہیں جنگل میں......! میں انور کو گرفتار کر کے یہاں لا رہا تھا کہ درمیان میں آ کودا۔"

"لیکن تم انور کو کیوں لا رہے تھے۔" البرونو بگڑ کر بولا۔

"اس نے میرا تعاقب کرنے کی کوشش کی تھی۔" اس نے کہا اور سارا واقعہ دہرا دیا۔

البرونو ہنسنے لگا۔

ڈان ونسنٹ کے ساتھی کو جلدی ہوش آ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ

تھا۔

"ہیلو کامریڈ......!" البرونو طنزیہ انداز میں بولا "ہمارے پیچھے لگنا آسان کام نہیں ہے"

ڈان ونسنٹ کا ساتھی خوفزدہ نظر آنے لگا۔

"رومولی کہاں ہے۔" البرونو نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔"

"تمہیں بتانا پڑے گا۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں زخمی آدمی پر جمی ہوئی تھیں جو ابھی تک ہو

میں نہیں آیا تھا۔

"میں نہیں جانتا۔"

البرونو نے اس زور کا تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا کہ پانچوں انگلیوں کے نشان بن گئے۔

"بتاؤ......!"

"نہیں......!"

اب کی اس کے ہونٹوں پر گھونسہ پڑا اور منہ سے خون بہنے لگا۔

"بتاؤ کہاں ہے رومولی......؟"

"نہیں......!"

البرونو اپنے ساتھی کی طرف مڑا۔

"آتش دان میں کوئلے دھکاؤ۔"

اس کا ساتھی کمرے سے چلا گیا۔ انور خاموش تھا۔ وہ البرونو کی اس حرکت کو اچھی نظروں

سے نہیں دیکھ رہا تھا۔ البرونو نے پھر اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔

"یہ طریقہ بزدلانہ ہے۔" انور بے اختیار بولا۔

"بکومت......!" البرونو تلخ لہجے میں بولا۔ "تم ان لوگوں سے واقف نہیں ہو...... یہ اس

قابل کہاں ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی شریفانہ برتاؤ کیا جاسکے۔"

"تم نے آگ کیوں جلوائی ہے۔" انور نے کہا۔

"ایک خاص الخاص نسخہ جو صرف انتہا پسند قسم کے مریضوں کے لئے ہے۔" البرانو مسکرا کر

زخمی نے کراہ کر کروٹ بدلی اور یہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش

رہا تھا۔ اس کا منہ ڈان ونسنٹ کے ساتھی کی طرف تھا اور آنکھیں کھلتے ہی سب سے پہلے

نظر اسی پر پڑی۔

"ڈی سالٹ......!" اس نے آہستہ سے کہا اور گڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ستون سے بندھے

آدمی کی آنکھوں سے نفرت جھانکنے لگی۔

پھر اس کی نظریں البرونو کے چہرے پر پڑیں اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"لیٹے رہو۔" البرونو ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم بُری طرح زخمی ہو گئے ہو۔ تمہیں آرام کی
ضرورت ہے۔"

"مگر... مگر...!"

"تمہیں ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں نے زخمی کر دیا۔ رومولی کو اپنے ساتھ لے گئے
تمہیں یہاں اٹھا لایا۔"

"رومولی کو لے گئے۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔ "بہت بُرا ہوا بہت بُرا ہوا"

"لیکن تم اسے کہاں لے جا رہے تھے۔" انور گرج کر بولا۔

"سی نور...!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے امید ہے کہ تم اب بھی ایک اچھے دوست
ہو گے۔"

انور متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ڈی گاریکا۔" البرونو نے آہستہ سے کہا۔ "تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"اوہ تم! میرا نام بھی جانتے ہو۔" وہ متحیرانہ انداز میں البرونو کی طرف مڑا۔

"ڈان ونسنٹ کے دشمنوں کو مجھ سے زیادہ کون جانے گا۔" البرونو مسکرا کر بولا۔

"میں نے شمشیر زنی کے مقابلے میں تمہارے کمالات دیکھے تھے۔"

"خیر یہ بعد کی باتیں ہیں۔" البرونو سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "ہمیں سب سے پہلے
پتہ لگانا ہے۔"

"لیکن کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ تم رومولی میں کیوں دلچسپی لے رہے ہو"
گاریکا نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ کوئی خاص بات نہیں۔ مجھے ہر اس ہستی سے ہمدردی ہے جس سے ڈان ونسنٹ
رکھتا ہے۔"

"لیکن تم رومولی کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔" ستون سے بندھے ہوئے آدمی
ہوئی آواز میں کہا۔

البرونو کا ساتھی اسی کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے منہ سے دوسرا جملہ نکلنے سے پہلے

نے اس کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔

"چپ رہو خرگوش کے بچے۔" اس نے دوسرا تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا۔

"کوئلے دہک گئے۔" البرونو نے اس سے پوچھا۔ اس نے سر ہلا دیا۔

"ایک لوہے کی سلاخ آتشدان میں ڈال کر لاؤ....." البرونو نے کہا اور وہ باہر چلا گیا۔

ستون سے بندھا ہوا آدمی کانپنے لگا۔

"تو کیا... تم...!" ڈیگاریکا ہکلایا۔

"ہاں میں اس کی چربی نکالوں گا لیکن اگر یہ ہمیں رومولی کا پتہ بتا دے گا تو ہم اسے چھوڑ
دیں گے۔"

"ہرگز نہیں... ہرگز نہیں" ستون سے بندھا ہوا آدمی خوفزدہ آواز میں چیخا۔

البرونو کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ اس کا ساتھی گھبرائے ہوئے انداز میں داخل ہوا۔

"کیا ہے...؟" البرونو نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"پولیس... محاصرہ کیا جا رہا ہے۔"

"کدھر...!"

"سامنے کی جھاڑیوں میں کچھ آدمی دکھائی دیئے ہیں۔"

"اوہ... اچھا...!" البرونو نے کہا اور ڈان ونسنٹ کے ساتھی کی کنپٹی پر ایک زور دار
گھونسہ رسید کر دیا۔ اس کی گردن ایک طرف جھول گئی وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ البرونو اور اس کے
ساتھی نے جلدی جلدی اسے ستون سے کھول کر الگ کیا۔ انور متحیرانہ انداز میں ان کی یہ ساری
کارروائیاں دیکھ رہا تھا اور خود الجھن میں مبتلا تھا کہ اس کا کیا رویہ ہونا چاہئے۔

"تم ادھر آؤ...!" البرونو نے اسے ستون کے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"کیوں...؟"

"جلدی کرو... ورنہ تم بھی مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ تمہاری موٹر سائیکل اس قابل نہیں
ہے کہ تم اسے کہیں لے جا سکو۔ اگر وہ پولیس کے ہاتھ لگ گئی تو سارا کام بگڑ جائے گا۔"

البرونو کے ساتھی نے اسے دھکیل کر ستون کے قریب کر دیا اور پھر دونوں مل کر اسے

باندھنے لگے۔

اس سے فارغ ہو کر البرونو نے بے ہوش میکسیکن کو پیٹھ پر لاد لیا اور وہ دونوں ڈیگار(؟) سمیت دوسری طرف سے باہر نکل گئے۔

انور کی عجیب حالت تھی۔ اس وقت نہ تو اسے غصہ ہی تھا اور نہ رنج۔ کبھی اس کا دل چاہتا کہ وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور کبھی ہذیان بکنے کو دل چاہتا تھا۔ بوڑھے البرونو نے اس کی عقل خبط کر دی تھی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ اسے اپنی پوزیشن کا احساس ہونے لگا۔ اگر البرونو واقعی رشیدہ کا دوست تھا تو اس وقت اس نے اسے ستون سے باندھ کر بڑی عقلمندی کا ثبوت دیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو پولیس اس کے پیچھے پڑ جاتی اور یہ تو ظاہر ہی تھا کہ وہ موٹر سائیکل وہاں سے نہیں لے جا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں پولیس یقیناً اسے تنگ کرتی۔ بیک وقت دو تین فائر ہوئے اور گولیاں دیوار کے باہری حصے سے ٹکرائیں۔ انور نے آنکھیں بند کر کے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔

تھوڑی دیر بعد بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

''ارے......!'' جگدیش کی حیرت زدہ آواز انور نے پہچان لی۔ ''یہ تو انور ہے۔''

پھر کسی نے اس کا سر ہلایا۔ انور نے اپنی گردن ایک طرف ڈھلکا دی۔

''بے ہوش ہے۔'' کسی نے کہا۔

''لیکن وہ کہاں گئے۔''

''پیچھے چلو...... پیچھے۔'' کسی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد کسی نے انور کو کھول کر زمین پر ڈال دیا۔ وہ بدستور بے ہوش بنا رہا۔

''نہ جانے کمبخت کدھر نکل گئے۔'' جگدیش کی آواز آئی۔ ''اچھا اسے اٹھا کر لے چلو۔''

انور نے سوچا شاید انہوں نے اس کی موٹر سائیکل نہیں دیکھی لہٰذا اب اسے ہوش میں آ جانا چاہئے۔ ورنہ موٹر سائیکل یہیں رہ جائے گی۔

نمبر 5

دوسری لاش

دو کانسٹیبل اسے اٹھانے کے لئے بڑھے ہی تھے کہ اس نے کراہ کر کروٹ بدلی۔ جگدیش آوازیں دینے لگا۔

دفعتاً وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور آنکھیں مل مل کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''ارے......!'' وہ اٹھ کر کپڑے جھاڑتا ہوا بولا۔ ''مگر میری......!''

''تم یہاں کہاں......؟'' جگدیش آگے بڑھ کر بولا۔

''تم نے میری موٹر سائیکل دیکھی ہے؟'' انور نے اسکا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں...... میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم یہاں کیسے پہنچے۔''

''ایک لمبی داستان ہے......'' انور نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم نے انہیں گرفتار کیا یا نہیں۔''

''نہیں وہ نکل گئے۔''

''بہت بُرا ہوا...... بہت بُرا ہوا'' انور مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔

''تم یہاں کس طرح پہنچے۔'' جگدیش نے پھر سوال دہرایا۔

''تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ البرونو اور اس کے ساتھی رشیدہ کو پکڑ کر لے گئے۔'' انور نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ ڈان ونسنٹ کے آدمیوں میں سے بھی ایک موجود ہے۔

''اس کے ساتھی......؟'' جگدیش نے تحیر آمیز انداز میں دہرایا۔ ''تو کیا وہ کئی ہیں۔''

''میرا تو یہی خیال ہے کیونکہ میں نے یہاں تین آدمیوں کو دیکھا تھا۔ ان میں سے ایک تو......''

''تو کیا تمہیں بھی وہ لوگ پکڑ لائے تھے۔''

''نہیں۔'' انور نے کہا اور پورا واقعہ دہرانے کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں

البرونو کے ساتھی کو حملہ آور سے لڑتے چھوڑ کر نکل بھاگا لیکن تھوڑی ہی دور گیا ہوں گا کہ ک
فائر کر کے موٹر سائیکل کا پچھلا پہیہ بے کار کر دیا اور جب وہ قریب آیا تو میں نے اسے پہچانا
البرونو تھا۔ میں نے جھلا کر اس پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد کے واقعات مجھے یاد نہیں۔

"ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے کوئی دکھائی نہیں دیا۔" جگدیش نے گھور
ہوئے پوچھا۔

"نہیں......!" انور نے کہا۔ "مجھے اپنی موٹر سائیکل تلاش کرنی چاہیے۔"

"موٹر سائیکل تلاش کرو۔" جگدیش نے دو سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لیکن تم یہاں کس طرح پہنچے۔" انور نے جگدیش کیطرف سگریٹ بڑھاتے ہوئے پو
جگدیش نے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور متفکرانہ انداز میں چھت کی طرف دیکھ

"مجھے اس نے اطلاع دی تھی کہ" جگدیش نے ڈان ونسنٹ کے ساتھی کی طرف
کر کے کہا۔ "اس کا بیان ہے کہ البرونو اور اس کا ساتھی کسی لڑکی کو زبردستی اٹھائے جا رہے
اس نے اور اس کے ساتھی نے ان کا تعاقب کیا پھر یہ اپنے ساتھی کو یہاں چھوڑ کر ہمیں
دینے کے لئے باہر چلا گیا۔ بہر حال تو وہ لڑکی تمہاری دوست رشیدہ تھی۔ مگر تمہارے بیان
یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس اجنبی کے ساتھ اپنی خوشی سے گئی تھی۔"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اجنبی البرونو کا ساتھی تھا۔" انور نے کہا۔

"افسوس تو اس بات کا ہے کہ آصف سے کچھ نہ ہو سکا۔" جگدیش بولا۔

"آصف......!" انور تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "بے چارہ آصف کیا کر سکتا تھا۔"

جگدیش کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دونوں کانسٹیبلوں نے واپس آ کر موٹر سائیکل مل جا
اطلاع دی۔

"آخر البرونو کا رشیدہ سے کیا تعلق۔" جگدیش نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"میں کئی گھنٹے سے یہی گتھی سلجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"وہ اس کے پیچھے تو نہیں لگ گئی تھی۔" جگدیش نے پوچھا۔

"ممکن ہے لیکن اس نے مجھ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔"

"ضرور یہی بات ہے۔" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ
ر نوواتی دیر تک تمہارے یہاں کیوں ٹھہرا رہا۔"

"ممکن ہے کہ وہ مجھے اپنی غیر معمولی قوتوں سے مرعوب کرنے کی کوشش کرتا رہا ہو۔"

جگدیش خاموش ہو گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک متجسس نظروں سے کمرے کا جائزہ لیتا رہا پھر
ہونٹ تک اس طرح سکوڑ لئے جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"قرب و جوار کی جھونپڑیاں اجاڑ دو۔" وہ کانسٹیبلوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "اور اس لکڑی
مکان کو چور چور کر دو۔"

"مگر اس سے فائدہ۔" انور نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

جگدیش نے اسکی طرف اس طرح دیکھا جیسے اس بات کا جواب دینا کسر شان سمجھتا ہو۔

انور نے اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ ابھی اسے پولیس ہی کی لاری پر واپس
تھا۔ موٹر سائیکل تو بیکار ہی ہو چکی تھی۔

جھونپڑیاں اجاڑی جانے لگیں۔ وہ لوگ باہر نکل آئے تھے اور اب لکڑی کا مکان بھی توڑا
نے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ویران بستی اور زیادہ ویران ہو گئی۔

وہاں سے واپسی پر راستے میں جگدیش نے انور کو پھر چھیڑا۔

"رشیدہ کون ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔" جگدیش بگڑ کر بولا۔ "تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ اس کا البرونو سے کیا
واسطہ ہے۔"

"اگر میں یہی جانتا ہوتا تو تم مجھے اس حالت میں نہ دیکھتے۔"

"میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا۔" جگدیش منہ سکوڑ کر بولا۔

"میں نے تمہیں اس پر مجبور تو نہیں کیا۔" انور نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں تمہیں بند کر دوں گا۔"

"یہ بھی کر کے دیکھ لو۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"میں جو کہتا ہوں کر گزرتا ہوں۔"

"مجھے اس کا حال بھی خوب معلوم ہے۔ دعائیں دو فریدی صاحب کو جن کی بدولت کو انچارج بنے ہو۔"

"کیا مطلب......!"

"یہ کہانی بہت جلد اخبارات میں آنے والی ہے۔"

"مجھ پر تمہاری دھمکی کارگر نہیں ہو سکتی۔" جگدیش جھلا کر بولا۔

"کسی کو دھمکی دینا شریفوں کا کام نہیں۔" انور نے معصومانہ انداز میں کہا۔ "میں تو وہ حقائق پبلک کے سامنے لاؤں گا جن کی بناء پر تم نے ترقی کی ہے۔"

"میں فریدی صاحب کے خیال سے تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ ورنہ تم ابتک سڑ گئے ہوتے"

"میری استدعا ہے کہ تم فریدی صاحب کا خیال کرنا چھوڑ دو۔" انور نے ملتجیانہ انداز کہا اور جگدیش دانت پیسنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

"تمہیں میرے ساتھ کوتوالی چلنا پڑے گا۔"

"وہ تو میں خود ہی چلوں گا۔" انور نے کہا۔ "کیا تم البرونو کے خلاف میری رپورٹ نہ گے۔"

"اسی لئے لے چلوں گا۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔ لاری کے انجن کی آواز سناٹے میں دور دور تک پھیل رہی تھی۔ سگریٹ سلگا کر خیالات میں ڈوب گیا۔ رشیدہ اسے بُری طرح یاد آ رہی تھی۔ ابھی تک سے لاپرواہی برتتا آیا تھا مگر اب اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ رشیدہ کے بغیر زندگی نہیں سکتا۔ آخر ڈان ونسنٹ کے آدمیوں سے اس کا کیا تعلق؟ کیا واقعی رشیدہ کی ذات سے کوئی راز وابستہ ہے لیکن ان غیر ملکیوں سے اس کا کیا تعلق؟ اچانک انور چونک پڑا۔ ایک خیال سے اُس کے ذہن میں ابھرا تھا۔ اس نے جگدیش کی طرف دیکھا جو باہر پھیلی ہوئی تاریکی گھور رہا تھا۔

"ڈان ونسنٹ کے ساتھی نے البرونو کو کس وقت دیکھا تھا۔" انور نے جگدیش سے پوچھا۔

"ساڑھے نو بجے۔"

"اور اس کے ساتھ رشیدہ بھی تھی۔"

"ہاں......لیکن میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں کہ وہ رشیدہ ہی تھی۔ اس نے تو صرف ایک لڑکی کا کیا تھا۔"

"بہر حال اس کا یہ بیان حد درجہ دلچسپ ہے جبکہ البرونو ساڑھے نو بجے سے سوا دس بجے میرے کمرے میں رہا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم البرونو سے مل گئے ہو۔" جگدیش اُسے گھور کر بولا۔

"تو پھر آصف بھی مل گیا ہوگا۔" انور نے لاپرواہی سے کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ میرے اس بیان کی تصدیق آصف سے بھی کی جا سکتی ہے۔"

جگدیش اُسے پھر گھورنے لگا۔

"اگر یہ صحیح ہے تو ڈان ونسنٹ کے ساتھی کو کیا سمجھا جائے۔"

"بُزدل......!" انور نے سنجیدگی سے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ایک عرصے سے کھا جا رہا ہے کہ شہر میں ہونے والی بڑی وارداتوں میں تمہاری شخصیت کہیں نہ کہیں ضرور الجھتی ہے۔"

"یہ بھی تم لوگوں کی خوش قسمتی ہے۔" انور نے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

جگدیش نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دل دل میں پیچ و تاب کھا رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ کوتوالی پہنچ گئے۔ جگدیش نے انور کا بیان قلمبند کرنے کے بعد اسے نے کی اجازت دے دی۔ انور نے موٹر سائیکل وہیں کوتوالی میں چھوڑی اور ایک ٹیکسی کر کے ر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے شدت سے بھوک لگ رہی تھی۔ لیکن اس وقت شاید ہی کوئی ہوٹل

کھلا ہو کیونکہ دو بج رہے تھے۔

گھر پہنچ کر اس نے اسٹوپ جلایا اور ہوٹل سے آئی ہوئی ٹھنڈی چائے کو دوبارہ گرم کر
لگا۔

اس وقت سچ مچ اس کی حالت بالکل پاگلوں جیسی ہو رہی تھی۔ ذہن بُری طرح الجھا
تھا۔ یکے بعد دیگرے بے شمار سوالات ذہن کے تاریک گوشوں سے ابھرتے اور پھر ڈوب جا
اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے آہستہ آہستہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہوتی جا رہی ہوں ا
اب رشیدہ کو کبھی نہ پا سکے گا۔

پے در پے چائے کے دو تین کپ خالی کرنے کے بعد وہ پلنگ پر گر گیا۔

دوسرے دن صبح آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے اسے اپنی رات کی حماقت کا احساس
اس نے رات کوتوالی سے گھر واپس آنے کی بجائے ڈان ونسنٹ کے اس ساتھی کا تعاقب
نہ کیا جو پولیس والوں کے ساتھ تھا۔ البرونو کی متحیر کن حرکتیں خواہ کتنی ہی پراسرار کیوں نہ رہی
لیکن رشیدہ کے معاملے میں اس کا بیان کچھ نہ کچھ سچائی ضرور رکھتا تھا۔ انور سوچنے لگا ک
ڈیگاریکا البرونو ہی کا گرگا تھا تو اس نے ہوش میں آنے کے بعد البرونو کی موجودگی پر حیرت
کیوں کی تھی۔ اس کا وہ انداز استعجاب قطعی مصنوعی نہیں تھا۔

انور بے اختیار اٹھ بیٹھا۔ ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد اس نے کپڑے بد
اس ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا جہاں ڈان ونسنٹ آصف کے بیان کے مطابق زندگی کی آ
گھڑیاں گزار رہا تھا۔ کوتوالی راستے میں ہی پڑتی تھی۔ اس نے سوچا کہ لگے ہاتھ موٹر سائیکل
لیتا چلے۔ وہ کوتوالی کے پھاٹک کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ایک سپاہی نے اس کا راستہ روک لیا

"کس سے ملنا چاہتے ہو۔" سپاہی نے پوچھا۔

"میں اخبار کا رپورٹر ہوں۔"

"اندر جانے کا آرڈر نہیں۔"

"کب سے۔"

"آج سے ابھی سے۔"

"لیکن میں اخبار کا رپورٹر ہوں۔" انور نے احتجاجاً کہا۔

بحث ہو ہی رہی تھی کہ اندر آصف دکھائی دیا اور انور کو دیکھتے ہی اس نے اسے آنے کا
کیا اور سپاہی ایک طرف ہٹ گیا۔

آصف کچھ پریشان سا نظر آ رہا تھا۔

"آج پہرے والے روک کیوں رہے ہیں۔" انور نے اس سے پوچھا۔

"جلد لیش کی جھک ہے ورنہ اس سے کیا ہوتا ہے۔" آصف نے کہا۔

"آخر بات کیا ہے؟"

"کوئی نئی بات نہیں۔" آصف منہ بنا کر بولا۔ "یہاں کا قدیم رواج ہے کہ یہاں ایک قتل
ں کی بارش ہو جاتی ہے، کیوں؟"

"آج صبح ڈی سالٹ کی لاش ملی ہے۔"

"ڈی سالٹ......!" انور چونک کر بولا۔ اس نے یہ نام کہیں سنا تھا۔ "ڈی سالٹ" اس
ب بار پھر دہرایا۔

"ہاں وہ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے تھا۔" آصف نے کہا۔

انور کو یاد آ گیا۔ ڈیگاریکا نے اسے ڈی سالٹ ہی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ تو کیا البرونو نے
ل کر دیا۔

"اور اس کی موت بھی اسی زہریلی سوئی کی وجہ سے واقع ہوئی تھی۔" آصف سگریٹ
اتا ہوا بولا۔

"تو اسکا یہ مطلب ہوا کہ پہلی لاش بھی ڈان ونسنٹ ہی کے ساتھی کی تھی۔" انور نے کہا۔

"دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈان ونسنٹ اپنے بقیہ ساتھیوں سمیت کہیں غائب ہو گیا۔"

"ارے......!" انور کے لہجے میں تحیر تھا۔ "مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ نقل و حرکت بھی نہیں
سکتا۔"

"اس کی ظاہری حالت تو ایسی ہی تھی اور ڈاکٹروں کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ ایک ماہ سے
پہلے نہیں اٹھ سکے گا۔"

"تو ڈاکٹروں نے اسے جانے کیوں دیا۔"

"ڈاکٹروں کو اس کی روانگی کا علم ہی نہیں۔ یہ بات تو لاش ملنے کے بعد معلوم ہوئی۔ ڈان ونسنٹ پرائیویٹ وارڈ میں تھا اور اس کے ساتھی بھی وہیں مقیم تھے۔ لاش ملنے کے بعد پولیس نے ہسپتال فون کیا تب یہ بات معلوم ہوئی۔"

انور کا دماغ چکرانے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ البرونو نے ڈی سالٹ کو قتل کیا تھا تو ونسنٹ وغیرہ کیوں غائب ہو گئے۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" آصف نے کہا۔ "ہاں رشیدہ کا کیا ہوا"

"کچھ نہیں...... کچھ بھی نہیں۔" انور بے چینی سے بولا "میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کیا کروں؟"

"ارے یہ تم بول رہے ہو۔" آصف نے حیرت سے کہا۔ "میں نے اس سے قبل تمہیں پریشان نہیں دیکھا۔"

"میری ساری صلاحیتیں جواب دے گئی ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اب وہ مجھے کبھی نہ ملے گی۔ میں ابھی تک خود کو فریب دیتا رہا ہوں۔ میں اسکے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

آصف کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسے انور سے ایسے الفاظ کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو اسے بالکل جانور اور عورت کے معاملے میں پتھر کی طرح بے جان سمجھتا تھا۔

انور وہاں زیادہ دیر تک نہیں رکا۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل اٹھائی اور اسے گھسیٹتا ہوا قریب ہی کے ایک کارخانے تک لایا۔ وہاں اسے مرمت کے لئے چھوڑ کر ایک طرف چل پڑا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کہاں جائے؟ آگے چل کر ایک پبلک ٹیلی فون پوسٹ کے قریب پھر رکا۔ آج وہ آفس نہیں جانا چاہتا تھا اور جا کر کرتا بھی کیا۔ جب کہ دماغ قریب قریب ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔

"اس نے منیجر کو فون کر دیا کہ وہ آج دفتر نہ آسکے گا۔"

"لیکن...... پھر...... اب کہاں جائے اور کیا کرے؟ اب تو اسے اپنی بے بسی پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ڈان ونسنٹ کو تلاش کرے یا البرونو کو۔ اور ڈی گارا

البرونو کے ساتھ تھا۔ ممکن ہے وہ اب بھی اسی کے ساتھ ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود کو مضحکہ خیز لگنے لگا۔ فٹ پاتھ پر اس طرح گم سم کھڑے رہنا کوئی اچھی علامت نہ تھی۔ وہ گڑبڑا کر پاس کے ایک ریسٹوران میں گھس گیا۔ ابھی وہ دروازے میں ہی تھا کہ ایک آدمی اسے دھکا دیتا ہوا تیزی سے اندر داخل ہوا۔ انور کی نگاہیں اس کا تعاقب کرنے لگیں اور یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ وہاں بیٹھنے کی بجائے وہ دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ انور اسکی صورت بھی نہ دیکھ سکا۔ وہ اس دروازے کیطرف بڑھا لیکن باہر فٹ پاتھ پر چلنے والوں میں وہ شخص نہیں دکھائی دیا اور پھر انور کو اپنی حماقت پر ہنسی آنے لگی۔ رہا ہو گا کوئی۔ کسی غلط فہمی کی بناء پر یہاں چلا آیا ہو گا اور پھر اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی دوسرے دروازے سے نکل گیا۔

انور ایک خالی میز کے قریب بیٹھ گیا۔ کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن چونکہ آچکا تھا اس لئے کچھ نہ کچھ منگوانا ہی پڑا۔ چائے اور پیسٹریوں کا آرڈر دے کر اس نے سگریٹ نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ کوئی سخت سا کاغذ اس کی انگلیوں میں کڑکڑایا۔ یہ ایک بند لفافہ تھا جس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔

لیکن وہ اس کی جیب میں کیسے پہنچا؟ تو کیا اس آدمی نے اسی لئے اسے دھکا دیا تھا۔ انور نے لفافہ چاک کیا۔ اس میں اسی کے نام ایک ٹائپ کیا ہوا خط تھا۔

انور خط ملتے ہی سرکلر روڈ کی عمارت "آشیانہ" میں پہنچ جاؤ۔ "تمہیں کئی بار فون پر بلانے کی کوشش کی گئی لیکن جواب نہ ملا۔ غالباً تم سمجھ ہی گئے ہو گے کہ میں کون ہوں مجھے تم پر اعتماد ہے کہ تم اپنے ساتھ پولیس نہیں لاؤ گے۔"

خط پڑھ کر انور نے لفافہ جیب میں رکھ لیا اور پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بیرہ چائے رکھ کر چلا گیا۔ اس نے جلدی جلدی دو ایک پیسٹریاں کھائیں اور چائے انڈیل کر بڑے بڑے گھونٹ لینے لگا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ خط کس کا ہو سکتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بل ادا کر کے باہر آیا۔ ایک ٹیکسی کی اور سرکلر روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ناقابل یقین

سرکلر روڈ پر بہت زیادہ عمارتیں نہیں تھیں اس لئے "آشیانہ" ڈھونڈنے میں زیادہ دشوار
نہیں ہوئی۔ یہ ایک طویل وعریض عمارت تھی۔ سامنے ایک پائیں باغ تھا لیکن ابتر حالت م
شاید اس کی دیکھ بھال نہیں کی جاتی تھی۔

انور پھاٹک سے گزرتا ہوا پائیں باغ طے کرکے برآمدے میں آیا۔ یہاں سناٹا تھا اس
نظر دیوار میں لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر پڑی جس پر گھنٹی کا بٹن موجود تھا اس نے کئی بار تھوڑ
تھوڑے وقفے کے ساتھ بٹن دبایا مگر جواب ندارد۔

اس نے دو منٹ تک توقف کیا پھر واپس لوٹنے کے لئے تیار ہوگیا۔ وہ سوچنے لگا ہو
ہے کہ یہ سب کچھ اسے پھنسانے کے لئے کیا گیا ہو۔ وہ برآمدے کی سیڑھیاں طے کررہا تھا
اسے کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ انور مڑا...... دروازے میں البرونو کھڑا تھا۔

"میں اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ تم تنہا ہی آئے ہو۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "اسی لئے تمہ
انتظار کرنا پڑا۔ اندر آجاؤ۔" انور چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر خاموشی سے اندر چلا گیا۔

وہ متعدد کمروں سے گزرتے ہوئے ایک وسیع ہال میں پہنچے جہاں ڈی گاریکا اور البر
ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انور کو دیکھ کر البرونو کے ساتھی نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ البرونو
صوفے کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ انور کی نظریں ڈی گاریکا کے چہر
پر جمی ہوئی تھیں جو بہت زیادہ مضمحل نظر آرہا تھا۔

بڑی دیر تک خاموشی رہی پھر دفعتاً البرونو بولا۔

"ڈان ونسنٹ اپنے ساتھیوں سمیت کہیں غائب ہوگیا ہے اور ہم میڈموزئیل رومولی
سراغ لگانے میں ناکام رہے۔"

انور اسے گھورنے لگا۔

"تم نے ڈی سالٹ کو مار ڈالا......!" انور نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں اس نے خودکشی کرلی۔" البرونو بولا۔

"خودکشی......!"

"ہاں...... اس نے اپنے جسم میں زہریلی سوئی چبھولی۔ ہم اس سے رومولی کے متعلق
پوچھ رہے تھے۔"

"رومولی...... رومولی......!" انور بھنا کر بولا۔ "اس کا نام رومولی نہیں رشیدہ ہے۔ تم
خواہ مخواہ کوئی غیر ملکی نام کیوں دے رہے ہو۔"

"اس کا قومی اور مذہبی نام رومولی ہی ہے۔" البرونو مسکرا کر بولا۔

"تم اس کے متعلق مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔" انور جھلا کر بولا۔ "نہ جانے تم لوگوں نے
ں تم کا جال پھیلا رکھا ہے اور مجھے بھی بیوقوف بنانے کی کوشش کررہے ہو۔"

"میں تم سے پہلے ہی کہہ رہا تھا۔" البرونو نے ڈی گاریکا سے کہا۔ "یہ دشواری ضرور پیش
ے گی۔" پھر انور کی طرف مڑ کر بولا۔ "اچھا تم اس کے متعلق کیا جانتے ہو۔ چلو میں کہتا ہوں
کا نام رشیدہ ہی سہی۔ پھر وہ کون ہے کس کی بیٹی ہے کس سرزمین سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر تم یہ
ب جانتے ہو تو مجھے بتاؤ۔"

انور کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ وہ خاموشی سے البرونو کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"تم اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔" البرونو ہنس کر بولا۔ "اور نہ وہ تمہارے متعلق کچھ
تی ہے لیکن میں تم دونوں کے متعلق سب کچھ جانتا ہوں۔"

"ہونہہ......!" انور طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ "تم میرے متعلق کیا جانتے ہو۔"

"سنو گے۔" البرونو نے مسکرا کر کہا۔ "اچھا تو سنو! تم نواب وجاہت علی خاں کے لڑکے ہو۔

انور بے اختیار اچھل پڑا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر البرونو کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے چچا شباہت علی خاں نے تمہیں اپنے بھائی کی ناجائز اولاد ثابت کرا کے ان کے
کے سے محروم کردیا۔ حالانکہ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ تمہاری ماں ان کی بیوی تھی۔"

"تم کیسے جانتے ہو۔" انور مضطربانہ انداز میں کھڑا ہوگیا۔

"بیٹھ جاؤ...... بیٹھ جاؤ۔" البرونو ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ میں یہ بھی

جانتا ہوں کہ تمہاری زندگی کا یہ حادثہ تمہیں غلط راستوں پر نکال لے گیا۔ تمہاری نظروں میں عظیم کائنات اور اس میں متحرک زندگی محض ایک ڈھکوسلا اور بے معنی چیز بن کر رہ گئی۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"مجھے تمہاری ہمدردیوں کی ضرورت نہیں۔" انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"تو پھر اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے۔" البرونو کے ساتھی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"چپ چاپ بیٹھے رہو۔" البرونو نے اسے ڈانٹا اور وہ پھر بیٹھ گیا۔ لیکن وہ اب بھی تمسخر آمیز نظروں سے انور کو دیکھ رہا تھا۔

"اور رشیدہ کے متعلق سننے کے بعد تمہیں اپنے پر یقین نہ آئے گا۔" البرونو مسکرا کر بولا۔ "لیکن جس طرح میں نے تمہارے متعلق بتایا ہے اسی طرح رشیدہ کے متعلق بھی بتا سکتا ہوں۔"

انور اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ البرونو نے رک کر سگریٹ سلگایا اور تین کش لینے کے بعد کہا۔

"رشیدہ ایک غیر معروف جزیرے کی شہزادی ہے۔"

انور کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"اب تم مجھے پریوں کے دیس کی کہانی سناؤ گے اور مجھے اپنی نانی اماں یاد آ جائیں گی۔ پھر کہانی کے خاتمے پر کہہ دینا کہ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔" انور نے پھر قہقہہ لگایا۔

البرونو کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"مسٹر انور، البرونو کا بیان صحیح ہے۔" ڈی گاریکا آہستہ سے بولا۔

"تم لوگ مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "تم یہاں کوئی بہت ہی خوفناک جرم کرنا چاہتے ہو۔ اس سے پہلے بھی کئی مجرموں نے ہمیں اپنے راستہ سے ہٹانا چاہا ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" البرونو تحکمانہ لہجے میں بولا۔

انور غیر ارادی طور پر بیٹھ گیا۔

"تمہاری حقیقت ہی کیا ہے۔" البرونو نے کہا۔ "اگر میں تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تو کل رات ہی ہٹا دیتا۔ تم میری نظروں میں ایک طفل مکتب سے زیادہ نہیں ہو۔"

"البرونو ٹھیک کہہ رہا تھا۔" انور کا سر چکرانے لگا اور پھر دفعتاً اسے یاد آ گیا کہ رشیدہ اپنے کسی راز کو چھپانے کے لئے داراب کے قتل پر کمربستہ ہو گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ کوئی معمولی واقعہ رہا ہوگا لیکن اگر سچ مچ وہ کسی ملک کی شہزادی تھی تو ایک معمولی عورت کی طرح کیوں زندگی بسر کر رہی تھی اور پھر سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ سو فیصدی ہندوستانی معلوم ہوتی تھی۔ بھلا وہ کسی غیر ملک کی شہزادی کیسے ہو سکتی ہے۔"

"کیا سوچنے لگے۔" البرونو اسے خاموش دیکھ کر بولا۔

"میں کچھ نہیں سمجھ سکا...... میرا دماغ بےکار ہوتا جا رہا ہے۔" انور نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سب کچھ سمجھ سکتے ہو بشرطیکہ دوسروں پر اعتماد کرنا سیکھو۔"

انور بے بسی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہیں محض اس لئے حیرت ہے کہ تم اس جزیرے کے عجیب و غریب رسم و رواج سے واقف نہیں ہو۔" البرونو نے کہا۔ "وہاں کے تاج اور تخت کا حقدار بچپن ہی سے وہاں سے ہٹا کر کسی دوسرے ملک میں رکھا جاتا ہے اور سن بلوغ کے پہنچنے پر پھر وہیں واپس چلا جاتا ہے اور حکمران کے مرنے کے بعد عنانِ حکومت خود سنبھالتا ہے۔ اگر حکمران ولی عہد کی کمسنی ہی میں مر جائے تو اس کا قریبی عزیز اس کے بالغ ہونے تک امورِ سلطنت انجام دیتا ہے اور رومولی یا رشیدہ اپنے باپ کی پہلی اولاد ہونے کی حیثیت سے تخت کی حقدار تھی اس لئے اسے جزیرے سے ہٹا دیا گیا۔ اسی دوران میں اس کا باپ حادثہ کا شکار ہو کر مر گیا۔ لہٰذا رشیدہ کا چچا عارضی طور پر حکومت کرنے لگا۔ رشیدہ کو میکسیکو میں رکھا گیا تھا۔ ایک دن اچانک اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ ڈی گاریکا اس کا اتالیق تھا۔ اسی نے کسی طرح پتہ لگا لیا کہ رشیدہ کا چچا اسے ختم کر کے خود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تخت کا مالک بننا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس نے دور اندیشی سے کام لے کر یہ خبر مشہور کر دی کہ رشیدہ کو کسی نے مار ڈالا اور پھر اسے لے کر ادھر اُدھر کی خاک چھانتا رہا۔ نہ جانے کیوں اسے یہ خیال آیا کہ رشیدہ صرف ہندوستان میں محفوظ رہ سکتی ہے۔ لہٰذا تم یہ خود سوچ سکتے ہو کہ جس بچے کی پرورش ہندوستانی ماحول میں ہوئی ہو وہ سو فیصدی ہندوستانی ہی ہو گی۔ ڈی

گاریکا نے اس کی پرورش بالکل ہندوستانی طریقے پر کرائی۔ رشیدہ اپنی اصلیت سے بھی ناواقف تھی۔ لہٰذا فطری طور پر کسی ایک ایسے آدمی کی اسے تلاش ہوئی جو اس کی حفاظت کرے۔ اس کے لئے میں نے تمہیں منتخب کیا۔ ڈی گاریکا رشیدہ کو یہاں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ لیکن وہ اسے دیکھنے کیلئے آتا رہتا تھا۔ اس دوران میں شاید رشیدہ کے چچا کے جاسوسوں کو اس کا علم ہوگیا۔ انہوں نے اسکی اطلاع اس کے چچا کو دی اور اس نے ڈان ونسنٹ کو یہاں بھیجا، تاکہ رشیدہ کو پکڑوا سکے۔ اس بار جب ڈی گاریکا اپنے لڑکے اور لڑکی کے ساتھ ہندوستان آیا تھا ڈان ونسنٹ اور اسکے ساتھی پیچھے لگ گئے تم نے اس دن صبح جو لاش دیکھی تھی وہ ڈی گاریکا کے لڑکے کی تھی۔ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں نے اسے قتل کیا تھا۔" البرونو خاموش ہوگیا۔

انور کی نگاہیں ڈی گاریکا کی طرف اٹھ گئیں جس کی آنکھوں میں دو موٹے موٹے قطرے جھلملا رہے تھے۔ وہ اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

"بے چارہ۔" البرونو نے کہا اور انور کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

"لیکن ڈی گاریکا یہاں پہنچا کس طرح۔" انور نے کہا۔ "اس کا ریکارڈ کسی سفارت خانے میں نہیں ہے۔"

"وہ باقاعدہ اور جائز طور پر یہاں داخل نہیں ہوا۔" البرونو نے جواب دیا۔

"اور تم......!" انور نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "تم کس سفارت خانے کے ذریعے یہاں آئے ہو۔ تمہارا بھی کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔"

"ہم لوگوں کو کسی ذریعے کی ضرورت نہیں۔" البرونو کے ساتھی نے کہا پھر البرونو سے مخاطب ہوکر بولا۔ "میں نے ڈی گاریکا کی لڑکی کو نہیں دیکھا، کیا وہ کافی حسین ہے۔"

"بکومت......!" البرونو اسے گھورنے لگا۔

"تو یہ ڈرامہ کب ختم ہوگا۔" انور نے کہا۔ اس کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

"تم شاید ابھی تک اسے مذاق ہی سمجھ رہے ہو۔" البرونو بولا۔

"حقیقت سمجھنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔"

"آخر تمہیں کس طرح یقین آئے گا۔"

"کسی طرح نہیں۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔ "الف لیلے کی یہ لمبی چوڑی داستان سننے کے بعد اسے سو فیصدی یقین ہوگیا تھا کہ البرونو اسے بیوقوف بنا رہا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ رشیدہ کا افسانہ بے سروپا نہیں ہوسکتا۔ یقیناً البرونو اس سے رشیدہ کی آڑ میں کوئی بھیانک جرم کرانا چاہتا ہے۔ البرونو بغور اسکے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ دفعتاً وہ اٹھا اور انور کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"میرے ساتھ آؤ......!"

انور پہلے تو ہچکچایا لیکن پھر اس کے ساتھ ہولیا۔ البرونو اسے ایک کمرے میں لایا اور دروازہ بند کرادیا۔

"تم نے ابھی کہا تھا کہ تمہیں اس کہانی پر یقین نہیں آسکتا۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"اور اب بھی یہی کہتا ہوں۔"

"اچھا تو ادھر بیٹھ جاؤ۔" البرونو نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیوں اب کوئی شعبدہ دکھانے کا ارادہ ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"یہی سمجھ لو۔" البرونو نے لاپروائی سے کہا۔

البرونو دوسری طرف چلا گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک ایک میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹتا پلٹتا رہا پھر اپنے ہاتھ میں ایک اخبار دبائے ہوئے واپس آیا۔ کاغذ کی رنگت بتا رہی تھی کہ وہ بہت پرانا ہے۔ البرونو نے وہ اخبار انور کے سامنے پھیلا دیا اور ایک تصویر پر انگلی رکھ کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ ایک ننھی سی بچی کی تصویر تھی جس کے نیچے لکھا ہوا تھا۔

"کسی بے درد نے اس معصوم بچی کو قتل کردیا۔ لاش ایک پبلک پارک میں پائی گئی۔ قتل کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی۔"

انور تصویر کو بغور دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ اچھل پڑا۔ لیکن شاید اس کا یہ رویہ البرونو کے لئے غیر متوقع تھا۔ وہ انور کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ تو سچ مچ رشیدہ کے بچپن کی تصویر معلوم ہوتی ہے۔" انور نے کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا۔" البرونو کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کیا اس کے پاس اس کے بچپن کی تصویر تھی۔"

''ہاں...... میں نے اسکے لاکٹ میں دیکھی تھی۔ یہ لاکٹ اس کے ہار میں لگا ہوا ہے۔''

''بہر حال اب تمہیں اس پر یقین ہو جانا چاہئے۔'' البرونو نے کہا۔ ''یہ میکسیکو کے شہر اور بندگاہ ویرا کروز کا اخبار ہے۔''

انور نے اخبار اٹھایا اور دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر البرونو کو گھور کر بولا۔

''مگر اس میں کسی شہزادی کا ذکر نہیں۔ تم کہہ رہے تھے کہ ڈی گاریکا نے اس کے قتل کی خبر مشہور کر دی تھی۔''

اس کی شہرت اس جزیرے میں ہوئی تھی۔ مہذب دنیا تو یہ بھی نہیں جانتی کہ اس جزیرے میں کوئی آبادی بھی ہے۔ دنیا کے ویران جزیروں میں اس کا بھی شمار ہوتا ہے۔ وہاں کے باشندے نہیں چاہتے کہ مہذب دنیا ان کے وجود سے واقف ہو۔ حالانکہ وہ خود بھی کافی ترقی یافتہ ہیں اور ترقی یافتہ ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔

''البرونو کیا تم مجھے بچہ سمجھتے ہو۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔ ''میں نہیں جانتا کہ تمہارا مقصد کیا ہے لیکن مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''مجھے اس دشواری کا علم تھا کہ تم یقین نہ کرو گے۔'' البرونو مسکرا کر بولا۔ ''خود مجھے بھی حیرت ہے کہ اس جزیرے کے باشندے ایسی صورت میں اپنا وجود کیوں کر چھپائے ہوئے ہیں جبکہ وہ دوسرے ممالک سے بھی تعلقات رکھتے ہیں۔''

''جب تمہیں خود اس پر یقین نہیں آتا تو مجھے کیوں یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہو۔'' انور نے کہا۔ ''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ مجھے اس پر یقین نہیں۔ یقین ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ حیرت بھی۔''

انور خاموش ہو گیا۔ البرونو بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ دفعتاً انور بولا۔

''ڈان ونسنٹ نے پولیس کو بیان دیا تھا کہ تمہاری اس سے انگلینڈ میں لڑائی ہو چکی ہے اس لئے تم اس کے جانی دشمن بن گئے ہو۔''

''یہ قطعی غلط ہے۔ اس کا تعاقب میں انگلینڈ ہی سے کر رہا ہوں لیکن یہاں پہنچنے سے قبل شاید اسے اس کا علم بھی نہ ہو۔ تم نہیں جانتے اس نے یہ شوشہ محض اس لئے چھوڑا تھا کہ ڈی گاریکا

ہو کے کا قتل میرے سر تھوپ دیا جائے اور اسے اس میں کامیابی بھی ہوئی۔ پولیس نے اسے برابر تعاقب کرنا شروع کر دیا اور میں نے بھی دیدہ دانستہ پولیس کو اس کا موقع دیا تھا۔''

''کیوں......؟'' انور چونک کر بولا۔

''محض اس لئے کہ ڈان ونسنٹ جس مقصد کے لئے ہندوستان آیا تھا اسے آسانی سے پورا کر سکے۔''

''تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔''

''تم سمجھے شاید میں اختلاف بیانی سے کام لے رہا ہوں۔'' البرونو مسکرا کر بولا۔ ''میں یہ جانتا تھا کہ ڈان ونسنٹ ہندوستان جا رہا ہے......'' البرونو خاموش ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا انور اس کی باتوں میں دلچسپی لینے کی بجائے دوسری طرف دیکھ رہا ہے۔ البرونو کے ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے چہرے پر لگی ہوئی گھنی ڈاڑھی الگ کر دی۔ انور ابھی تک دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے جہاں سے بات ختم کی تھی وہیں سے پھر شروع کر دی۔ ''میں جانتا تھا کہ ڈان ونسنٹ ہندوستان جا رہا تھا لیکن اس کے مقصد سے واقف نہیں تھا۔ یہاں آ کر......!''

''بس ختم بھی کرو۔'' انور یک بیک اس کی طرف مڑ کر بولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز چیخ نکلی اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''آپ......!'' انور کا منہ پھیل کر رہ گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ البرونو کی جگہ ایشیا کا جوان سال اور دلیر سراغ رساں انسپکٹر فریدی مسکرا رہا تھا۔

''اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔'' انور آہستہ سے بڑبڑایا۔

''تمہاری بے یقینی سے خدا ہی بچائے۔'' فریدی نے کہا۔

''جی نہیں...... یہ بات نہیں۔'' انور جلدی سے بولا۔

''خیر اب زیادہ بدحواسیاں دکھانے کی ضرورت نہیں۔ ہم آج ہی ڈان ونسنٹ کے تعاقب میں روانہ ہو رہے ہیں۔''

''لیکن آخر آپ اس بھیس میں کیوں ہیں۔'' انور مضطربانہ انداز میں بولا۔

"یہ بھیس میں نے یہیں آ کر بدلا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں دراصل خاموشی سے کرنا چاہتا تھا۔ اس دن مئے پول ہوٹل میں میں نے ہی تم لوگوں کو ایک خط بھجوایا تھا حالانکہ نے غلطی کی تھی اور اسی غلطی کی تلافی کے لئے مجھے رائفل کلب والے مقابلہ میں حصہ لینا پڑا۔ پولیس اسے چھوڑ کر میرے پیچھے لگ گئی۔ اگر ڈان ونسنٹ کی نقل و حرکت دیکھی جاتی تو وہ کام نہ کر سکتا۔ کل رات کو بھی عجیب اتفاق پیش آیا تھا۔ ڈی گاریکا سے میں کل رات ہی ملا ہوا۔ ڈان ونسنٹ کے ساتھی اس کا تعاقب کر رہے تھے اور میں ان کے تعاقب میں تھا اور پھر یہ معلوم ہوا کہ انہیں جس لڑکی کی تلاش تھی وہ رشیدہ تھی۔ لہٰذا اس صورت میں مجھے خاص طور دلچسپی لینی پڑی۔"

"پولیس والے آپ کی تلاش میں بُری طرح سرگرداں ہیں۔"

"ان لوگوں کو بیوقوف بنانا مشکل نہیں۔" فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"اچھا تو دوسرے صاحب میاں حمید ہیں۔"

"ظاہر ہے۔"

"رشیدہ کے متعلق آپ کو یہ ساری باتیں ڈی گاریکا سے معلوم ہوئیں۔"

"ہاں...... کل رات کو اس نے مجھے سارا واقعہ بتایا۔"

"وہ آپ کو البرونو ہی کی حیثیت سے جانتا ہے۔"

"ہاں...... اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ ورنہ وہ بھڑک جائے گا۔ میں اس اندیکھے جزیرے کا سفر کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن آپ ڈان ونسنٹ کے پیچھے کس طرح لگ گئے تھے۔"

"ایک دن ہم لوگ لندن کے جیفریز ہوٹل میں رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ ہمارے ساتھ اسکاٹ لینڈ یارڈ کا چیف انسپکٹر براؤن بھی تھا۔ ہمارے قریب ہی ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھی بھی موجود تھے۔ براؤن نے مجھے بتایا کہ یہ ان لوگوں کو مشتبہ سمجھتا ہے اور اس دوران میں انہوں نے کچھ ایسی حرکتیں بھی کیں کہ مجھے دلچسپی لینے پر مجبور ہو جانا پڑا اور پھر مجھے ان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ وہ ہندوستان جا رہے ہیں۔ میں تھوڑی بہت اسپینی بول [illegible] سمجھ لیتا ہوں۔ میں

ڈی گاریکا کا نام انہیں کی زبان سے سنا تھا۔ وہ اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کا خیال تھا کہ ڈی گاریکا کی منزل ہندوستان ہو ہی نہیں سکتی ممکن ہے وہ وہاں سے کہیں اور بھی جائے کسی لڑکی کا تذکرہ آ گیا جسے وہ پکڑ کر اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہتے تھے۔ بہر حال ان کی گفتگو اسی قسم کا معمہ تھی۔

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"جب آپ کو یہ نہیں معلوم کہ ڈان ونسنٹ گیا کہاں تو آپ اس کا تعاقب کس طرح کریں گے۔"

"ظاہر ہے کہ وہ رشیدہ کو پا جانے کے بعد اس جزیرے کا رخ کرے گا اور یہ واضح ہے کہ چوری چھپے یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرے گا۔ اس کے لئے کوئی غیر معروف ہی راستہ کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہم کہیں سے بھی روانہ ہوں انہیں اس جزیرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی جا لیں گے۔"

فریدی اٹھ کر میز کی طرف چلا گیا اور آئینے میں دیکھ دیکھ کر دوبارہ اپنے چہرے پر مصنوعی داڑھی لگانے لگا۔

"تم شاید ابھی تک یقین اور شبہے کی کشمکش میں مبتلا ہو۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"نہیں تو......!" انور جلدی سے بولا۔ "میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر آپ نہ ہوتے تو شاید وہ مجھے ختم کر دیتے۔"

"اس میں تو شک نہیں۔" فریدی نے مڑ کر ہونٹوں میں نیا سگار دباتے ہوئے کہا۔

انور نے پھر کچھ پوچھنا چاہا لیکن کچھ سوچ کر رک گیا۔

"اب سوچتا ہوں تو خود مجھے حیرت ہوتی ہے۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کوئی صحیح الدماغ آدمی ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ جیسی میں نے کی ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے کہ میں ان لوگوں کے پیچھے لندن سے یہاں تک دوڑتا چلا آیا ظاہر ہے یہ سب کچھ ڈان ونسنٹ کے محض ایک جملے پر ہوا۔ اس کا ایک ساتھی کہہ رہا تھا کہ کہیں وہ

ہندوستان میں کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں جس پر ڈان ونسنٹ نے کہا کہ وہاں سب گورے
بستے ہیں وہاں کی پولیس اتنی ذہین نہیں ہے کہ کام میں حارج ہو سکے۔"

"اوہ......!"

"اور پھر میں ان کے پیچھے لگ گیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر ڈی سالٹ خودکشی
کر لیتا...!"

باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی اچانک خاموش ہو گیا۔ آنے والا ڈی گاریکا تھا
وہ اسپینی زبان میں کچھ کہتا رہا اور فریدی سر ہلا ہلا کر سنتا رہا۔ بہرحال ڈی گاریکا کے انداز سے
ظاہر ہو رہا تھا۔ پھر فریدی نے اس سے کچھ کہا اور وہ مسکرا کر واپس چلا گیا۔

"یار میں حمید سے عاجز آ گیا ہوں۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیوں؟ کیا ہوا۔"

"ڈی گاریکا نے شاید اس سے اپنی لڑکی کا تذکرہ کیا تھا جو یہیں کہیں ہوٹل میں ٹھہری
ہے۔ لہٰذا وہ اسے بحفاظت تمام یہاں لانے کا وعدہ کر کے گیا ہے۔ ڈی گاریکا افسوس ظاہر کر رہا
تھا کہ اس نے اس کام کے لئے اپنی خوبصورت ترین ڈاڑھی چھیل کر رکھ دی اور ایک ہندو
کے بھیس میں گیا ہے۔ اسے اس بات پر حیرت ہے وہ ہم لوگوں سے اس بُری طرح مرعوب
ہے کہ ہمیں اپنے پراسرار جزیرے میں لے جانا چاہتا ہے حالانکہ یہ اس قوم کی تاریخ میں
واقعہ ہوگا۔ وہاں آج تک کسی غیر ملکی کے قدم نہیں پہنچے۔"

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" انور نے کہا۔

"میری معلومات کا انحصار محض ڈی گاریکا کے بیان پر ہے۔ حقیقت کیا ہے اس کے
میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ ڈی گاریکا نے بتایا ہے کہ اس جزیرے کے باشندے نسلاً
ہیں۔ اسپین کے سپہ سالار کورٹے نے جب میکسیکو پر حملہ کیا تھا اس وقت وہاں مونٹے زوما کی
حکومت تھی۔ اتفاقاً کورٹے کا ایک سردار اپنے دستے سمیت مونٹے زوما سے مل گیا۔ اس غداری
کا باعث مونٹے زوما کی حسین لڑکی اوتامی تھی وہ اس پر عاشق ہو گیا تھا۔ کورٹے نے مونٹے زوما
کو شکست دے دی اور وہ سردار اوتامی اپنے دستے سمیت فلوریڈا ہوتا ہوا جزائر بہاما کی

ہو گیا۔ پھر انہوں نے ایک غیر آباد جزیرے میں پناہ لی جو جزیرہ اینڈروس اور جزائر واٹلنگ
درمیان میں واقع ہے۔ چونکہ آج بھی لوگوں کو یقین ہے کہ وہ جزیرہ غیر آباد ہے اسلئے وہ
آئی لینڈ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن وہاں کی آبادی بیس لاکھ کے قریب ہے۔ ڈی
گاریکا کا کہنا ہے کہ وہ جزیرہ کبھی غیر آباد نہیں تھا۔ وہاں اب بھی جنگلوں میں کہیں کہیں قدیم
ملتے ہیں۔ لیکن وہ نیم وحشی ہیں۔ وہاں اب تک شہنشاہیت قائم ہے۔"

انور کے ہونٹوں پر گویا مہر لگ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بولے۔ اگر
ڈی کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو وہ اسے الف لیلےٰ کی ہی کوئی داستان سمجھتا۔ مگر اب وہ سوچ
رہا تھا کہ اگر ڈی گاریکا کا بیان غلط بھی ہو تب بھی رشیدہ کی شخصیت پراسرار ہی رہتی ہے۔ اگر وہ
ہندوستانی ہے تو کسی غیر ملکی کا اس میں اس طرح دلچسپی لینا کیا معنی رکھتا ہے۔

"تو پھر تم ہمارے ساتھ چلو گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں رشیدہ کے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں۔" انور آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک مجھے تم سے یہی امید ہے۔ ڈی گاریکا تمہارا احسان مند ہے کہ تم نے رومولی کی
مخالفت کی۔ ڈی گاریکا اکثر اس سے ملتا رہتا ہے۔ رشیدہ نے تمہارے متعلق اسے سب کچھ بتا دیا
ہے وہ تمہارے کردار کی بلندی کا معترف ہے۔"

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنے متعلق سوچ رہا تھا کہ اس کے یکایک غائب ہونے پر
کیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس اپنا شبہ یقین میں بدل دے۔ وہ کافی دیر تک الجھتا رہا لیکن یہ خیال
کر کے پھر اطمینان ہو گیا کہ انسپکٹر فریدی اس کے ساتھ ہوگا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ آج ہی
باقاعدہ طور پر اپنی ملازمت سے مستعفی ہو جائے گا۔ بہانہ رشیدہ کی تلاش کا ہوگا۔ جن کی گمشدگی
سے لوگ واقف ہو چکے ہیں۔

روانگی

"عجیب اتفاقات ہیں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی

مصنف نے کسی ناول کا پلاٹ بکھیر دیا ہو۔ جو واقعات مجھ پر گزرے ہیں بعض اوقات میں انہیں بھی کہانیاں سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ انور کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم خود سوچو۔" فریدی بجھا ہوا سگار ایش ٹرے میں ڈالتا ہوا بولا۔ "کیا اس وقت میری شخصیت کسی ناول کے پراسرار جاسوس کی شخصیت سے کم ہے۔ اگر کبھی کسی نے یہ واقعہ لکھنے کی کوشش کی تو کیا پڑھنے والے اسے شاندار گپ نہیں سمجھیں گے۔"

"مجھے تو آج کل کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی دوسری دنیا میں سانس لے رہا ہوں۔" انور نے کہا۔

"بہر حال، ہم حقائق سے دوچار ہیں جنکی صداقت مستقبل کے دھندلکے میں کھوئی ہوئی ہے۔"

"لیکن ہم سفر کس طرح کریں گے؟" انور نے پوچھا۔

"یہاں سے خلیج فارس تک ہم چوری چھپے جاسکتے ہیں۔ ڈی گاریکا نے اس کا انتظام پہلے ہی کر رکھا ہے۔ اس سے قبل بھی وہ بحرین تک باضابطہ طور پر آیا کرتا تھا اور بحرین سے یہاں تک غیر قانونی طریقے پر۔ ہاں تو ہم یہاں سے بحرین تک معمولی قانون شکنی کرنے والوں کی طرح جائیں گے اور بحرین سے میں انتظام کرلوں گا۔"

"تو اس بار بھی وہ لندن سے بحرین آیا تھا" انور نے پوچھا۔

"ہاں......!"

"لیکن ڈان ونسنٹ وغیرہ تو باضابطہ طور پر آئے تھے۔" انور نے کہا۔ "اس طرح ان دونوں کے راستے الگ ہو گئے۔"

"ہاں...... بے چارہ ڈی گاریکا اس سے ناواقف تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اسے ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں کی موجودگی کا علم یہیں آ کر ہوا۔ لیکن شاید ڈی گاریکا کا لڑکا اس بات سے پہلے ہی واقف ہو گیا تھا۔ اس لئے ان لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔"

"مگر اس کے بعد وہ لوگ اچانک منظر عام پر کیوں آ گئے تھے۔ تیغ زنی کے مقابلے کی وجہ سے ان لوگوں کی خاصی شہرت ہو گئی تھی۔"

"دراصل ان لوگوں سے حماقتوں پر حماقتیں سرزد ہوئیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "انہوں نے بوکھلاہٹ میں اسے قتل تو کر دیا لیکن چونکہ باضابطہ طور پر یہاں آئے تھے اور ان کا ریکارڈ تھا اس لئے خوف دامن گیر ہوا کہ پولیس انہیں تنگ کرے گی لہٰذا وہ کھلم کھلا سامنے آ گئے۔ انہوں نے یہ بھی سوچا کہ اس طرح ڈی گاریکا دھوکا بھی کھا جائے گا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ یہ لانے کھانے کے لئے نکلے ہیں لیکن ہوا اس کے برعکس۔ ڈی گاریکا کے لڑکے کی شکل بگاڑ اس لئے وہ اسے کوئی اتفاقیہ حادثہ سمجھنے کیلئے تیار نہیں تھا اور پھر اچانک ڈان ونسنٹ وغیرہ منے آ جانا اس کے شبہات کی تقویت کیلئے کافی تھا۔ اسی لئے ڈیگاریکا نے بھیس بدل کر رشیدہ پہنچنے کی کوشش کی تھی۔"

فریدی اور انور کافی دیر تک سفر کی اسکیم پر بحث کرتے رہے پھر انور واپس آ گیا۔ آفس راس نے استعفیٰ لکھا لیکن پھر بذات خود اس نے منیجر تک پہنچانے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ سلسلے میں زیادہ بات چیت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح بات کے قبل از وقت ہی پھیل کا اندیشہ تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا پولیس انور کے پیچھے پڑ جاتی۔ ڈان ونسنٹ غائب ہو چکا تھا رانو پہلے ہی سے پولیس والوں کے لئے چھلاوا بنا ہوا تھا۔ اب رشیدہ کی شخصیت بھی پراسرار نئے پر ہونے والے حادثات سے منسلک ہو چکی تھی۔ لہٰذا پولیس کے لئے تاش کا آخری پتہ ئی تھا۔ انور سوچنے لگا کہ اگر اب اس سے کوئی غیر معمولی حرکت سرزد ہوئی تو وہ فریدی کی ہوئی اسکیم میں حصہ لینے سے پہلے ہی پریشانیوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے یہ طے کیا اپنا استعفیٰ بذریعہ ڈاک بھیجے گا۔ رشیدہ کے غائب ہونے کی خبر پھیل چکی تھی۔ دفتر کے لوگ سے اسکے بارے میں پوچھتے رہے اور وہ انہیں ادھر اُدھر کی باتوں میں ٹالتا رہا۔ تقریباً چھ بجے گھر سے آرکلر روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں کوئی اسکا تعاقب نہ کر رہا ہو۔ لہٰذا اس نے ہاتم روڈ کے چوراہے سے ٹیکسی چھوڑ دی اور پیدل چلنے لگا۔"

آرکلر روڈ سنسان پڑی تھی۔ دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔ انور اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد "آشیانہ" میں داخل ہو گیا۔ اس بار اس نے گھنٹی بجانے کی زحمت گوارہ نہ کی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا وہ بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔

"پردہ ہے اندر زنانہ ہے۔" کسی نے قریب ہی سے اردو میں کہا۔

انور نے پلٹ کر دیکھا پیچھے سرجنٹ حمید کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"تو تم جامہ انسانیت میں آ گئے۔" انور نے کہا۔

"جان من میں کسی لڑکی کے سامنے ایسا حلیہ نہیں بناتا کہ وہ مجھے لفٹ ہی نہ دے۔"

"تو پھر اسی شکل میں اسے بلانے گئے تھے۔"

"قطعی...... میں فریدی صاحب کی طرح بزدل نہیں ہوں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اس بار تمہاری بھی ساری شیخی ہوا ہو گئی۔"

"لونڈے ہو۔" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"میں تو خیر لونڈا ہوں لیکن تم لونڈے سے بھی بدتر ہو۔ کل رات کو میں نے تمہیں چاہا تھا۔"

"ایسے اتفاقات بہادروں ہی کو پیش آتے ہیں۔" انور نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا

"بہادر میاں ذرا اپنے آنسو تو سکھا لو۔ بہت روئیں گے ان کو ہم یاد کر کے چلے دل جو برباد کر کے۔"

دفعتاً فریدی ان کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا اور جھلائے ہوئے لہجے میں آہستہ سے بولا۔

"تم لوگ سب چوپٹ کر دو گے۔" پھر حمید کی گردن پکڑ کر کہا۔ "تمہاری شامت آ جائے گی"

"شامت بھی اتفاق سے مؤنث ہے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

فریدی اسے گھورتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم رشیدہ کا چکر چھوڑ دو۔" حمید نے انور سے کہا۔

"مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں خواہ مخواہ اپنی بھی جان دو گے۔ اگر تم باز آ جاؤ تو میں فریدی صاحب کو کسی طرح روک ہی لوں گا۔" حمید نے کہا۔ "ویسے تو ہمیشہ انکے سر پر ایڈونچر کا بھوت سوار رہتا ہے۔"

"اگر فریدی صاحب نہ جائیں تب بھی ڈی گاریکا کی ساتھ میں جاؤں گا۔"

"عشق بُری بلا ہے۔" حمید منہ سکھا کر بولا۔ "خدا بروز قیامت تمہیں مجنوں کے دیدار

ٹرف کرے۔ آمین چلئے تشریف لے چلئے۔"

حمید نے سامنے والے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ہال میں ڈی گاریکا اس کی لڑکی اور فریدی بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔

"سی نور انور سعید۔" فریدی نے اٹھ کر تعارف کرایا۔ "اور سی نورر مونا ڈی گاریکا۔"

رمونا کھڑی ہو کر بڑے لچکیلے انداز میں انور کی طرف جھکی جس پر انور نے بھی اس کی تقلید کی۔ پھر دونوں بیٹھ گئے۔ سرجنٹ حمید رمونا سے اجازت لے کر اپنا پائپ سلگانے لگا۔

"مجھے تمباکو کے دھوئیں سے نفرت نہیں ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"میں اس کے لئے تمہارا شکرگزار ہوں۔" حمید نے کہا اور وہ بھی ایک خالی صوفے کے ھے پر بیٹھ گیا۔

"ہم ساحل تک کس طرح جائیں گے؟" ڈی گاریکا نے فریدی سے پوچھا۔

"یہ ساری باتیں مجھ پر چھوڑ دو۔"

"شاید آپ کو معلوم نہیں۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "پولیس نے آپ کی گرفتاری کے لئے پانچ ہزار روپے کا انعام مقرر کیا ہے۔ لہٰذا اس وقت آپ کو کوئی ایسی سڑک نہیں ملے گی جس پر گاڑیاں نہ روکی جا رہی ہوں۔"

"اوہ...... یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ تم لوگ بس دیکھتے رہو۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر حمید کی طرف اشارہ کر کے ڈی گاریکا سے بولا۔ "میرا دوست اپنی ڈاڑھی صاف کر ہی چکا ہے اب میری بھی صاف ہو جائے گی۔"

"مجھے بہت افسوس ہوگا۔" ڈی گاریکا متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "اتنی شاندار ڈاڑھی۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"کوئی بات نہیں پھر اُگ آئے گی۔"

حمید اس کی گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ اس کی نظریں رمونا کے ہونٹوں پر جمی ہوئی تھیں جن کا سلگتا ہوا ابھار اس کے ہونٹوں میں سرسراہٹ پیدا کر رہا تھا۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"وہ کیا......؟" فریدی نے اُسے گھور کر پوچھا۔

"یہی کہ اب ہم لوگ بقیہ زندگی یادِ خدا میں گزار دیں۔" حمید نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ رمونا بے اختیار ہنس پڑی۔

"اور دوسری بات یہ کہ اب تم میری اجازت کے بغیر ایک لفظ بھی نہ بولو گے۔" فریدی نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر اجازت ہو تو میں یہ عرض کروں کہ میں نے آپ کا کہا مان لیا ہے۔"

"شٹ اپ......!" فریدی چیخ کر بولا اور حمید دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرانے لگا۔ رمونا مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"اب ہمیں تیاری شروع کر دینی چاہئے۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "پھر ڈی گاریکا سے کہنے لگا۔ مجھے تمہارا حلیہ بھی بدلنا پڑے گا ورنہ تمہاری رنگت بڑی دشواریاں پیدا کر دے گی۔ رمونا تو خیر اتنی زیادہ غیر یوروپین نہیں معلوم ہوتی۔"

"تو کیا تم میری رنگت بھی بدل دو گے۔" ڈی گاریکا حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

"یقیناً......ورنہ پھر میک اپ سے فائدہ ہی کیا۔"

"البرونو تم اس دنیا کے آدمی معلوم نہیں ہوتے۔"

"ہاں یہ فرشتہ ہیں۔" حمید خشک لہجے میں بولا۔

"تم پھر بولے۔" فریدی اسے گھورنے لگا۔

رمونا ہنس پڑی اور حمید بچکانے انداز میں طرح طرح کے منہ بنانے لگا۔

"تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔" رمونا نے اس سے کہا۔

"اگر اجازت ہو۔" حمید فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ "تو میں ان سے یہ کہوں کہ ہاں واقعی میں دلچسپ آدمی ہوں۔"

"خدا کے لئے تم باہر چلے جاؤ۔" فریدی تنگ آ کر بولا۔

"شاید میرا دوست اب کچھ بہت خوفناک قسم کی باتیں کرنے جا رہا ہے۔" حمید نے رمونا سے کہا۔ "اسی لئے یہاں میری موجودگی پسند نہیں کرتا۔ میں ابھی کمسن ہوں نا......اچھا میں تو چلا۔"

"ٹھیک ہے۔" رمونا مسکرا کر بولی اور وہ بھی اٹھ کر حمید کے ساتھ چلی گئی۔

"میرا دوست نیک آدمی ہے مگر تھوڑا شریر بھی ہے۔" فریدی نے ڈی گاریکا سے معذرت لہجے میں کہا۔

"بچہ ہے بچہ ہے۔" ڈی گاریکا نے کہا۔ "رمونا اپنے بھائی کی موت کی وجہ سے بہت تھی۔ اچھا ہے اس کا دل بھی بہل جائے گا۔"

اس کے بعد سفر کے سلسلے میں ضروری اسباب کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد ڈی گاریکا کو میک اپ کے لئے دوسرے کمرے میں لے کر چلا گیا۔

انور چند لمحے تک ہال میں تنہا بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔ پھر وہ بھی اٹھ کر ٹہلتا ہوا باہر برآمدے گیا۔ داہنے طرف کے دریچے کے قریب رمونا اور حمید کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

"تمہارا کیا نام ہے؟" رمونا نے حمید سے کہا۔

"حمید یوف......!"

"حمید یوف......!" رمونا نے دہرایا۔ "مگر یہ نام پرتگالی تو معلوم نہیں ہوتا۔"

"میں دراصل زار روس کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "میرا یدیوف زار روس کا رشتے کا بھتیجا لگتا ہے۔"

"اوہ تو تم شاہی نسل سے ہو۔"

"ہاں انقلاب روس کے بعد میرا باپ پرتگال چلا آیا تھا۔" حمید نے کہا اور جھک کر پائپ نے لگا۔

انور سوچنے لگا کہ اب اس لڑکی کی خیر نہیں۔

"اور تمہارے حیرت انگیز دوست البرونو......!" رمونا نے پوچھا۔

"وہ خالص پرتگالی ہے اور ایک معمولی کسان کا بیٹا۔"

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔" انور چیخ کر بولا۔

"اوہ تم......!" حمید مڑ کر بولا۔ "کیا تم نے اندر شراب پی ہے۔ زیادہ چڑھ گئی ہے۔ تمیز بات کرو۔ خیر میں نے معاف کیا۔ رمونا یہ تمہاری شہزادی رومولی کا خادم ہے۔ اس لئے میں

اسے معاف کرتا ہوں۔ شاید البرونو نے اسے زیادہ پلا دی۔"

انور دانت پیسنے لگا۔ وہ کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ اسے فریدی کی بات یاد آ گئی۔ وہ خود کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"نہیں نہیں خادم نہیں۔" رمونا جلدی سے بولی۔ "یہ شہزادی صاحبہ کے دوست ہیں۔"

"خیر ہوگا...... مجھ سے کیا غرض۔" حمید نے کہا۔ "میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ آدمی نشے م بالکل چغد ہو جاتا ہے۔"

"میں نشے میں ہوں۔" انور بگڑ کر بولا۔

"خیر خیر...... میں کم رتبہ آدمیوں کو منہ لگانا نہیں پسند کرتا۔"

"کم رتبہ۔" انور آستین چڑھاتا ہوا بولا' اور رمونا ان کے درمیان میں آ گئی۔

"تم لوگ یہ کیا کرنے لگے۔" رمونا نے کہا۔ "یہ جھگڑا کرنے کا وقت نہیں۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" حمید آہستہ سے بولا اور پیچھے ہٹ گیا۔ انور تھوڑی دیر تک ک اسے گھورتا رہا۔ پھر مٹھیاں بھینچتا ہوا اندر واپس آیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ سرجنٹ حمید سے ا اس کی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ اور وہ آخیر وقت تک ڈٹا رہتا تھا۔ مگر آج اس کی روح غم گہرائیوں میں غوطے کھا رہی تھی۔ اس کی ساری ظرافت اور بذلہ سنجی رخصت ہو گئی تھی۔ طنز زہریلے تیر کند ہو گئے تھے اور پھر وہ خود کو ایک معمولی آدمی تصور کرنے لگا تھا۔ اس کا دماغ مر رشیدہ میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ذہانت اب کبھی واپس نہ لے جیسے وہ ہمیشہ کے لئے ناکارہ ہو گیا ہو۔

ہال میں پہنچ کر وہ ٹہلنے لگا۔ اتنے میں فریدی نے اسے دوسرے کمرے میں آواز دی۔

"تم نے اپنے انتظامات مکمل کر لئے۔"

"مجھے کوئی خاص انتظام نہیں کرنا ہے۔" انور نے کہا۔ "ضروریات کے لئے صرف ا سوٹ اور ایک بستر کافی ہوگا۔"

"تو وہ سب کہاں ہیں۔"

"میں ابھی لاتا ہوں۔"

"جلدی کرو...... تمہارا میک اپ بھی ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔ "پولیس تمہاری طرف مطمئن نہ ہوگی۔"

ایک گھنٹے بعد انور اپنے گھر میں ضروری سامان اکٹھا کر رہا تھا۔ اس سے فرصت پا کر وہ اپنی سائیکل لے آیا جس کی مرمت ہو چکی تھی۔ اسے گیراج میں بند کرنے کے بعد اس نے اٹھایا لیکن پھر سوچنے لگا سامان سمیت آشیانہ کی طرف جانا ٹھیک نہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی ل ہی جائے۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر سامان لے کر نیچے اترا۔ قریب ہی ایک کھڑی تھی۔

"ہوٹل آرلیکچو......!" انور نے سامان رکھتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھنے ہی جا رہا تھا کہ غیر ارادی طور پر پیچھے کی طرف مڑا۔ انسپکٹر آصف کھڑا رہا تھا۔

"ہوٹل آرلیکچو کیوں......؟" اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"اوہ آصف......!" انور نے کہا۔ "میں خطرے میں ہوں۔"

"یعنی......!"

"میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ بتاؤں۔"

"ہوش میں آؤ...... جگدیش نے تمہارے پیچھے آدمی لگا رکھے ہیں۔"

"ہوگا بھئی...... لیکن وہ آدمی میری جان نہیں بچا سکیں گے۔ میں فی الحال گھر میں نہیں رہنا "

"ڈرو نہیں۔" آصف تشفی آمیز لہجے میں بولا۔ "البرونو اب دوسری حرکت کی ہمت نہ کے گا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس کی گرفتاری کے انعام کا اعلان کیا گیا ہے۔"

"مجھے سب کچھ معلوم ہے مگر البرونو آدمی نہیں بھوت ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو۔" آصف متحیر ہو کر بولا۔

"اس میں تعجب کی بات نہیں۔ میں البرونو کے مقابلہ میں ہمت ہار چکا ہوں اور پھر ایسی ئے میں جب کہ یہ نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے کیوں الجھنا چاہتا ہے۔ میرے لئے بچاؤ کے

امکانات ختم ہو گئے ہیں۔"

"تم کل تک اس کی لاش دیکھو گے۔" آصف نے کہا۔ "وہ جہاں بھی دکھائی دیا اسے گولی ماردی جائے گی۔ کیونکہ وہ غیر قانونی طریقے پر ملک میں داخل ہوا ہے۔"

"خیر بھئی...... اسے اپنے ہی تک رکھنا کہ میں آرلکچو میں مقیم ہوں۔ تم مجھ سے وہاں مل سکتے ہو کمرہ نمبر بانویں۔"

انور نے ٹیکسی میں بیٹھ کر دروازہ بند کرلیا اور ٹیکسی چل پڑی۔

اسکے منہ سے خواہ مخواہ آرلکچو نکل گیا ورنہ ارادہ کچھ اور تھا...... بہر حال اسے اس اتفاق پر خوشی ہو رہی تھی کہ آصف دھوکہ کھا گیا۔ ڈرائیور دوسری طرف ٹیکسی موڑنے والا تھا کہ انور بولا

"آرلکچو نہیں...... گجراج گھاٹ۔"

ڈرائیور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ انور کا خیال تھا کہ وہ لوگ گجراج گھاٹ ہی کی طرف جائیں گے۔ کیونکہ وہ ادھر سے غیر ممالک کی ناجائز درآمد و برآمد کے متعلق پہلے ہی سن چکا تھا۔ گجراج گھاٹ پہنچ کر اس نے سامان ایک چھوٹے سے ہوٹل میں اتارا اور اسی ٹیکسی پر پھر شہر کی طرف روانہ ہوا۔ سرکلر روڈ کے موڑ پر اس نے ٹیکسی رکوائی۔ دس دس کے پانچ نوٹ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"میں کہاں اترا ہوں۔" انور نے ڈرائیور سے پوچھا جو ان نوٹوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"آرلکچو ہوٹل میں۔" ڈرائیور مسکرا کر بولا۔

"بہت خوب! سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔" انور نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

"جی...... میں جانتا ہوں کہ پولیس والوں سے آپ کی چلتی رہتی ہے۔"

"کیا تم مجھے پہچانتے ہو......؟" انور چونک کر بولا۔

"ارے صاحب میں آپ کے قریب ہی رہتا ہوں۔"

"ٹھیک! بہت اچھے۔ ہاں میں نے تمہیں کم تو نہیں دیا۔"

"نہیں صاحب بہت ہے۔" ڈرائیور اپنا ہاتھ ماتھے کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ پھر اس نے ٹیکسی بیک کی اور انور آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دور چل کر وہ مڑا...... بہت دور ٹیکسی کی سرخ روشنی

تاریکی میں مدغم ہوتی جارہی تھی۔

دو فرلانگ پیدل چلنے کے بعد وہ آشیانہ کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔

فریدی وغیرہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ انور نے رمونا کو پہلے نہ دیکھا ہوتا تو یہی سمجھتا کہ غلطی سے کسی دوسری عمارت میں گھس آیا ہے۔ کیونکہ فریدی حمید اور ڈی گاریکا کی شکلیں بالکل بدلی ہوئی تھیں۔ فریدی کو اس نے آواز سے پہچانا ورنہ یہ معلوم کرنا بھی دشوار تھا کہ ان میں سے فریدی کون ہے۔ اس نے ہندوستانی رجواڑوں کے راجپوت سرداروں جیسی شکل بنا رکھی تھی۔ سرجنٹ حمید اور ڈی گاریکا فوجی لباس میں تھے۔ انور کو سب سے زیادہ حیرت ڈی گاریکا کی رنگت پر ہوئی۔ فریدی نے اسے گندمی رنگت کا ایک ہندوستانی بنا دیا تھا۔ سرجنٹ حمید اینگلو انڈین معلوم ہوتا تھا۔

انور نے دیر سے پہنچنے کا سبب بیان کیا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"تمہارا اندازہ سو فیصدی صحیح ہے۔ ہم گجراج گھاٹ ہی کی طرف روانہ ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ لوگوں کے ساتھ میری موجودگی درست نہیں معلوم ہوتی۔" انور نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ تمہارا بھی میک اپ کیا جائے گا۔ تمہارا وہی پادری والا پرانا میک اپ زیادہ درست رہے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

فریدی انور کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ میک اپ کا سامان ایک بڑی سی میز پر بکھرا ہوا تھا۔ فریدی نے انور کے سر کے بالوں کی مناسبت سے اس کے چہرے پر سرخی مائل ڈاڑھی لگائی اور سوٹ کیس سے کتھئی رنگ کا ایک گاؤن نکال کر پہنا دیا۔

اور پھر جب وہ باہر آئے تو ڈی گاریکا بے اختیار اچھل پڑا۔

"البرٹو تم سچ مچ اس قابل ہو کہ پوجے جاؤ۔"

"میں نے ایسا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔" رموتا بولی۔

"اور مجھ جیسا آدمی......!" حمید نے پوچھا۔

"تم آدمی کب ہو۔"

"کیا مطلب......!"

"مطلب یہ کہ تم آدمی نہیں شہزادے ہو۔" رمونا نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

فریدی پھر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ہاتھوں میں سوٹ کیس لٹکائے ہوئے واپس آیا۔

"ہمارا ضروری سامان پہلے ہی گجراج پہنچ چکا ہے۔" فریدی نے انور سے کہا۔

وہ سب مکان سے باہر آئے۔ تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد انہیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ راستے میں کئی پولیس والوں نے انہیں روکا اور ڈی گاریکا کو یہ دیکھ کر اور حیرت ہوئی کہ البرونو ہندوستانی زبان میں بھی گفتگو کر سکتا ہے۔

گجراج گھاٹ پہنچ کر انور کو پھر اپنی صحیح شکل میں آجانا پڑا۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنا سامان نہیں لے سکتا تھا۔

ایک کافی بڑی موٹر بوٹ سمندر کی پرسکون سطح پر ان کا انتظار کر رہی تھی۔ سامان بار کر دیا گیا اور وہ اطمینان سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ موٹر بوٹ کافی طویل و عریض تھی جس کے درمیان میں ایک بڑا سا کیبن تھا۔ کیبن دو حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصہ مسافروں کے لئے تھا اور دوسرا موٹر بوٹ کے عملہ کے لئے۔

اسٹروکر نے انجن اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ گھاٹ پر کئی ٹارچوں کی روشنیاں دکھائی دیں یہ کسی قسم کا اشارہ تھا جس پر انجن بند کر دیا گیا۔ بھاری بھاری قدموں کی آوازیں نزدیک آتی محسوس ہو رہی تھیں۔ دفعتاً دو پولیس انسپکٹر اور کچھ کانسٹیبل موٹر بوٹ پر چڑھ آئے۔

"کہاں جائے گا" ایک پولیس انسپکٹر نے بھاری بھرکم آواز میں پوچھا۔

"ریاست دیر گڑھ۔" فریدی پرغرور آواز میں بولا۔ "یہ ریاست کی سرکاری موٹر بوٹ ہے۔"

"سامان کدھر ہے۔"

"کیوں اپنا اور ہمارا وقت برباد کرتے ہو۔ ہم کوئی چیز ناجائز طور پر نہیں لے جا رہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور انسپکٹر اسے گھورنے لگا۔

"تمہارا نام......!"

"راجہ رگھوراج سنگھ......!" فریدی پروقار انداز میں اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"معاف کیجئے گا......راجہ صاحب۔"

پولیس والے موٹر بوٹ سے اتر گئے۔ انجن پھر اسٹارٹ ہوا اور موٹر بوٹ سمندر کے بپھرے ہوئے سینے پر دوڑنے لگی۔

"کیا بات تھی۔" ڈی گاریکا نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے انہیں ہنکا دیا۔"

"اب خواہ مخواہ جاگتے رہنا فضول ہے۔" رمونا اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"میں تمہارے اس خیال کی قدر کرتا ہوں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "مگر البرونو کھڑے کھڑے سونے کا عادی ہے۔"

"کھڑے کھڑے......!" رمونا نے متحیر ہو کر پوچھا۔

"ہاں اور ایک آنکھ سے جاگتا رہتا ہے یعنی کہ یوں۔" حمید نے رمونا کی طرف دیکھ کر ایک آنکھ بند کرتے ہوئے کہا اور رمونا جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"ارے کم بخت تم اس کے باپ کے سامنے اسے آنکھ مار رہے ہو۔" فریدی جھلا کر اردو میں بولا۔

"ڈی گاریکا......البرونو اس طرح سوتا ہے۔" حمید نے ڈی گاریکا کو بھی آنکھ ماری اور ڈی گاریکا بے اختیار ہنس پڑا۔

"البرونو تمہارا ساتھی بہت پیارا ہے۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"بہت......!" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

رمونا نے ایک سوٹ کیس سے شب خوابی کا لباس نکالا اور غسل خانے کی طرف چل پڑی۔

"البرونو تم کتنی زبانیں جانتے ہو۔" ڈی گاریکا نے فریدی سے پوچھا۔

"دنیا کی کئی مشہور زبانیں...... میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ سیکھتا رہتا ہوں۔"

"مجھے حیرت ہے۔"

"کیوں......؟"

"یورپ کی زبانیں قریب قریب ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ اس لئے یورپین لئے ان کا سیکھنا زیادہ مشکل نہیں۔ لیکن مشرقی زبانیں تم نے کس طرح سیکھیں۔ جبکہ ان کا رسم الخط یورپین رسم الخط سے بالکل مختلف ہے۔"

"میں صرف بول سکتا ہوں لکھ نہیں سکتا۔" فریدی نے کہا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم عرصے تک مشرق میں رہے ہو۔"

"ہاں...... آں...... میں تو ایک سیلانی آدمی ہوں۔ مشرق و مغرب شمال وجنوب میرے لئے ایسے ہیں جیسے کسی مکان کے چار کمرے۔"

ڈی گاریکا اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اسے یقین نہ آیا ہو پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تم بہرحال ایک حیرت انگیز آدمی ہو۔"

رمونا شب خوابی کے لباس میں غسل خانے سے برآمد ہوئی۔ اس کی بڑی بڑی نیلی آنکھیں نیند سے بوجھل نظر آرہی تھیں۔ سیاہ رنگ کا ریشمی لبادہ اس کی نقرئی گردن میں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کالی رات ابھرتے ہوئے اجالے کو ڈسنے کی کوشش کر رہی ہو۔ حمید نے ایک طویل انگڑائی لی اور انور کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اس کے کان میں آہستہ سے بولا۔

"قیامت ہے۔"

"تم چغد ہو۔" انور برا سا منہ بنا کر بولا۔

"اور تم......!"

"الو کا پٹھا......!" انور جھلا کر بولا۔ اس کا دماغ پتھر کی سل ہو گیا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے یہ سفر انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہونے لگا تھا۔ الف لیلےٰ کے سند باد جہازی کا سفر۔ کسی ستے ناول کے ہیرو کا روائتی سفر...... ایسا سفر جو پڑھنے والوں کی گھٹیا مذاق کی تسکین کیلئے تشکیل دیا جاتا ہے۔ اسے اپنی ذات پر یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ ایک ایسے ہی سفر میں مبتلا ہو گیا ہے اگر وہ کسی ایسے ہی سفر کے متعلق کسی کتاب میں پڑھتا تو بے تکان اسے کھڑکی سے باہر سڑک پر پھینک دیتا۔

ہم شبیہہ

بحرین پہنچ کر فریدی اور حمید اپنی اصل شکلوں میں آگئے۔ انور نے بھی پادری کا لباس اتار دیا لیکن ڈی گاریکا کو احتیاطاً ایک ہندوستانی ہی کے لباس میں رہنے دیا گیا۔ ڈی گاریکا کے پاس اس کے بیٹے اور بیٹی کے پاسپورٹ تھے۔ یہاں سے فریدی اور حمید بھی اپنے بین الاقوامی پاسپورٹ استعمال کر سکتے تھے۔ اب سوال انور کا رہ گیا تھا۔ اس کے لئے شاید فریدی نے کوئی تدبیر سوچ لی تھی۔ غالباً اسی لئے ڈی گاریکا وغیرہ کو اطمینان دلاتا رہا تھا۔

فریدی کا خیال تھا کہ ڈان ونسنٹ وغیرہ بھی فرار کے لئے بحرین کا راستہ اختیار کریں گے۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ یہاں سے گزر گئے یا ابھی پہنچے ہی نہیں۔

انور ڈی گاریکا اور رمونا کو ایک ہوٹل میں چھوڑ کر فریدی اور حمید ڈان ونسنٹ کا پتہ لگانے کے لئے نکل گئے۔ انور دن بھر ڈی گاریکا سے الٹے سیدھے سوالات کرتا رہا۔ وہ دراصل ڈی گاریکا کے بیان کی طرف سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

"ہم لوگ جمہوریت کو مضحکہ خیز تصور کرتے ہیں۔" ڈی گاریکا نے کہا۔ "اسی لئے ہمارے یہاں ابھی تک شہنشاہیت قائم ہے۔ لیکن ہماری شہنشاہیت تمہاری جمہوریت سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔"

"اسی لئے تمہارا موجودہ حکمران تخت کے جائز وارث کے قتل کی کوشش کر رہا ہے۔" انور عجیب لہجے میں بولا۔

"اوہو...... کیا تمہاری جمہوریت کا دامن اس بدنما داغ سے پاک ہے؟ کیا تمہارے یہاں ایماندار لیڈر قتل نہیں کئے جاتے۔ شہنشاہیت میں تو صرف ایک نالائق سے دو چار ہونا پڑتا ہے جمہوریت میں نالائقوں کی ایک پوری ٹیم وبال جان بن جاتی ہے۔ ایک نالائق سے پیچھا چھڑانا آسان ہے لیکن پوری ٹیم سے نپٹنا مشکل ہو جاتا ہے اور پھر ہمارے ملک کا دستور کچھ اس طرح کا ہے کہ شہنشاہ اور رعایا ہر حال میں ایک دوسرے کے پابند ہوتے ہیں تم دیکھو گے کہ ہم کس

آسانی سے اپنے موجودہ حکمران کو معزول کر دیتے ہیں۔"

انور تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"لیکن تمہاری قوم کب تک پچپی رہے گی۔"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" ڈی گاریکا فکرمندانہ انداز میں بولا۔

"ہوسکتا ہے تم ہی لوگوں کا وجود ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو...... نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ البرونو کی مدد کے بغیر ہم شہزادی کو نہ پاسکیں گے۔"

"حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے اب بھی تمہارے بیان پر شبہ ہے۔"

"یعنی......!"

"تمہارا بیان کردہ جزیرہ مجھے بالشتیوں کی سرزمین معلوم ہو رہا ہے۔"

"تم خود دیکھ لو گے۔" ڈی گاریکا مسکرا کر بولا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اور اگر میرا بیان درست ہے تو پھر میں چند غیر ملکیوں کو خواہ مخواہ کیوں پریشان کر رہا ہوں۔ کیا تم مجھے صحیح الدماغ نہیں سمجھتے۔" ڈی گاریکا نے سنجیدگی سے کہا۔

پانچ بجے شام کو فریدی اور حمید واپس آئے۔ حمید نے اپنے فلٹ ہیٹ میں کاغذ کا ایک بہت بڑا پھول لگا رکھا تھا اور دونوں جیبیں چاکلیٹوں اور ٹافیوں سے بھر رکھی تھیں۔

"اس وقت تم سچ مچ روسی شہزادے معلوم ہو رہے ہو۔" رمونا طنزیہ لہجے میں بولی۔

"روسی شہزادے۔" فریدی حمید کی طرف تعجب آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

"گڑبڑ مت کیجئے۔" انور آہستہ سے اردو میں بولا "حمید اس سے کہہ چکا تھا کہ وہ زار روس کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔"

فریدی نے برا سا منہ بنایا اور ڈی گاریکا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھی کل یہاں پہنچے تھے اور کل ہی کسی نامعلوم جگہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہ پانچ تھے۔"

"پانچ......!"

"ہاں......لیکن ان میں کوئی عورت نہیں تھی۔"

"اوہ تو کیا انہوں نے اسے مار ڈالا ہے۔" ڈیگاریکا بے چینی سے بولا۔

"میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ ان کے ساتھ ایک بوڑھا مریض تھا جو بحرین کے ساحل پر بیہوشی کی حالت میں اتارا گیا تھا۔"

"بوڑھا مریض......!" ڈی گاریکا حیرت ظاہر کرتا ہوا بولا "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ انہوں نے رشیدہ کو بیہوش کر کے اس پر بوڑھے کا میک اپ کر دیا ہو۔"

"ہوسکتا ہے۔" ڈی گاریکا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ڈان ونسنٹ شاہی محکمہ سراغ رسانی کا افسر ہے۔"

"وہ لوگ اسٹار کمپنی کی ایک دخانی کشتی میں روانہ ہوئے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کمپنی کی کشتیاں صرف بحر روم تک چلتی ہیں۔"

"اوہ......!" ڈی گاریکا اچھل کر بولا۔ "تب وہ یقیناً جبرالٹر میں اتریں گے۔ جبرالٹر میں ان کا ایک خفیہ ایجنسی ہے۔"

"تو پھر آج رات کو ہم بھی روانہ ہو رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر انور کا کیا ہوگا وہ کس طرح سفر کرے گا۔" ڈی گاریکا تشویش آمیز لہجے میں بولا۔

"میں سب کچھ کر لوں گا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ہاں ایک بات یہ بتاؤ تمہارے بیٹے کی آنکھوں کی رنگت کیسی تھی۔"

"سبز......!" ڈی گاریکا تھوڑی دیر بعد گلوگیر آواز میں بولا۔

"اور بالوں کی......؟"

"سرخی مائل۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر غسل خانے میں چلا گیا۔ اس دوران میں حمید اور رمونا ٹافیاں کھاتے رہے۔ حمید نے دو چار انور کی طرف بھی بڑھائیں لیکن اس نے ہونٹ سکوڑ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"البرونو تو اب بالکل جوان معلوم ہوتا ہے۔" رمونا نے

"قطعی نہیں...... وہ پچاسی برس کا ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"بعض اوقات تم سفید جھوٹ بولتے ہو۔" رمونا نے منہ بنا کر کہا۔

"بحرین بڑی حسین جگہ ہے۔" انور نے بات اڑا دی۔

"مجھے تو پسند نہیں۔"

"پھر تمہیں کیا پسند ہے۔"

"شلجم کا مربہ......!" رمونا نے کہا اور حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔

اتنے میں فریدی واپس آ گیا اور رمونا نے شرارت آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"البرونو...... یہ کہتا ہے کہ تم پچاسی برس کے ہو۔"

"ٹھیک کہتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"البرونو میں تمہاری اصلی شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"تم مجھے اس وقت میری اصلی ہی صورت میں دیکھ رہے ہو۔"

"تب تو تم تیس سال سے زیادہ کے نہیں ہو سکتے۔" رمونا نے کہا۔

"ممکن ہے تمہارا خیال صحیح ہو۔" فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

"کیوں؟" وہ حمید کی طرف مڑی۔ "تمہارا جھوٹ ظاہر ہو گیا نا۔"

"اوہ......! تو اگر تیس ہی سال کے ہیں تو کون سے بڑے تیس مار خاں ہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"تیس مار خاں کیا چیز۔"

"تیس مار خان ہماری طرف اسے کہتے ہیں جو روزانہ تیس مکھیاں مار لیتا ہو۔ اس لئے وزیرِ صحت کو بھی تیس مار خاں کہتے ہیں۔"

رمونا ہنسنے لگی۔

"مجھے اب تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں رہا۔" رمونا نے کہا پھر فریدی کو مخاطب کر کے بولی۔ "یہ کہہ رہا ہے کہ تم ایک معمولی کسان کے بیٹے ہو اور خود یہ زارِ روس کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔"

یک کہتا ہے۔" البرونو نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

البرونو ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔" ڈی گاریکا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آخر تم میرے لئے
کیوں اٹھا رہے ہو۔"

میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے ڈان ونسنٹ اور
گردنیں توڑنی ہیں۔ انہوں نے لندن کے ایک نائٹ کلب میں میری سخت توہین کی تھی۔"

تو ڈان ونسنٹ کا یہ بیان صحیح تھا کہ اس کا لندن میں چند پرتگالیوں سے جھگڑا ہو گیا تھا۔

بالکل صحیح تھا۔" فریدی نے کہا۔ "تم ذرا اپنا پاسپورٹ مجھے دے دو۔"

کیوں؟ کیا کرو گے۔"

مجھے تمہارے لڑکے کی تصویر چاہئے۔"

ی گاریکا نے فریدی کو پاسپورٹ دے دیا۔

انور ادھر آؤ۔" فریدی نے انور کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور پھر دوسرے کمرے
راس کی طرف مڑا۔ "مجھے خوشی ہے کہ اس وقت آنکھوں کی رنگت کام آ گئی۔"

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

تمہاری آنکھیں بھی سبز ہیں۔ میں تمہیں ڈی گاریکا کا لڑکا بناؤں گا...... اس طرح تم اس
ورٹ پر سفر کر سکو گے۔"

ور حیرت سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی پھر بولا۔

میں خود اس گھٹیا قسم کے بہروپ سے تنگ آ گیا ہوں۔ مگر کیا کروں بعض اوقات مجبور
تا ہے۔ بہر حال ڈان ونسنٹ کی حماقتیں ہماری کام آ رہی ہیں۔"

یعنی......!"

اگر وہ ڈی گاریکا کے لڑکے کو قتل کر کے اس کی شکل نہ بگاڑ دیتا تو میں کبھی اس کی ہمت
کتا تھا۔ ظاہر ہے کہ مقتول کی تصویریں اخبارات میں ضرور شائع ہوتیں اور پھر تم اس کے
ٹ کے ذریعے سفر نہ کر سکتے۔"

فریدی نے سوٹ کیس سے میک اپ کا سامان نکالنا شروع کیا۔ پھر انہیں ایک میز پر پھیلا

کر انور کی طرف مڑا۔

"بعض اوقات مجھے اس بھان متی کے سوانگ پر ہنسی آنے لگتی ہے۔ کیا حماقت ہے"

فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"خیر اس کی کرسی پر بیٹھ جاؤ...... ممکن ہے تمہیں تھوڑی سی تکلیف بھی ہو، پلاسٹک سرجری
میں کبھی کبھی زخم بھی آجاتے ہیں۔ مگر میں حتی الامکان احتیاط برتوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے ہونٹ چھیلے جا رہے ہوں لیکن
ضبط کئے بیٹھا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد فریدی نے اسے ایک آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا
بے اختیار چونک پڑا۔ ڈی گاریکا کا پاسپورٹ اس کے ہاتھ میں تھا۔ کبھی وہ اس کے
تصویر کی طرف دیکھتا اور کبھی آئینے کی طرف۔

"کمال کر دیا......!" وہ فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ "اس فن میں بھی شاید ہی کوئی آپ
ٹکر کا نکلے۔"

پھر وہ دونوں اس کمرے میں آئے جہاں ڈی گاریکا وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انور کو
ہی ڈی گاریکا اور رمونا اچھل پڑے۔

"میرا بچہ......!" ڈی گاریکا بے اختیار چیخا اور پھر متحیر ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"یہ انور ہے۔" فریدی نے کہا اور ڈی گاریکا کے چہرے پر گہری اداسی پھیل گئی۔

رمونا رو رہی تھی۔ ڈی گاریکا کے ہونٹ کپکپانے لگے اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہا
سے چھپا لیا۔

"ڈی گاریکا......!" فریدی غمناک آواز میں بولا۔ "مجھے افسوس ہے لیکن اس کے
کوئی چارہ نہیں تھا۔"

"میں اس حالت میں سفر کیسے کر سکوں گا۔" ڈی گاریکا گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔

"ہمت سے کام لو۔" فریدی نے کہا۔ "تم مرد ہو...... اور ایک جنگ جو سپاہی۔"

"رمونا کیسے زندہ رہ سکے گی۔ اس کے مردہ بھائی کا ہم شبیہہ!" ڈی گاریکا کی آواز
میں پھنس گئی۔

"میں دل پر پتھر رکھ لوں گی۔" رمونا تن کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی بھیگی ہوئی آنکھوں سے
غصے کی آنچ نکل رہی تھی۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا اور پھر پر وقار آواز میں بولی۔

"ہمیں اولیاری کے قتل کا انتقام لینا ہے۔ میں ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں کے خون سے
اپنے گھنگھریالے بالوں کو سرخ کروں گی۔ ان کی ہڈیاں چباؤں گی اولیاری کا ہم شکل میرے زخم
تازہ رکھے گا۔ انتقام کی آگ بھڑک اٹھے گی اور میں ڈان ونسٹ پر ذرہ برابر بھی رحم نہ کروں گی۔"

پھر وہ جوش میں بھری ہوئی بیٹھ گئی۔ ڈی گاریکا کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا چھت کی طرف
دیکھ رہا تھا۔ کمرے کی فضا پر ایک بوجھل سی خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ انور کو اپنے دل کی دھڑکنوں
کی دھمک کنپٹیوں میں محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ ایک طرف بیٹھ گیا۔

پھر کئی گھنٹے تک ان کمروں میں ماتمی اثرات چھائے رہے۔

اس دوران میں فریدی بہت زیادہ مشغول رہا۔ اسکے سامنے ایک بہت بڑا نقشہ پھیلا ہوا تھا
جس پر وہ پنسل سے نشانات لگا رہا تھا۔ اس نے کئی چارٹ بھی بنائے تھے جنہیں وہ ایک ایک
کر کے پھاڑ کر پھینکتا جا رہا تھا۔ آخر کار وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ایک
سگار سلگا کر اس کمرے میں آیا جہاں ڈی گاریکا وغیرہ دوسرے سفر کی تیاریاں کر رہے تھے۔

"میں اک دخانی کشتی کا انتظام کرنے جا رہا ہوں۔" فریدی نے اس سے کہا۔ "تم اپنے
انتظام مکمل رکھو۔"

"میں بھی چلوں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں......!" فریدی نے کہا اور باہر نکل گیا۔

انور محسوس کر رہا تھا کہ ڈی گاریکا اور رمونا اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے ہچکچاتے
ہیں۔ اس لئے اس نے وہاں بیٹھنا مناسب نہ سمجھا۔

رات آہستہ آہستہ بھیگتی جا رہی تھی۔ انور اکتا دینے والی خاموشی سے تنگ آ گیا تھا۔ اسے
ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ لاشوں اور سوکھی ہوئی ہڈیوں کے ڈھانچے کے درمیان وقت گزار رہا
ہے۔ حالانکہ اسے حمید کے قہقہوں سے ضد سی تھی لیکن اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کاش وہی
اس قبرستانی فضا کا خاتمہ کر دیتا۔

ایک بجے فریدی واپس آیا تھا۔ کشتی کا انتظام ہوگیا تھا اور اب رات ہی رات وہاں سے روانگی کی تجویز پر غور کیا جا رہا تھا۔ آخر فریدی ہی کی رائے پر سب کو متفق ہونا پڑا۔ سامان ایک اسٹیشن ویگن پر رکھا گیا اور وہ سب ساحل کو روانہ ہوگئے۔

''تم آخر اتنے خاموش کیوں ہو۔'' انور نے حمید سے پوچھا۔

''تم لوگوں نے میری زندگی برباد کردی۔'' حمید بسور کر بولا۔

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔''

''فریدی صاحب کو مجھ سے ضد ہوگئی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''آخر بات کیا ہے؟''

''تمہیں اولیاری کی شکل میں لانے کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں تھی۔'' حمید جھلا کر بولا۔ ''ظاہر ہے کہ اب رمونا کی مسکراہٹیں بے جان ہو کر رہ جائیں گی۔''

''اوہ! یہ بات ہے۔ حمید تم بڑے ڈیوٹ ہو۔''

''کسی خوبصورت عورت کی زندگی سے بھرپور مسکراہٹ میری جنت ہے۔''

''تم خاصے احمق ہو۔'' انور منہ بنا کر بولا۔

''اور مجھ سے بھی زیادہ احمق تم ہو کہ ایک عورت ہی کے لئے موت کے منہ میں کودنے جا رہے ہو۔'' حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔ انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھور رہا تھا۔

حمید کا عشق

بحرین سے جبرالٹر تک کے بحری سفر میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ آہستہ آہستہ رمونا اور ڈی گاریکا کی افسردگی دور ہوتی جا رہی تھی۔ اس دوران میں وہ سب ایک دوسرے سے کافی بے تکلف ہو گئے تھے۔ جبرالٹر پہنچ کر فریدی نے ڈی گاریکا سے وہ مقامات معلوم کیے جہاں

ان کے ملک کی خفیہ ایجنسی کے افراد رہتے تھے۔ اس کے بعد وہ اور حمید ڈان ونسنٹ کی سراغ رسانی میں مصروف ہوگئے۔

انور ڈی گاریکا اور رمونا کے ساتھ ٹھہرا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ فرصت کے لمحات میں رمونا زیادہ تر غیر مستقل مزاج اور کھلنڈری لڑکی ہے۔ لیکن وہ اس غلط فہمی میں ابھی تک مبتلا تھی کہ البرونو سچ مچ زار روس کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

''لیکن مجھے اس پر یقین نہیں کہ البرونو نچلے طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔'' رمونا نے انور سے کہا۔

''میں بھلا اس کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں۔'' انور نے کہا۔

''ہاں یہ میں بھی محسوس کرتی ہوں کہ البرونو ایک لاپرواہ آدمی ہے۔ شاید وہ کبھی سوچتا ہی نہیں کہ دوسرے اس کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں۔ بعض اوقات میں سوچنے لگتی ہوں کہ وہ شاید کسی دوسری دنیا کا آدمی ہے۔ میں نے ابھی تک اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نہیں دیکھے۔ حالانکہ اس سفر نے ہمارا کچومر نکال دیا ہے۔''

انور کچھ نہ بولا۔ رمونا تھوڑی دیر بعد پھر کہنے لگی۔

''ڈان ونسنٹ میری قوم کا بہادر ترین آدمی ہے۔ تیغ زنی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس کی حیرت انگیز صلاحیتوں کے متعلق افسانے مشہور ہیں۔ مگر البرونو نے اسے بھی شکست دے دی تھی اور اب وہ اسے جان سے مارنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ڈان الفریڈو ایک مشہور پہلوان ہے لیکن وہ محض البرونو کے خوف سے دم دبا کر بھاگ نکلا۔''

انور رشیدہ کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ اس نے رمونا کو دیکھ کر پوچھا۔

''تم اس سے پہلے بھی سی نور رومولی سے مل چکی ہو۔''

''نہیں میں نے انہیں آج تک نہیں دیکھا۔''

''تو کیا اسے تمہارے جزیرے کا حکمران بنا دیا جائے گا۔''

''ہاں......!''

''لیکن تم اس کے لئے کیا ثبوت پیش کرو گی کہ وہ شہزادی رومولی ہے۔ کیونکہ تمہاری قوم تو جانتی ہے کہ وہ بچپن ہی میں قتل کر دی گئی تھی۔''

''ہماری قوم کی ایک بہت بڑی شخصیت اس راز سے واقف ہے۔ ہمارا مذہبی پیشوا مقدس باپ پطرس......!''

''اور اگر حاکم وقت نے اسے بھی جھٹلا دیا تو۔'' انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔

''وہ مقدس باپ کو جھٹلانے کی ہمت نہیں کرسکتا۔''

''یہ کہو رائے عامہ بدلتے دیر نہیں لگتی، اور پھر حکمرانوں کے ہتھکنڈے! ہوسکتا ہے مقدس باپ کی ایسی پوزیشن ہو جائے کہ عوام ہی اسے جھوٹا سمجھنے لگیں'' رمونا خاموش ہوگئی پھر تھوڑی بعد بولی۔

''میں اس سے زیادہ نہیں جانتی۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوگی جبھی تو میرا باپ جدوجہد کر رہا ہے۔''

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ڈی گاریکا آ گیا۔ انور نے اپنے سوالات دہرانے شروع کئے ڈی گاریکا خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

''بیٹے اگر اس کے امکانات نہ ہوتے تو میں اتنی جدوجہد کیوں کرتا۔ میں یہ کیوں چاہتا کہ ڈان ونسنٹ کو دارالحکومت پہنچنے سے پہلے ہی پکڑ لیا جائے۔ میں اپنے ساتھ غیر ملکیوں کو کیوں لے جاتا جبکہ یہ حرکت بغاوت کے مترادف ہے۔''

''میں انہیں امکانات کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''رومولی کے جسم پر ایک ایسا نشان موجود ہے جو شاہی خاندان کے افراد کے علاوہ اور کسی کے جسم پر نہیں ہوتا۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔

انور بے اختیار ہنس پڑا۔

''ڈی گاریکا میں بچہ نہیں ہوں۔'' انور نے کہا۔ ''مجھے حیرت ہے کہ البرونو جیسا دانشمند آدمی تمہارے چکر میں کس طرح پھنس گیا۔ بہرحال اس نے میری بھی مٹی پلید کی۔''

''کیوں؟ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا'' ڈی گاریکا ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

''ایسی کہانیاں میں ہالی وڈ کی گھٹیا فلموں میں دیکھ چکا ہوں۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''ان میں سے ایک کا نام تو مجھے اب تک یاد ہے شہنشاہ سلیمان کا خزانہ۔ رائیڈر ہیگرڈ کے ناول کا پلاٹ جس میں ایک شکاری کوارٹر مین کو ایک ایسا خبطی ملا تھا جس کے سینے پر شاہی نشان تھا۔''

''تمہاری بے اعتباری کی وجہ میں نہیں سمجھ سکتا۔'' ڈی گاریکا خشک لہجے میں بولا۔ ''حالانکہ تم ہمارے سامنے ہی شہزادی رومولی سے مل چکا ہوں۔ اگر تم اسے سمجھتے ہو تو یہ بتاؤ کہ وہ ہمارے ساتھ جانے کیلئے کیوں تیار ہوگئی تھی۔ میرا اس کی ذات سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔''

انور خاموش ہوگیا۔ اسے اپنی حماقت پر غصہ آنے لگا۔ ڈی گاریکا نے قاعدے کی بات کی۔ اگر واقعی رشیدہ ہندوستانی تھی تو اس کا ایک غیر ملکی سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے خواہ مخواہ ڈی گاریکا کو کبیدہ خاطر کر دیا۔

''مجھے افسوس ہے۔'' انور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''حالات ایسے پیش آ رہے ہیں کہ میرا دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہے۔ اگر میری باتوں سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔''

''نہیں بیٹے۔ کوئی بات نہیں۔ میں سمجھتا ہوں اور تمہارے لئے بھی فکر مند ہوں۔ رومولی تمہیں کسی طرح چھوڑنا نہ چاہے گی اور مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''میں جانتا ہوں کہ کوئی غیر ملکی تمہارے جزیرے میں نہیں رہ سکتا۔'' انور نے کہا۔ ''میں تو صرف رشیدہ کی زندگی کا خواہش مند ہوں میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں اور بس۔''

''تم نیک اور شریف آدمی ہو۔''

''لیکن مجھے خوف ہے کہ ڈان ونسنٹ اسے راستے ہی میں نہ ختم کر دے۔'' انور نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

''مجھے یقین ہے کہ وہ اسے زندہ ہی لے جائیگا۔ کیونکہ فاگان ایک بار دھوکہ کھا چکا ہے۔''

''فاگان کون......؟'' انور نے پوچھا۔

''ہمارا حکمران فاگان کہلاتا ہے۔ رومولی فاگانیہ کہلائے گی۔ بیرن آئی لینڈ کی تیسری فاگانیہ۔''

''تم نشان کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔'' انور تھوڑی دیر خاموش...

''ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس قسم کے نشانات صرف شاہی خاندان کے افراد ... ...ں

میں پائے جاتے ہیں اور تخت کے وارث کے   پر جو نشان ہوتا ہے دوسرے نشانات سے
مختلف ہوتا ہے۔ یہ نشان بچوں کی پیدائش پر ان کے سینوں پر ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اس کی
سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے شاہی بچے سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے دوسرے ممالک میں
رکھے جاتے ہیں۔"

"لیکن فرضی نشان بھی تو بنائے جاسکتے ہیں۔" انور نے کہا۔

"یہ ناممکن ہے کیونکہ وہ نشانات شاہی مہر کے ہوتے ہیں جو شاہی خزانے میں کافی احتیاط
کے ساتھ رکھی جاتی ہے۔"

"نشان ڈالنے کا طریقہ کیا ہے۔"

"یہ نہ پوچھو تو بہتر ہے۔" ڈی گاریکا آہستہ سے بولا۔ "میں اسے پسند نہیں کرتا۔ لیکن
بہرحال رسم ہے۔ چاہے وہ وحشیانہ کیوں نہ ہو۔"

"آخر......!"

"بہت ہی ظالمانہ طریقہ ہے۔ لوہے کی مہر گرم کر کے بچے کے سینے پر داغ لگا دیا جاتا ہے۔"

"اوہ......"

رمونا نے اپنے ہونٹ اس طرح سکوڑ لئے جیسے وہ ان داغے جانے والے معصوم
کی تکلیف خود اپنے سینے پر محسوس کر رہی ہو۔

"تمہارا جزیرہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ معلوم ہوتا ہے۔" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔

ڈی گاریکا کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی اندر داخل
اس کے پیچھے حمید تھا۔ اس نے آتے ہی انور کو گھورنا شروع کر دیا۔ انور سمجھ گیا کہ رمونا کے
ٹھہرنا اسے کھل گیا۔

فریدی خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ڈی گاریکا اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا

"ڈی گاریکا" فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ "تمہارے ملک کی ایجنسی کے لوگ تو
تلاش میں ہیں۔ ڈان ونسنٹ یہاں سے چلا گیا۔ وہ تین اور ایک بوڑھا مریض جو یہاں بھی
تھا، کل چار گئے ہیں اور ڈان الفریڈو یہیں رک گیا ہے۔ غالباً وہ تمہارا راستہ دیکھ رہا ہے؟"

"اوہ......!" ڈی گاریکا مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "اسپین میں میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ڈان ونسنٹ وغیرہ میکسیکو گئے ہیں۔ بہرحال یہ سمجھ لو کہ یہاں سے
میکسیکو کا راستہ ہمارے لئے مخدوش ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ راستہ بدل دیا جائے۔"

"پھر کون سا راستہ اختیار کرو گے۔" ڈی گاریکا نے پوچھا۔

"کیوں نہ ہم لوگ میکسیکو کے بجائے جمیکا جائیں۔"

"بھلا جمیکا کیسے جاسکیں گے۔ وہ برطانوی حکومت کا ایک حصہ ہے۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"یہ میں ٹھیک کرلوں گا۔" فریدی نے کہا۔ "جمیکا سے ہم پھر واٹلنگ کی طرف واپس آئیں
گے اور واٹلنگ سے بیرن آئی لینڈ......!"

"اور اگر ڈان ونسنٹ نکل گیا تو۔"

"یا تو وہ ہم سے پہلے نکل جائے گا یا ہم اس سے پہلے پہنچ جائیں گے۔ اس کے علاوہ
تیسری صورت ناممکن ہے۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔ ڈی گاریکا تھوڑی دیر تک کچھ
سوچتا رہا پھر بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"مگر میری رائے اس سے مختلف ہے۔" حمید نے کہا۔

فریدی کے علاوہ اور سب لوگ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"میرا خیال ہے کہ" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "پہلے ہم ٹمبکٹو جائیں پھر وہاں سے ہونولولو کا سفر
کریں۔ اس کے بعد قطب جنوبی سے گزرتے ہوئے جہنم رسید ہو جائیں۔"

"بکومت......!" فریدی نے چیخ کر کہا اور حمید نے سہم جانے کی اتنی اچھی ایکٹنگ کی کہ
رمونا بے اختیار ہنس پڑی۔

ڈی گاریکا بھی ہنسنے لگا۔ فریدی پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رمونا ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"اچھا باتیں بند۔ ابھی ہم لوگوں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔"

"شوق سے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن کھانا یہیں منگوایا جائے گا۔ ڈائننگ ہال میں کھانا
ٹھیک نہیں۔"

"کیوں؟ ڈائننگ ہال میں کیوں نہیں؟ ہم وہاں بینڈ بھی سن سکیں گے۔" رمونا نے کہا۔

"البرونو کا خیال ٹھیک ہے۔" ڈی گاریکا بولا۔

"میں یہیں تمہیں بینڈ سنا دوں گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی اسے پھر گھورنے لگا اور حمید نے منہ پھیر لیا۔

پھر ڈی گاریکا نے ویٹر کو بلا کر کمرے ہی میں کھانا لانے کے لئے کہا۔

کھانے کے دوران میں حمید نے لطیفے شروع کر دیئے۔ رمونا ہر بات پر ہنس رہی تھی۔

"اس لڑکی کی خیریت نظر نہیں آتی۔' انور نے فریدی سے اردو میں کہا۔

"بھئی کیا بتاؤں...... حمید کی یہ عادت میں آج تک نہ چھڑا سکا۔ عورت اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ لیکن ایک بات ہے کہ حدود سے باہر قدم نہیں نکالتا۔"

"تم لوگ نہ جانے کس زبان میں گفتگو کر رہے ہو۔" ڈی گاریکا نے کہا۔ "مجھے الجھن ہوتی ہے۔"

"انور اپنی زبان میں کہہ رہا ہے کہ اس کا دماغی توازن بگڑتا جا رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے ہر طرح اطمینان دلانے کی کوشش کی ہے۔" ڈی گاریکا بولا۔

"میں بھی سمجھا رہا ہوں۔" فریدی نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گئے۔

کھانا ختم کرنے کے بعد ڈی گاریکا دوسرے کمرے میں آرام کرنے کے لئے چلا گیا۔ بہت تھک گیا تھا۔ بقیہ لوگ وہیں کافی پیتے رہے۔

فریدی نے ایک سگار نکال کر ہونٹوں میں دبایا اور سلگانے ہی جا رہا تھا کہ رمونا نے اسے کھینچ لیا۔

"تم بہت کثرت سے سگار پیتے ہو۔" رمونا نے کہا۔ "اب بس۔ پھیپھڑے خراب ہو جاتے ہیں۔"

فریدی مسکرانے لگا۔

"اور میرے پائپ کے متعلق کیا خیال ہے۔" حمید نے اپنا پائپ ہونٹوں سے نکالتے ہوئے کہا۔

"اس سے بھی پھیپھڑے خراب ہو جاتے ہیں۔" رمونا بولی۔ "لیکن اگر تمہارے پھیپھڑے خراب بھی ہو گئے تو اس سے کوئی خاص نقصان نہ ہوگا۔"

"کیوں......؟" حمید متحیر ہو کر بولا۔

"تم ایک ناکارہ آدمی ہو۔ صرف باتیں بنانا جانتے ہو۔" رمونا ہنس کر بولی۔

"اب زندگی بیکار ہے۔" حمید بیزاری سے بولا اور فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔ انور بھی ہنس پڑا تھا۔ شاید اس دوران میں وہ پہلی بار دل کھول کر ہنسا تھا۔

حمید نے اپنی جیب سے ریشمی رومال نکالا اور اسے اپنی گردن میں پھنسا کر دونوں سرے کھینچنے لگا۔

"تو یہ کیا کرنے لگے۔" رمونا نے مسکرا کر کہا۔

"خودکشی۔" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔ اس کا چہرہ سچ مچ سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں ل سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

"عجیب دیوانے آدمی ہو۔" رمونا نے کہا اور بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

"نہیں نہیں...... مجھے مر جانے دو۔"

"کیا فضول حرکتیں کر رہے ہو۔" رمونا جھلا کر بولی۔

"مر بھی جانے دو۔" فریدی لاپرواہی سے بولا اور حمید رومال کے گوشے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ! تو آپ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔" حمید اردو میں بولا۔ "میں دستبردار ہوتا ہوں۔"

"تم گدھے ہو۔" فریدی جھلا کر بولا۔ "مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ ہر لڑکی میں دلچسپی لگوں۔ نہ جانے تمہارے دماغ میں کس قسم کے کیڑے کلبلاتے رہتے ہیں۔"

"میں احمق نہیں ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ آپ کی طرف جھک رہی ہے۔"

"جھکنے دو۔" فریدی بیزاری سے بولا۔ "اس کے جھکنے سے دنیا کا نقشہ نہیں بدل سکتا۔ بین نی والی سیاست بھی اپنی جگہ پر رہے گی۔ لیکن تمہیں ٹی۔ بی ضرور ہو جائے گا۔ دماغ ذرا ٹھنڈا رکھو ورنہ ...دار۔"

"تو آپ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"ابے نہیں چغد...... نہیں۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔

"شکریہ۔ میں آپ ہونے والے بال بچوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

انور کیلئے ہنسی ضبط کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس لئے وہ اٹھ کر بالکونی میں چلا گیا۔ البتہ رمونا ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ اس نے فریدی کو غصے میں دانت پیستے دیکھا تھا۔

"آخر بات کیا ہے؟" رمونا نے تشویشناک لہجے میں پوچھا۔

"تم پرتگالی زبان نہیں سمجھتیں۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں بالکل نہیں سمجھتی۔"

انور رمونا کی آواز سنتے ہی کھڑکی کے قریب آ گیا تھا۔

"بات دراصل یہ ہے۔" فریدی بولا۔ "تم نے اسے ناکارہ کہہ کر اس کا دل توڑ دیا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ میں واپس لوٹ جاؤں گا۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ ناکارہ آدمی نہیں ہے۔ ابھی اس کے کارنامے تمہاری نظروں سے نہیں گزرے۔ ایک بار یہ غصے میں ایک جنگلی ہاتھی کی دم پکڑ کر لٹک گیا تھا اور ہاتھی نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی تھی۔"

"میں نے تو مذاق میں کہا تھا" رمونا نے معذرت طلب انداز میں کہا۔ پھر وہ حمید کو مخاطب کر کے بولی۔ "تم بُرا مان گئے۔"

"پہلے بُرا ماننے کا ارادہ کر رہا تھا مگر اب نہیں۔" حمید نے کہا اور پائپ پینے لگا۔

فریدی نے انور کو آواز دی۔ دونوں سفر کے متعلق گفتگو میں مشغول ہو گئے اور حمید رمونا کے ساتھ بالکونی میں چلا گیا۔ فریدی نے اسے بھی مشورے میں شریک کرنا چاہا تھا لیکن پھر یہ کر ارادہ ملتوی کر دیا کہ فی الحال حمید کوئی قاعدے کی بات نہیں کر سکتا کیونکہ رمونا اس کے سر بُری طرح سوار تھی۔

حمید بالکونی میں رمونا سے کہہ رہا تھا۔

"تم دنیا کی حسین ترین لڑکی ہو۔"

"اور تم بالکل گنوار معلوم ہوتے ہو۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"چلو میں گنوار ہی سہی لیکن میں زندگی بھر تمہاری تعریف کرتا رہوں گا۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ تم ہاتھی کی دم پکڑ کر لٹک گئے تھے۔"

"ہاں مگر وہ ہاتھی مردہ تھا۔"

"کیوں فضول باتیں کر رہے ہو۔"

"ارے تم البرونو کی باتوں میں آ گئی ہو۔ وہ میرا مضحکہ اڑا رہا تھا۔"

"لیکن ڈی سالٹ کو تو تم پکڑ کر لے گئے تھے۔"

"آخر تمہیں پکڑ دھکڑ اور مار پیٹ سے اتنی دلچسپی کیوں ہے۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"مجھے نڈر اور بے خوف آدمی اچھے لگتے ہیں۔ البرونو کی میرے دل میں بہت عزت ہے۔"

"اور میری......!"

"تم نے کیا ہی کیا ہے۔"

"اچھا تو میں اب دکھا دوں گا۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"کیا دکھا دو گے۔"

"اپنی زبان......!" حمید نے کہا اور اپنی زبان نکال دی۔ رمونا ہنس پڑی۔

"تمہاری باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔"

"تو ہم دونوں تمہیں اچھے لگتے ہیں۔"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" رمونا جلدی سے بولی۔ "تم بڑے شیطان معلوم ہوتے ہو۔"

"بڑا نہیں چھوٹا کہو۔ بڑا شیطان تو البرونو ہے۔"

"میں تم دونوں کی عزت کرتی ہوں۔ اچھا مجھے البرونو کے بارے میں بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "وہ تمہاری ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتا۔"

"تم پھر بہکنے لگے۔ میں تم سے یہ کب پوچھ رہی ہوں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس سے کرنے لگی ہوں۔"

"قطعی نہیں...... قطعی نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "محبت تو تم مجھ سے......!"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" رمونا نے جھلا کر کہا اور کمرے میں چلی گئی۔

حمید اس طرح آسمان کی طرف دیکھنے لگا جیسے چرخ کج رفتار کو گھونسہ رسید کر دے گا۔

ایک دشمن

دوسرے دن صبح وہ لوگ ایک اسٹیمر پر جمیکا کے لئے روانہ ہوگئے۔ ڈی گاریکا جمیکا جانے کی مخالفت کررہا تھا۔ لیکن فریدی نے اس کی ایک نہ سنی۔ ڈی گاریکا کی پریشانی کا باعث دراصل یہ چیز تھی کہ اس کا پاسپورٹ صرف میکسیکو تک کا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی جمیکا میں کس طرح اتر سکتا تھا۔

"تم ڈرو نہیں۔" فریدی نے اس سے کہا۔ "تمہاری حفاظت کا میں ذمہ دار ہوں۔ تم دیکھو گے کہ میں تمہیں کس صفائی سے نکال لے جاتا ہوں۔"

ڈی گاریکا اس جواب سے مطمئن ہوا تھا یا نہیں لیکن انور کے لئے اس اجمال کی تفصیل جاننی ضروری تھی۔ خود اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی ان لوگوں کو جمیکا کس طرح لے جائے گا۔ لہٰذا اس کے مزید استفسار پر فریدی کو بتانا ہی پڑا۔

"جرمن سائنسدان ولمین[1] کی تباہ کن ایجاد پر سے پردہ اٹھانے کے سلسلے میں میری کچھ اور پوزیشن ہوچکی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں اب دولت مشترکہ کے سارے ممالک میں بغیر کسی دشواری کے داخل ہوسکتا ہوں۔ میں نے جمیکا میں پیش آنے والی دشواریوں سے متعلق انسپکٹر براؤن کو ایک کیبل روانہ کیا تھا جس کا جواب آگیا ہے۔ اسکاٹ لینڈ کی طرف سے جمیکا کے محکمہ سراغ رسانی کو ہمارے متعلق اطلاع دے دی گئی ہے لہٰذا وہاں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔"

انور مطمئن ہوگیا۔ ڈی گاریکا بھی کچھ پرسکون نظر آرہا تھا۔ کیونکہ وہ البرونو کی غیر معمولی قوتوں سے اچھی طرح واقف ہوچکا تھا۔

اسٹیمر پر مسافروں کی کثرت نہیں تھی کیونکہ وہ اسٹیمر دراصل تجارتی سامان بار کرکے جمیکا کی طرف جارہا تھا۔ عرشے پر تو ایک متنفس بھی سفر نہیں کررہا تھا۔ سارے مسافر کیبنوں میں تھے۔

موسم ٹھیک ہونے کی وجہ سے سمندر میں تموج نہیں تھا۔ لہٰذا اسٹیمر سبک روی کے ساتھ اپنا راستہ طے کررہا تھا۔ دن بھر یہ لوگ اپنے کیبنوں میں رہے اور شام کو ریستوران میں اکٹھا ہو

[1] جاسوسی دنیا کا بارہواں ناول "موت کی آندھی" جلد نمبر 4 ملاحظہ فرمائیے۔

گئے۔ لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ پانچ بجے کے قریب وہ ریستوران میں آیا۔ کرسی گھسیٹ کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔

"اب تم لوگ مجھے البرونو کہہ کر مخاطب نہ کرنا۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"کیوں؟"

"ڈان الفریڈو جہاز پر موجود ہے۔"

"ارے......!"

"ہاں اس نے ڈاڑھی لگا رکھی ہے۔ لیکن میں اسے اچھی طرح پہچان گیا ہوں۔"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک باوردی قسم کا باریش آدمی ریستوران میں داخل ہوا۔

"ہاں تو صاحبان......!" فریدی بلند آواز میں بولا۔ "آپ لوگوں کو مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ اسپین اور اسپینی باشندوں سے عشق ہے۔ میرے ساتھی نے آپ لوگوں کی بڑی تعریف کی ہے۔"

آنے والے نے ڈی گاریکا پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور قریب کی ایک میز کے پاس بیٹھ گیا۔

فریدی بلند آواز میں بھی کئی طرح کی باتیں کرتا رہا۔ بہرحال وہ آنے والے پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ ڈی گاریکا سے جہاز پر واقف ہوا ہے۔

دفعتاً آنے والے کی نظریں انور کی طرف اٹھ گئیں جو اولیاری کے بھیس میں تھا۔ وہ بے اختیار چونک پڑا۔ پہلے اس کے ہونٹ تھوڑے سے کھلے پھر آنکھیں پھیل کر رہ گئیں۔ چند لمحے وہ اسی حالت میں رہا پھر قریب بیٹھے ہوئے لوگوں نے اس کی کرسی کی چڑچڑاہٹ کی آواز سنی اور وہ لہرا کر فرش پر آرہا۔ چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور اس کے گرد بھیڑ لگ گئی۔

"انور" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اپنے کیبن میں جاؤ...... اور اس وقت تک باہر نہ نکلنا جب تک میں نہ آجاؤں۔"

انور چلا گیا۔ ڈی گاریکا وغیرہ حیرانی سے فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔ فریدی بھیڑ ہٹا کر بیہوش آدمی کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"ہٹ جاؤ...... ہٹ جاؤ" وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔ "مقدس باپ بیہوش ہوگئے ہیں۔ لڑکے ایک گلاس پانی لاؤ۔"

ویٹر لپک کر پانی کا گلاس لایا۔ فریدی نے اس کے گلے میں لٹکی ہوئی صلیب کو نہایت احترام کے ساتھ اس کے سینے پر رکھ دیا اور گلاس لے کر اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد پادری کو ہوش آ گیا۔ فریدی نے اسے سہارا دے کر بٹھا دیا۔

"مقدس باپ! اب طبیعت کیسی ہے۔" اس نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" پادری چاروں طرف دیکھ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اچھا تو اٹھئے آپ بہت نحیف معلوم ہو رہے ہیں۔" فریدی اُسے اٹھا کر اپنی میز کے قریب لایا۔ سب بیٹھ گئے۔ رمونا انور کی کرسی پر بیٹھنے جا رہی تھی مگر فریدی نے اسے دوسری کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انور کی کرسی خالی ہی رہی۔

پادری بار بار خالی کرسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"مقدس باپ! آپ بہت نحیف معلوم ہو رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "برانڈی منگواؤں۔"

"نہیں نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" پادری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے اختلاج قلب کے دورے پڑتے ہیں اس وقت بھی دورہ ہی پڑا تھا۔"

فریدی نے اس پر افسوس ظاہر کیا۔

پادری تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہنے کے بعد انور کی کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ کہاں گیا۔ تم سب سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔"

"کون......؟" فریدی چونک کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کرسی پر کوئی نہیں تھا۔"

پھر اس نے رمونا کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

پادری کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوئے لیکن اس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پالیا۔

"ہوگا...... ممکن ہے مجھے دھوکہ ہوا ہو۔ بہرحال آپ لوگوں سے مل کر بڑی خوشی ہوئی بقیہ سفر آرام سے کٹ جائے گا۔"

"ہم ہر حال میں خدمت کے لئے تیار ہیں۔" فریدی قدرے جھک کر بولا۔ "یہ سی نور ڈی گاریکا ہیں۔ یہ سی نور رمونا۔ یہ میرا ساتھی حمید یوف ہے اور میں فریدیوف۔"

"تم دونوں روسی ہو۔" پادری نے پوچھا۔

"جی ہاں...... لیکن ہم رومن کیتھولک ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تم دونوں پر آسمانی باپ برکتیں نازل کرے۔" پادری نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔

"ان دونوں کے لئے شگون کی دعا کیجئے۔" فریدی نے ڈی گاریکا اور رمونا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ڈی گاریکا کا بیٹا اس سفر میں اچانک ان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔"

"کہاں......؟"

"ہندوستان میں...... اور اب یہ میکسیکو جا رہے ہیں۔"

"میکسیکو......!" پادری نے حیرت سے کہا۔ "مگر یہ جہاز تو جمیکا جا رہا ہے۔"

"یہ ہسپانیولا کی بندرگاہ آپرنس پر اتریں گے۔ پھر وہاں سے میکسیکو جائیں گے۔"

"بڑا چکر پڑ جائے گا۔" پادری نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

"کیا کیا جائے۔" فریدی غم انگیز لہجے میں بولا۔ "میری ان کی ملاقات اسی جہاز پر ہوئی ہے۔ ان کی دکھ بھری کہانی سن کر بڑا افسوس ہوا۔ بات یہ ہے کہ لڑکے کی ماں ہسپانیولا میں ہے یہ یہ خبر ڈاک کے یا تار کے ذریعہ نہیں سنانا چاہتے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" پادری نے کہا۔ "بڑا افسوس ہوا۔ خدا انہیں صبر دے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر پادری اٹھتا ہوا بولا۔

"اچھا میرے بچو! آسمانی باپ تمہاری حفاظت کرے۔"

"آپ کمزوری محسوس کر رہے ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔ "چلئے میں آپ کو کیبن تک پہنچا دوں۔"

پادری نہیں نہیں کرتا رہا۔ لیکن فریدی نے سہارے کے لئے اپنا ہاتھ پیش ہی کر دیا۔ پادری کو اس کے کیبن تک پہنچا کر فریدی لوٹ آیا۔ ڈی گاریکا متحیر تھا۔ اس نے حمید کو بلا کر کچھ ہدایتیں دیں پھر حمید ریستوران سے چلا گیا۔

"یہ سب کیا تھا۔" رمونا بے صبری سے بولی۔ "انور کہاں گیا۔"

"تم بتاؤ۔" فریدی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز

مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"مقدس باپ انور کو اولیاری کا بھوت سمجھ کر بے ہوش ہو گئے تھے۔"

"اوہ! تو وہ ڈان الفریڈو تھا۔" ڈی گاریکا اچھل کر بولا۔

"ہاں......!"

"اس لئے انور کو سچ مچ تم نے بھوت بنا دیا۔" رمونا اپنی ہنسی ضبط کرتی ہوئی بولی۔

"اور اب میں نے انور کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ فی الحال اپنی اصل صورت میں آجائے۔ ڈان الفریڈو بُری طرح خائف ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ آج اپنے ساتھیوں کو وائرلیس کے ذریعے پیغام بھیجنے کی کوشش کرے۔ میرا ساتھی اس کی نگرانی کر رہا ہے۔"

ڈی گاریکا کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پائے جا رہے تھے۔ رمونا پر بھی اس کے باپ کی بدلتی ہوئی کیفیت نے بُرا اثر ڈالا تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میں اس کے چیتھڑے اڑا دوں گا۔"

"ممکن ہے وہ تنہا نہ ہو۔" ڈی گاریکا نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"اوہ چھوڑو بھی۔" فریدی سگار نکال کر ہونٹوں میں دباتا ہوا بولا۔ "تم کچھ تھکے تھکے سے نظر آ رہے ہو۔ جا کر آرام کرو۔ میرا ساتھی الفریڈو پر کڑی نظر رکھے گا۔ تھوڑی دیر بعد انور بھی اپنا کام شروع کر دے گا اور ہمیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ الفریڈو تنہا ہے یا اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد ڈی گاریکا بھی اپنے کیبن کی طرف چلا گیا۔

"رمونا تم بھی ڈر رہی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں میں باپ کی وجہ سے فکر مند ہوں۔"

"ننھی لڑکی تمہارے اندیشے فضول ہیں۔ ہنسو، مسکراؤ، قہقہے لگاؤ۔ زندگی اسی کا نام ہے۔"

"میں ہنس تو رہی ہوں۔" رمونا کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہاری گفتگو سن کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ تم بہت دلیر ہو۔"

"میں دلیر کہاں ہوں؟"

"خیر......تم اپنے منہ سے تو اپنی تعریف کرو گے نہیں......مگر......!"

وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ حمید آ گیا۔

"کیوں تم کیوں چلے آئے؟" فریدی اسے گھور کر بولا۔

"آپ مزے کریں اور میں دھکے کھاؤں۔" حمید نے اردو میں کہا اور بیٹھ گیا۔ "اب ڈیوٹی بدل جائے تو اچھا ہے۔ آپ جا کر اس الفریڈو کے پٹھے کو تاکئے اور میں آپ کے فرائض انجام دوں گا۔"

فریدی اسے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ "بیہودے" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تم اپنی طرح مجھے بھی سمجھتے ہو۔ کسی دن کسی عورت ہی کے ساتھ مارے جاؤ گے۔"

"کیا بات ہے؟" رمونا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں......!" حمید نے ہنس کر کہا۔ "ذرا الفریڈو کے پیٹ میں درد اٹھا ہے ان سے کہہ رہا ہوں کہ جا کر کوئی اعلیٰ قسم کا چورن تجویز کر دیں۔"

"ٹھیک سے بتاؤ نا......!" رمونا نے کہا اور فریدی اٹھ کر چلا گیا۔

"چھوڑو بھی...... البرونو پر خون کی پیاس سوار ہے۔ چلو عرشے پر چلیں......اس وقت ڈوبتا ہوا سورج بڑا حسین لگ رہا ہوگا۔"

تھوڑی دیر بعد رمونا عرشے پر جہاز کی ریلنگ سے ٹکی ہوئی حمید سے کہہ رہی تھی۔

"البرونو کبھی آدمی معلوم ہوتا ہے اور کبھی کچھ اور۔ جب وہ ڈان الفریڈو کو سہارا دینے جا رہا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی خونخوار بھیڑیا کسی بکری کے بچے کو سہارا دینے جا رہا ہو۔ نہ جانے کیوں میں نے سچ مچ اس کی آنکھوں میں خون کی پیاس دیکھی تھی۔"

"ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

دونوں کافی دیر تک عرشے پر کھڑے رہے پھر رات کی سیاہی نے دیو پیکر موجوں کو آہستہ آہستہ خوفناک بنا دیا۔ ہوا تیز ہوتی جا رہی تھی۔ جہاز سے ٹکرانے والی لہروں کی ہلکی ہلکی بوچھار ان کے چہروں پر نمی بکھیرنے لگی تھی۔ وہ اپنے کیبنوں کو لوٹ آئے۔

رات ڈھلتی گئی۔ بے کراں سناٹے میں لہروں کا شور اور انجن کا زناٹا گونجتا رہا۔ فریدی حمید اور انور ابھی تک جاگ رہے تھے۔ فریدی ڈان الفریڈو کے کیبن کے قریب دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔ حمید اور انور عرشے پر ریلنگ کے قریب اندھیرے میں چت لیٹے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد دو آدمی جن کی صورتیں اندھیرے میں پہچانی نہ جاسکیں ڈان الفریڈو کے کیبن کے دروازے پر آ کر رک گئے۔ چند لمحے اندھیرے میں ادھر اُدھر دیکھتے رہنے کے بعد انہوں نے دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ کسی نے دروازہ کھولا اور وہ اندر چلے گئے۔ پھر اندر سے ہلکی ہلکی سرگوشیوں کی آوازیں آنے لگیں۔

دروازہ کھلا دو آدمی اندر سے نکلے۔ پھر تیسرے نے انہیں روک کر آہستہ سے کہا۔

”تم انہیں صرف بیس منٹ تک باتوں میں الجھائے رکھنا۔“

”دونوں پھر اندھیرے میں گم ہو گئے اور تیسرا اندر چلا گیا۔ انور اور حمید ان کے پیچھے لگ گئے تھے۔ فریدی بدستور کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد دروازہ پھر کھلا اور ایک آدمی نکل کر آہستہ آہستہ کیبنوں کی طرف بڑھنے لگا۔ فریدی ریلنگ کے سہارے رینگ رہا تھا۔ پراسرار سایہ ڈی گاریکا کے کیبن کے قریب رک گیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ ڈی گاریکا نے اپنے کیبن کی روشنی کیوں نہیں بجھائی؟ کیا وہ دونوں ابھی تک جاگ رہے ہیں۔

وہ آدمی تھوڑی دیر تک کیبن کے دروازے پر جھکا رہا۔ شاید وہ تالے کے سوراخ سے اندر کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ دوسرے لمحے میں فریدی کیبن کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ ڈی گاریکا اور رمونا روشنی گل کیے بغیر ہی سو گئے تھے۔ فریدی نے پہلی ہی نظر میں ڈان الفریڈو کو پہچان لیا وہ اس وقت پادری کے بھیس میں نہیں تھا۔ اس کے اٹھے ہوئے داہنے ہاتھ میں ایک خنجر چمک رہا تھا۔ اس نے بجلی کی سرعت کیساتھ بایاں ہاتھ ڈی گاریکا کے منہ پر رکھا اور قبل اس کے داہنا ہاتھ بھی استعمال کرتا فریدی کا بایاں ہاتھ اس کے منہ پر پڑا اور داہنا ہاتھ خنجر والے ہاتھ پر۔ ڈی گاریکا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ڈان الفریڈو فرش پر فریدی کے گھٹنے کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اتنے میں رمونا بھی جاگ پڑی۔

”خاموش...... خاموش......!“ فریدی آہستہ سے بولا اور رمونا کی چیخ ہونٹوں میں دب کر

رہ گئی۔ ڈان الفریڈو فریدی کی گرفت سے نکل جانے کی جدوجہد کر رہا تھا۔

”روشنی گل کر دو۔“ فریدی پھر بولا۔ ”ڈی گاریکا نے بڑھ کر سوئچ آف کر دیا۔ ڈان الفریڈو اپنے منہ سے فریدی کا ہاتھ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے فریدی نے اسے اپنی کمر پر لاد لیا اور تیزی سے باہر نکلا۔ ڈی گاریکا اور رمونا بھی اس کے پیچھے تھے۔ ریلنگ کے قریب پہنچ کر فریدی جھکا۔ یہاں پھر دونوں میں جدوجہد ہونے لگی اور پھر دوسرے ہی لمحے فریدی خالی ہاتھ کھڑا تھا۔

”پھینک دیا...... تم نے اسے پھینک دیا۔“ رمونا زور سے چیخی۔ فریدی جھپٹ کر اس کے قریب آیا۔

”بیوقوف احمق......“ اس نے آہستہ سے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”چپ رہو۔ چلو بھاگ چلو...... جلدی کرو۔ قدموں کی آہٹیں سنائی دے رہی ہیں۔“

وہ پنجوں کے بل کیبن میں گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ لوگوں کے دوڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

”تم نے بہت برا کیا۔“ فریدی نے آہستہ سے رمونا سے کہا جو اس کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔

”غلطی ہوئی...... غلطی ہوئی۔ البرونو اگر تم نہ ہوتے......“ اس کی آواز گھٹ گئی اور اس کے ہونٹ فریدی کی پیشانی سے جا لگے۔

”بیوقوف لڑکی۔“ فریدی یک بیک پیچھے ہٹ کر بولا۔ ”ہوش میں رہو۔ ہوش میں۔“

”کیا بات ہے۔“ ڈی گاریکا نے پوچھا۔

”کچھ نہیں......!“ رمونا نے کہا۔ ”میرا سر چکرا رہا ہے۔“

تھوڑی دیر بعد باہر پھر سناٹا چھا گیا۔ صرف لہروں کا شور سنائی دیا۔ فریدی نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر نکلتے ہوئے ان سے کہتا گیا۔ ”اب چپ چاپ سو رہو۔“

اپنے کیبن میں واپس آ کر وہ انور اور حمید کا انتظار کرنے لگا۔ وہ ان دونوں آدمیوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں واپس آ گئے۔

"وہ دونوں رات کی ڈیوٹی والے عملہ کو باتوں میں لگائے رکھنے کے لئے گئے تھے۔" حمید نے کہا۔

"اب وہ کہاں ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"شاید سمندر کی گہرائیاں ناپ رہے ہوں گے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"شاباش......!" فریدی جوش میں اٹھتا ہوا بولا۔

"ہم ان کے پیچھے لگے رہے۔" انور نے کہا۔ "اور جب وہ ڈان الفریڈو کے کیبن کی طرف پھر واپس آئے تو ہم ان پر ٹوٹ پڑے اور پھر......حمید کے منع کرنے کے باوجود میں نے انہیں پھینک ہی دینا مناسب سمجھا۔"

"انور میرا سچا شاگرد ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیوں آپ منع کیوں کر رہے تھے۔"

"میں سمجھا تھا شاید آپ ان سے محبت کرنا پسند کریں۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"خود اعتمادی پیدا کرو برخوردار...... کب تک مجھ سے پوچھ پوچھ کر کام کرتے رہو گے۔" فریدی نے کہا۔

"ڈان الفریڈو کا کیا ہوا۔" انور نے پوچھا۔

"وہ اپنے ساتھیوں کی پیشوائی کیلئے پہلے ہی روانہ کر دیا گیا۔" فریدی نے کہا اور سارا واقعہ دہرا کر بولا۔ "اب ہمیں اسطرح سو رہنا چاہئے جیسے ہم رمبا ناچتے ناچتے کافی تھک گئے ہوں۔"

دشواریاں

"میں نے البرونو کی مدد حاصل کر کے غلطی نہیں کی تھی۔" ڈی گاریکا رمونا سے کہہ رہا تھا۔ "لیکن میں آج بھی متحیر ہوں کہ وہ اپنی جان خطرے میں کیوں ڈال رہا ہے۔ محض اس لئے کہ

ڈان ونسنٹ نے اس کی توہین کی تھی۔ یہ بات کسی طرح حلق سے نہیں اترتی۔ آج کی دنیا میں ایسے لوگ نہیں ملتے جو صرف توہین کا بدلہ لینے کے لئے اتنی دردسری مول لیں۔"

"کچھ بھی ہو۔" رمونا نے کہا۔ "لیکن مجھے البرونو کی نیت میں کسی قسم کا فتور نہیں معلوم ہوتا۔ یہ بات ضرور ہے کہ وہ حد درجہ پراسرار ہے۔"

حمید انور اور فریدی بادبانی کشتی کے دوسرے سرے پر بیٹھے بادبانوں کو ہوا کے رخ پر لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جمیکا سے وہ واٹلنگ آئے تھے اور اب واٹلنگ سے منزل مقصود کی طرف جا رہے تھے۔ ڈی گاریکا کو حیرت تھی کہ آخر البرونو انہیں پاسپورٹ کے بغیر کس طرح سفر کرا رہا ہے۔ اس نے فریدی سے اس کے متعلق پوچھا بھی تھا جس کا اس نے کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔

واٹلنگ سے وہ سیر و شکار کے بہانے روانہ ہوئے تھے۔ اس مقصد کے لئے فریدی نے ایک بڑی بادبانی کشتی چالیس پونڈ کے عوض خریدی تھی۔ جس پر ضرورت کا سارا سامان بار تھا۔ اس وقت ہوا موافق تھی اور کشتی بیرن آئی لینڈ کی طرف جا رہی تھی۔ ایک ایک کر کے ستارے ڈوب چلے اور افق میں اجالے کی ایک پتلی سی لکیر ابھر رہی تھی۔ ہوا میں نرم روی اور لطیف سی خنکی تھی۔ بادبان ٹھیک ہو جانے کے بعد فریدی چت لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر تک اس کی ادھ کھلی آنکھیں افق میں ابھرتی ہوئی روشن لکیر پر جمی رہی تھیں۔

"ہے ہے......!" وہ انور کی طرف کروٹ لے کر بولا۔ "بعض اوقات میں جوش کی پیغمبری کا قائل ہو جاتا ہوں کیا شعر کہہ دیا ہے ظالم نے ؎

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوت کے لئے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

"اوہو......!" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "آپ کو بھی شعر و شاعری سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔"

پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر رمونا کی طرف دیکھا جو چلو میں پانی لے لے کر اچھال رہی تھی۔

فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"حمید کی چڑچڑاہٹ سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہو۔" اس نے آہستہ سے انور سے پوچھا۔

انور ہنسنے لگا۔

"رمونا......!" فریدی نے آواز دی۔

"کون......؟" رمونا چونک کر بولی۔ "البرونو کیا تم نے کچھ کہا۔"

"ہاں کیا چائے پلاؤ گی۔"

"تم نے کہا کب تھا۔ ابھی لو۔" رمونا اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بولی اس کے لہجے میں پیار تھا۔ حمید نے اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے شروع کر دیئے۔

"کیا وضو کر رہے ہو۔" فریدی نے اسے چھیڑا۔

"جی نہیں ...... آپ کے لئے چلو بھر پانی تلاش کر رہا ہوں۔" حمید جل کر بولا۔

"تمہیں نہیں ملے گا کیونکہ تمہاری آنکھ کا پانی مر چکا ہے۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر انور کو مخاطب کر کے بولا۔ "مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رمونا مجھ سے محبت کرنے لگی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

"حمید تو کہہ رہا تھا کہ وہ اس پر ہزار جان سے باقاعدہ عاشق ہوگئی ہے۔" انور نے کہا۔

"اچھا تو آپ کا بھی دماغ خراب ہوا۔" حمید پلٹ کر بولا۔

انور کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ رمونا انہیں کے قریب اسٹوپ اٹھا لائی۔

"ذرا دیکھنا تو۔" وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔ "اسٹوپ کام نہیں کر رہا ہے۔"

"ادھر لاؤ......!" فریدی بولا۔

"کیا پھر اس کے دماغ کی کوئی رگ بگڑ گئی؟" رمونا نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں میں نے اس سے شرط لگائی ہے۔"

"کیسی شرط۔"

"یہی کہ تم اسے چائے نہیں پیش کرو گی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "کہتا ہے کہ ناممکن ہے۔"

"اچھا تو واقعی میں اسے چائے نہ دوں گی۔"

"شکریہ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس طرح میں جیت جاؤں گا اور پھر اس سے پندرہ پونڈ وصول کر لینا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہوگا۔"

"پندرہ پونڈ......!" رمونا حیرت سے بولی۔ "اتنی لمبی شرط۔"

"روسی شہزادہ ہے نا...... بھلا اس کے لئے پندرہ پونڈ کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے۔ اس کا باپ روس سے کافی دولت لایا تھا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں اسے ایک قطرہ بھی نہ دوں گی۔" رمونا ہنس کر بولی۔

حمید انہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن ان کی گفتگو نہ سن سکا۔ فریدی نے اسٹوپ جلا دیا اور اب رمونا چائے کے لئے پانی رکھ رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد حمید کو سچ مچ تاؤ آ گیا کیونکہ رمونا نے اس کی طرف توجہ تک نہ دی تھی۔ حمید کے علاوہ اور سب چائے پی رہے تھے۔

ڈی گاریکا کو ان باتوں کا علم نہیں تھا۔ اس نے رمونا سے پوچھا کہ اس نے اسے چائے کیوں نہیں دی۔

"آج اگست کا پہلا اتوار ہے نا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "آج یہ کسی عورت کے ہاتھ سے کوئی چیز قبول نہ کرے گا۔"

حمید نے اسے گھور کر دیکھا لیکن انور بولتا رہا۔ "یہ اس کے خاندان کی پرانی رسم ہے۔ بہت پرانی۔"

ڈی گاریکا نے فریدی کی طرف دیکھا۔

"انور سچ کہتا ہے۔" فریدی چائے کی پیالی رکھ کر سگار سلگاتا ہوا بولا۔

حمید کا غصہ کافور ہوگیا۔ وہ بُری طرح جھینپ رہا تھا۔ اس کا اوپری ہونٹ غیر ارادی طور پر کپکپانے لگا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی سب کے سب اس کی حالت پر ہنس پڑیں گے۔ آخر وہ جی کڑا کر کے اٹھا خود ہی چائے بنائی اور پینے لگا۔

"لاؤ اب نکالو پندرہ پونڈ......!" رمونا اس کا شانہ تھپک کر بولی۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"ہٹاؤ جانے دو......!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "ورنہ رو دے گا۔ میں نے پندرہ پوائنٹ معاف کردیئے۔"

"واہ شہزادے صاحب۔" رمونا حمید کے چہرے کے پاس انگلی نچا کر بولی۔ "ساری شرارت رخصت ہوگئی۔"

حمید نے جھلا کر چائے کی پیالی پٹخ دی اور کیبن میں گھس گیا! فریدی اور انور بے اختیار ہنس پڑے۔

"واقعی آپ نے کمال کردیا۔" انور نے کہا۔ "یہ حضرت......!"

"کیا بات تھی۔" رمونا نے انور سے پوچھا۔ انور نے سارا واقعہ دہرادیا اور رمونا بھی ہنس پڑی۔ کشتی کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہوگئی تھی۔ یہاں چاروں طرف چھوٹے چھوٹے جزیروں کا جال سا پھیلا تھا۔ اس لئے تموج زیادہ نہیں تھا۔

سہ پہر کو انہیں بیرن آئی لینڈ کے آثار دکھائی دینے لگے۔ جزیرہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ دور سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے کسی سبز رنگ کی ڈبیا پر بھورے رنگ کا ڈھکن چڑھا ہوا ہو۔

"وہی ناقابل عبور چٹانیں ہیں۔" ڈی گاریکا نے کہا۔ "ان کے گرد گھنے جنگل ہیں اور ان کے درمیان میں ہماری بستیاں۔ یہ چٹانیں بظاہر خشک معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کے اوپر بھی جنگل ہیں گھنے اور خوفناک۔"

فریدی انور اور حمید نے اپنی دوربینیں نکال لی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ جزیرے سے قریب ہوتے گئے۔ سمندر جزیرے میں دور تک گھستا چلا گیا تھا۔ جب انہوں نے اپنی کشتی روکی تو وہ گھنے جنگلوں کے درمیان میں تھے۔

وہ صرف ضروری سامان اور میگزین کی وافر مقدار اپنے ساتھ لائے تھے۔ کشتی کے بادبان کھولے گئے اور تھری پلائی ووڈ کا فولڈنگ کیبن تہہ کرکے کشتی سمیت گھنی جھاڑیوں میں چھپا دیا گیا۔ انور ڈی گاریکا اور حمید نے سامان کے تھیلے لادے۔ کاندھوں پر رائفلیں لٹکائیں اور چل پڑے۔ رمونا کے ہاتھ میں کھانے کی جھابی تھی۔

"لاؤ یہ مجھے دے دو۔" حمید نے کہا۔ اس کا موڈ ٹھیک ہوگیا تھا۔

"نہیں......تم پر یونہی کئی گدھوں کا بوجھ لدا ہوا ہے۔" رمونا بولی۔

"خیر چلو ایک گدھی...... ارے اف۔" حمید نے اپنا منہ دبالیا اور پھر ہکلانے لگا۔ "میرا......مم......مطلب......!"

"نہیں نہیں کہہ لو......گدھی بھی کہہ لو۔ مجھے بُرا نہیں معلوم ہوا۔" رمونا نے کہا۔

"غلطی ہوئی کیا بتاؤں۔ بات یہ ہے کہ جب مجھ پر محبت سوار ہوتی ہے تو میں بالکل اُلو ہوجاتا ہوں۔"

"کیا تم پر ہر وقت محبت سوار رہتی ہے؟" رمونا نے بھولے پن سے پوچھا۔

"ہاں......نہ......کیا مطلب......کیا میں ہر وقت الو معلوم ہوتا ہوں۔"

"قطعی......!" رمونا نے کہا اور مسکرانے لگی۔ حمید ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہوگیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد رمونا بولی۔ "ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ جلدی کرو۔"

"تو تم کیا سچ مچ میرا دل توڑ دو گی۔" حمید ڈرامائی انداز میں بولا۔

"نہیں......ابال کر کھاؤں گی۔" رمونا نے کہا اور تیز تیز قدم بڑھانے لگی۔

"خیر ایک دن تم میری لاش پر آنسو بہاؤ گی۔" حمید نے کسی ناکام عاشق کے پردرد لہجے کی نقل اتاری۔

"اگر تمہاری لاش بھی الو نہ معلوم ہوئی تو۔"

رمونا آگے بڑھ گئی اور حمید بدستور رینگتا رہا۔ انور نے پلٹ کر دیکھا اور اس نے بھی اپنی رفتار سست کردی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں دوسروں سے کافی فاصلے پر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

"فریدی صاحب کی صحبت نے بھی تمہارے کردار پر کوئی اثر نہ ڈالا۔" انور نے کہا۔

"جی......!" حمید نے داہنے ابرو کو جنبش دی۔ "فریدی صاحب کی صحبت مجھے مکھی مار کاغذ تو نہیں بنا سکتی کہ زد پر آئی ہوئی ہر مکھی بس چپک کر ہی رہ جائے اور پھر میں مرد ہوں۔ ایک اثباتی یا منفی قوتوں کے پیچھے دوڑنا ہی میرا معراج ہے۔"

"اور منفی قوتیں پلٹ کر تمہارے منہ پر تھوکتی بھی نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"زیادہ بڑھ کر باتیں نہ کرو۔ تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ ایک لڑکی ہی کے لئے تم بھی جھک

مارتے پھر رہے ہو۔“

”لیکن اس میں بھی میں نے اپنا وقار قائم رکھا ہے۔“ انور نے کہا۔

”وقار.....!“ حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔ ”تم جیسے لوگوں کے وقار اور مرغیوں کے غرور میں مجھے کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔“

”خیر ہٹاؤ مجھے کیا۔“ انور اکتا کر بولا۔ ”مجھے یہ سب پسند نہیں۔“

”آخاہ.....تو کیا سچ مچ آپ اس کے بھائی بن گئے ہیں۔“

”فضول باتیں مت کرو۔“

”اچھا جی! اے انور کے بچے۔ اگر تمہارے دماغ میں کیڑے کلبلائے تو اچھا نہ ہوگا۔“

دونوں الجھ پڑے تھے اور ان کی آوازیں آہستہ آہستہ بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ حمید سامان کا تھیلا زمین پر ڈال دیا تھا اور کاندھے سے رائفل اتارنے لگا۔ انور بدستور کھڑا ر
فریدی وغیرہ نے ان کی آوازیں سن لی تھیں۔ فریدی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ان کی طرف آیا۔

”کیا حماقت ہے۔ حمید تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے۔“ فریدی ان کے درمیان آتا ہوا بولا۔

”انور کو منع کیجئے۔“

”کیا بات ہے بھئی۔“ فریدی انور کی طرف مڑ کر بولا۔

”کچھ نہیں.....!“ انور نے مسکرا کر کہا۔ ”شاید حمید کے بدن میں درد ہو رہا ہے۔“

قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا رمونا نے اس کے قریب پہنچ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔

”چہ چہ، ہٹاؤ بھی جانے دو۔ ورنہ کہیں مجھے سچ مچ تمہاری لاش پر آنسو بہانے پڑیں۔“ رمونا سنجیدگی سے بولی اور انور ہنس پڑا۔

”تم دونوں ضرورت سے زیادہ احمق ہو۔“ فریدی نے حمید اور انور کو مخاطب کر کے کہا۔ ”لڑنے کا موقع ہے۔“

”بات کیا تھی؟“ ڈی گاریکا نے پوچھا۔

”کوئی خاص بات نہیں۔“ انور جلدی سے بولا۔ ”کبھی کبھی حمید کے سر پر چھپکلی سوار ہو

”سن رہے ہیں آپ۔“ حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر تیز لہجے میں کہا۔

”انور اب فضول باتیں بند کرو۔“

انور خاموشی سے آگے بڑھ گیا اور رمونا حمید کے کاندھے پر تھیلا لادنے لگی۔

”چلو میرے الو شہزادے آگے بڑھو۔“ رمونا نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا۔

وہ پھر چل پڑے۔ سورج غروب ہوتے ہوتے چٹانوں کا سلسلہ صرف ایک میل کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔

”واقعی ناقابل عبور معلوم ہوتی ہیں۔“ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”ایسی چٹانیں آج تک میری نظروں سے نہیں گزریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کسی عظیم الشان قلعے کی دیواریں ہوں۔“

”ان کی بلندی ایک ہزار فٹ سے کسی طرح کم نہیں۔“ ڈی گاریکا بولا۔ ”محض انہیں چٹانوں کی وجہ سے مہذب دنیا اس جزیرے کو غیر آباد سمجھتی ہے۔“

”سمجھنا ہی چاہئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”خود مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان چٹانوں کے پرے زندگی کے آثار نہیں ہیں۔“

”رات یہیں کہیں گزاری جائے گی۔“ ڈی گاریکا بولا۔

وہ رات انہوں نے ایک درخت کے نیچے بسر کی۔ ڈی گاریکا کے بیان کے مطابق چٹانوں کے ادھر درندے نہیں پائے جاتے تھے اس لئے انہوں نے دن بھر کی تھکن نہایت اطمینان سے دور کی۔ دوسرے دن صبح ناشتہ کرنے کے بعد وہ پھر چٹانوں کی طرف چل پڑے اس حصے میں بھی گھنے جنگل تھے۔ ڈی گاریکا نے عام راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ اس لئے انہیں کلہاڑی کی مدد سے اپنا راستہ بنانا پڑا۔ فریدی نے چوڑے پھل کی ایک چمکدار کلہاڑی سنبھال رکھی تھی اور راستے میں آئی ہوئی شاخوں اور جھاڑیوں کو ہٹاتا جا رہا تھا۔ دو تین گھنٹوں کی محنت کے بعد وہ چٹانوں کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں چٹانوں کے نیچے حد نظر تک بانسوں کا عظیم الشان جنگل پھیلا ہوا تھا۔

فریدی، انور اور حمید ایک ہزار فٹ اونچی چٹانوں کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ایسا

معلوم ہوتا تھا جیسے انسانی ہاتھوں نے ان کی سطح ہموار کی ہو۔ وہ نیچے سے اوپر تک سطح اور سیدھی
کھڑی ہوئی تھیں۔ ڈی گاریکا نے ایک طرف اشارہ کیا اور وہ سب بانسوں کے جنگل میں گھسنے
لگے۔

اب وہ چٹانوں کے نیچے مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تقریباً دو گھنٹے تک چلتے رہنے
کے بعد ڈی گاریکا نے ہاتھ اٹھا کر انہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ یہاں جنگل کافی گھنا تھا اور چٹان کے
ایک حصے پر جنگلی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ڈی گاریکا نے کلہاڑی فریدی کے ہاتھ سے لے لی اور
بیلیں ہٹانے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ کلہاڑی سمیت اچھل
کر پیچھے ہٹ آیا۔ کلہاڑی کے دستے سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

''کیا ہوا......؟'' فریدی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''راستہ بند کر دیا گیا۔'' ڈی گاریکا نے مایوسانہ انداز میں کہا اور اس کے ہاتھ سے کلہاڑی
چھوٹ پڑی۔ اس کی نظریں اس حصے پر جمی ہوئی تھیں جہاں سے اس نے بیلوں کا جھنکاڑ ہٹایا
تھا۔ یہ ایک گڑھا سا تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔

''غار کا دہانہ......!'' ڈی گاریکا آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''ڈان ونسنٹ یہاں پہنچ گیا ہے۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' فریدی اکتا کر بولا۔

''یہاں ایک دو فرلانگ لمبی قدرتی سرنگ تھی جس کے دہانے سے کچھ دور ہٹ کر ایک
ندی ہے۔ انہوں نے شاید ندی سے سرنگ کو ملا دیا ہے۔''

ڈی گاریکا خاموش ہو گیا۔ وہ لوگ اس طرح خاموش تھے جیسے کسی لاش کے سرہانے
کھڑے ہوں۔ دفعتاً کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور گولی حمید کی پیٹھ پر لدے ہوئے تھیلے
چھیدتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔

''پیچھے ہٹو......!'' فریدی بے اختیار چیخا اور اچھل کر چٹان سے آ لگا۔ بقیہ لوگ بھی اس
پیچھے بھاگے۔ پھر دوسرا فائر ہوا۔ رمونا کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ غار کے وسیع دہانے میں
پڑی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پانی کی سطح پر لہراتے ہوئے سنہرے بال بھی غائب ہو گئے۔ اسی
ساتھ ہی فریدی نے بھی گڑھے میں چھلانگ لگا دی۔ بقیہ لوگ اس بری طرح سے گھبرا گئے

کہ انہوں نے مخالف سمت دوڑنا شروع کر دیا۔ فائروں کی آوازیں تھوڑے تھوڑے وقفے کے
بعد سنائی دے رہی تھیں۔

فریدی کا سر پانی کی سطح پر ابھرا اور ساتھ ہی رمونا کے سنہرے بال بھی دکھائی دیئے جنہیں
اس نے اپنی مٹھی میں جکڑ رکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد رمونا زمین پر چت پڑی ہوئی تھی اور فریدی قریب ہی بیٹھا اس کے ہوش
میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ فائر ابھی تک ہو رہے تھے۔ فریدی نے سمت کا اندازہ لگا لیا تھا اور پر
کوئی گولیاں چلا رہا تھا۔ لیکن فریدی ایسی جگہ پر تھا جو گولیوں کی زد سے باہر تھی۔ فریدی نے
رمونا کی طرف دیکھا۔ اس کی سانسیں آہستہ آہستہ معمول پر آ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ ہوش میں آ گئی۔ اسی دوران میں سمت مخالف سے بھی فائر ہونے شروع
ہو گئے تھے۔

''ڈرو نہیں......تمہارے گولی نہیں لگی تھی۔'' فریدی نے کہا۔ ''تم گھبراہٹ میں گڑھے میں
گر گئی تھیں۔''

''وہ لوگ کہاں ہیں۔'' رمونا نے پوچھا۔

''پتہ نہیں...... میں نے تو تمہارے بعد ہی گڑھے میں چھلانگ لگا دی اور جب باہر آیا تو
وہ لوگ یہاں نہیں تھے۔''

''تو وہ لوگ بھاگ گئے۔'' رمونا نے آہستہ سے کہا۔ ''اگر تم نہ ہوتے تو میں اسی گڑھے
میں ڈوب جاتی۔''

فریدی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ ایک گولی ان کے قریب ہی آ کر لگی اور فریدی نے رمونا کو
اپنی طرف کھینچ لیا۔

''بس اس چٹان سے چپکی رہو۔'' وہ آہستہ سے بولا اور قریب پڑی ہوئی رائفل اٹھا کر اوپر
کی طرف دیکھنے لگا۔ چٹان کے ایک کٹاؤ کے درمیان ایک سیاہ سا دھبہ نظر آ رہا تھا۔ ایک متحرک
دھبہ۔ دوسرے لمحے میں فریدی کی رائفل سے شعلہ نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے دھبہ نیچے کی طرف
کھسکنے لگا۔ پھر قریب ہی سے کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ رمونا چیخ کر اچھل پڑی۔ ان

سے کچھ فاصلے پر خون میں ڈوبے ہوئے گوشت کے لوتھڑوں کا ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ رمونا دہری چیخ کے ساتھ فریدی سے لپٹ گئی۔

فریدی نے اسے الگ ہٹا کر پھر اوپر کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

"البرنو......!" رمونا پھر چیخی اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا تھا۔

"تم نے بحرین میں کیا کہا تھا......؟" فریدی بدستور اوپر کی طرف دیکھتا رہا۔ پرسکون لہجے میں بولا۔ "کیا تم اپنے بھائی کے قاتلوں کے خون سے اپنے بال نہیں رنگو گی۔"

رمونا نے فریدی کے چہرے کی طرف دیکھا جو ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ رمونا سہم گئی۔

"کیوں......؟" فریدی نے اس کی طرف دیکھا۔ "فائر ہونے بند ہو گئے تھے۔ مخالف سمت میں بھی خاموشی تھی۔ رمونا اوپر سے گرنے والی لاش کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ فریدی نے احتیاطاً پھر ایک فائر کیا۔ تھوڑی دیر تک جوابی فائر کا انتظار کرتا رہا لیکن دوسری طرف مکمل خاموشی رہی۔ فریدی نے دو تین فائر اور کئے مگر جواب ندارد۔

"شاید ایک ہی تھا۔" وہ رمونا کی طرف مڑ کر بولا اور لاش کی طرف بڑھنے لگا۔

"ٹھہرو!" رمونا گھبرا کر بولی۔ "کہاں جا رہے ہو۔"

"تجربات میں اضافہ کرنے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں یہ دیکھوں گا کہ ایک ہزار فٹ کی بلندی سے گرنے والے کی لاش کیسی ہو جاتی ہے۔"

رمونا نے فریدی کی طرف مڑ کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

فریدی نے مسکرا کر سر کو خفیف سی جنبش دی اور لاش پر جھک پڑا۔ وہ کافی دیر تک اسے الٹتا پلٹتا رہا۔ پھر رمونا کی طرف لوٹ آیا۔

"آؤ چلیں......!" وہ اسی طرف بھاگے ہوں گے۔" فریدی نے مخالف سمت میں اشارہ کر کے کہا۔

"مجھ میں اٹھنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی ہے۔" رمونا نحیف آواز میں بولی۔ "فریدی نے تھیلا اٹھا کر پیٹھ پر لادا۔ رائفل کاندھے پر لٹکائی اور زمین پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "لو آؤ تم بھی لد......

بھی جلدی کرو...... یہ وقت تکلفات کا نہیں۔ معلوم نہیں ان پر کیا گزری ہو۔ مجھے حیرت ہے میرا ساتھی بھی واپس نہ آیا۔"

اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ مخالف سمت جا رہا تھا۔ تھیلے کے ساتھ ساتھ رمونا بھی اس کی پیٹھ پر لدی ہوئی تھی۔ دو تین فرلانگ چلنے کے بعد انہوں نے عجیب مضحکہ خیز منظر دیکھا۔ انور حمید اور ڈی گاریکا بانسوں کے جھنڈ میں پھیلی ہوئی بیلوں کے جال میں بری طرح پھنسے ہوئے رہائی کے لئے ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔ ڈی گاریکا نے رمونا کو دیکھ کر چیخ ماری۔ انور اسے سہارا نہ دیتا تو گر پڑا ہوتا۔ پھر بھی تھوڑی دیر کے لئے وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ شاید وہ رمونا کی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ فریدی رمونا کو اتار کر آگے بڑھا۔

"یہ کیا ہوا......؟"

"ہم ان خوفناک بیلوں سے بے خبر فائر کرتے ہوئے پیچھے ہٹ رہے تھے کہ اچانک انہوں نے ہمیں جکڑ لیا۔" انور نے کہا۔ "چاقو اور کلہاڑی آپ کے تھیلے میں رہ گئے تھے۔"

فریدی نے چاقو کی مدد سے انہیں بیلوں کے جال سے آزاد کیا۔ حمید کی نظریں رمونا پر جمی ہوئی تھیں جو فریدی کی پیٹھ پر لد کر یہاں تک پہنچی تھی۔ پھر ڈی گاریکا نے آنسوؤں اور آہوں کے درمیان رمونا کے بچ جانے کی داستان سنی۔

"لیکن ایک خوشخبری بھی سنئے۔" انور نے کہا۔ "اگر ہم اس جال میں نہ پھنستے تو یہ ہماری انتہائی بدنصیبی ہوتی۔"

"یعنی......!"

"ان بیلوں کے درمیان میں ایک غار موجود ہے اور ڈی گاریکا کا خیال ہے کہ اس کا دہانہ اسی طرف ہوگا۔"

"صرف خیال ہے یا یقین بھی۔" فریدی نے ڈی گاریکا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"صرف خیال۔" ڈی گاریکا بولا۔

"ہاں...... آس کدھر......؟" فریدی بیلوں کے جھکڑوں کی طرف مڑ کر بولا۔

ڈی گاریکا آگے بڑھ کر کلہاڑی کی مدد سے بیلیں ہٹانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد غار کا دہانہ

دکھائی دیا۔

''تم دونوں رمونا کے ساتھ ٹھہرو۔'' فریدی نے انور اور حمید سے کہا اور تھیلے سے ایک پستول اور ٹارچ نکال کر ڈی گاریکا کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا غار میں اتر گیا۔

کئی حادثے

چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کر لی۔ آگے چل کر غار نے سرنگ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ کائی اور سیلن کی بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ فریدی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا ہر قدم جہنم کی طرف اٹھ رہا ہو اور یہ بھی عجیب بات تھی کہ گرمی کے باوجود اس کے جسم سے پسینے کی ایک بوند بھی نہ پھوٹی۔ وہ آگے بڑھتے رہے۔ دفعتاً انہیں عجیب قسم کی پھنپھناہٹ سنائی۔ دونوں رک گئے۔ آواز کی طرف فریدی نے روشنی ڈالی اور دوسرے ہی لمحے میں اس کے پستول سے شعلہ نکلا اور ایک بہت بڑا سانپ اچھل کر ان کی راہ میں حائل ہو گیا۔ اس نے دو تین بار زمین پر سر پٹخا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا۔

''بڑا سچا نشانہ ہے۔'' ڈی گاریکا مضطربانہ انداز میں بولا۔

فریدی نے ادھر اُدھر روشنی ڈالنی شروع کر دی۔ ایک جگہ بہت سارے بڑے بڑے انڈے دکھائی دیئے۔

''بڑی حیرت ہوئی۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''ورنہ انڈوں پر بیٹھی ہوئی مادہ بڑی خطرناک ہوتی ہے۔''

''مگر اس قسم کا سانپ یہاں خط سرطان پر کیسے؟''

''کیوں......؟''

''یہ جارارا کا سانپ تھا جو صرف جنوبی امریکہ کے استوائی خطوں میں پایا جاتا ہے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''احتیاط سے چلو...... ممکن ہے کہ اس کا ساتھی بھی مل جائے۔ یہ اپنی قسم کا

انتہائی شریر سانپ ہوتا ہے۔''

''سانپوں کے متعلق تم کیا جانو۔'' ڈی گاریکا کے لہجے میں تحیر تھا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر بڑھتا رہا۔ آگے چل کر انہیں روشنی دکھائی دی پھر کچھ سرسبز جھاڑیاں نظر آئیں۔ ڈی گاریکا نے سینے پر اپنے ہاتھ سے صلیب کا نشان بنا کر ایک لمبی دعا پڑھی پھر فریدی سے بولا۔ ''بے شک یہ راستہ ایک بالکل ہی نئی دریافت ہے۔''

وہ دونوں واپس لوٹے۔ فریدی نے انور وغیرہ کو بتایا کہ وہ ایک نیا راستہ دریافت کرنے میں سچ مچ کامیاب ہو گئے ہیں۔ پھر یہ بحث چھڑ گئی کہ ان کی روانگی رات پر ملتوی کر دی جائے یا اسی وقت چٹانیں پار کی جائیں۔

''میرا خیال ہے کہ ہم دن ہی دن نکل چلیں کیونکہ ادھر کا جنگل خطرات سے بھرا پڑا ہے۔'' ڈی گاریکا بولا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''ہمارے دشمنوں میں سے یہاں شاید صرف ایک ہی تھا جسے میں نے ختم کر دیا۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔'' حمید بولا۔

''قیاس ہے۔ اگر وہ اکیلا نہیں تھا تو اس کی موت پر اس کے ساتھیوں کو کافی اودھم مچانا چاہئے تھا۔ اپنی دانست میں وہ ہمارا راستہ تو بند ہی کر چکے تھے۔''

تھوڑی دیر بعد وہ چل پڑے۔ رمونا کی نقاہت ابھی دور نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس بار اسے اس کے باپ نے اپنی پیٹھ پر لاد رکھا تھا۔

''کاش......!'' حمید آہستہ سے بولا۔

''چپ چپ۔'' انور نے اسے چھیڑا۔ ''تم یوں ہی دھان پان ہو پیارے۔ بھلا یہ نومن کی لاش تم سے کب سنبھلتی۔ اچھا ہی ہوا ورنہ فریدی صاحب کا معاملہ تو آن سعادت بزور بازو بود۔''

''اچھا اب منہ میں لگام دیجئے۔ ورنہ مجبوراً مجھے نواب چابک نواز جنگ بہادر بننا پڑے گا۔''

غار کے دوسرے دہانے سے نکلنے کے بعد انہوں نے خود کو ڈھلوان چٹانوں کی ایک چھوٹی سی وادی میں پایا۔ ڈی گاریکا تھوڑی دیر تک کھڑا سمتوں کا اندازہ لگاتا رہا پھر ایک طرف انگلی اٹھا

کر بولا۔ ''ہمیں ادھر سے چڑھنا ہوگا۔''

چٹانوں کی بناوٹ بتا رہی تھی کہ یہاں کبھی آتش فشاں پھوٹتے رہے ہوں گے۔ گو جھاڑیوں سے گزرتے ہوئے وہ ڈی گاریکا کے بتائے ہوئے راستے پر چڑھنے لگے۔ ڈی گار بُری طرح تھک گیا تھا اور اب اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ رمونا سمیہ چڑھائی پر نہ چل سکے گا۔ مجبوراً فریدی کو اپنی خدمات پیش کرنی پڑیں۔

''البرونو مجھے سخت شرمندگی ہے۔'' رمونا نے آہستہ سے کہا۔

''پرواہ مت کرو۔'' فریدی بولا۔

راستے میں انور ڈی گاریکا اور حمید ستانے کیلئے کئی جگہ رکے۔ مگر فریدی بدستور چلتا رہا۔

''البرونو تم گوشت پوست کے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔'' رمونا نے کہا۔

''وہ بھی یہی کہتے ہیں جنہیں میں گلا گھونٹ کر مار ڈالتا ہوں۔''

''البرونو تمہیں کشت وخون کے علاوہ کسی اور چیز سے بھی دلچسپی ہے۔'' رمونا نے پوچھا۔

''ہاں کیوں نہیں...... مجھے سرسبز مرغزاروں سے پیار ہے۔ میں نیلے آسمان کی بے کر وسعتوں کو پیار کرتا ہوں۔ مجھے بیلے کی ننھی ننھی کلیوں سے محبت ہے۔ مجھے اس وقت افق بڑا ح لگتا ہے، جب غروب کے بعد رنگین لہریئے آہستہ آہستہ تاریکیوں میں گھلنے لگتے ہیں۔ مجھے ہری گھاس کی سوندھی خوشبو سے عشق ہے۔ مجھے چاندنی راتوں کا عظیم سناٹا بے حد پسند ہے۔''

''کچھ اور بھی......!''

''بہت کچھ......!''

''کیا......؟''

''اب اس وقت تو یاد نہیں آرہا ہے پھر کبھی اطمینان سے پوچھنا۔'' فریدی اکتا کر بولا۔

''تم جو کچھ پوچھنا چاہتی ہو یہ کبھی نہ بتائے گا۔'' پیچھے سے حمید کی آواز آئی۔ ''میں تم بتاؤں...... اسے عورتوں سے نفرت ہے۔''

''شٹ اپ......!'' فریدی مڑ کر بولا۔

''رمونا میں تم سے حقیقت بیان کررہا ہوں۔''

''کیوں البرونو......!'' رمونا نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔

''ٹھیک کہتا ہے۔ مجھے عورتوں اور ان سے عشق کے ڈھکوسلوں سے دلچسپی نہیں۔'' فریدی بولا۔

''لیکن نفرت نہیں کرتے۔'' رمونا نے پوچھا۔

''بھلا نفرت کیسے کرسکتا ہوں جبکہ میری ماں بھی عورت ہی تھی۔''

رمونا کچھ سوچنے لگی۔ حمید نے اپنی دانست میں بڑا تیر مارا تھا۔

''البرونو تم تھک گئے ہوگے۔'' رمونا تھوڑی دیر بعد بولی۔

''فکر مت کرو۔'' حمید چہک کر بولا۔ ''البرونو کا دماغ پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ یہ تو تم دیکھ ہی چکی ہو کہ کسی کی جان لے لینا، اس کے بائیں ہاتھ کا کام ہے اور کسی کو قتل کرنے کے بعد اسے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب تھک جائے گا تو تمہیں بھی کسی گہری کھائی میں پھینک کر اس طرح مطمئن نظر آئے گا جیسے اس نے اپنے کان پر رینگتی ہوئی چیونٹی جھاڑ دی ہو۔

فریدی بے اختیار ہنس پڑا اور رمونا سچ مچ کچھ خائف سی نظر آنے لگی، اچانک اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ فریدی اس تبدیلی کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے حمید کی اس حرکت پر غصہ آگیا۔

''ٹھہرو......!'' وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ حمید رک کر اسکے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

''اب تم لے چلو گے رمونا کو۔'' فریدی نے کہا۔ اس کی سنجیدگی دیکھ کر حمید سہم گیا۔

''میں...... میں۔''

''چلو اٹھاؤ......!'' فریدی سخت لہجے میں بولا۔ اس نے رمونا کو نیچے اتار دیا تھا۔

''دیکھئے مذاق کی بات نہیں۔'' حمید گھبرا کر اردو میں بولا۔

''میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

''اوپر پہنچنے سے پہلے ہی مرجاؤں گا۔''

''چلو......!'' فریدی مکا تان کر بولا۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون۔'' حمید رمونا کے آگے جھکتا ہوا بولا۔ فریدی نے رمونا کو اشارہ کیا اور وہ چپ چاپ اس کی پیٹھ پر چڑھ گئی۔ حمید سیدھا ہوتے وقت بُری طرح ڈگمگایا۔

"اب یہ تم سے باقاعدہ محبت شروع کردے گی۔" فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔

"چلو چلو آگے بڑھو۔ اگر تم ذرا بھی رکے تو بڑی شاندار ٹھوکر رسید کروں گا۔"

ہر ہر قدم پر حمید کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے۔ رمونا خاصی تندرست اور دراز قد لڑکی تھی۔ رمونا بھی محسوس کررہی تھی کہ حمید زیادہ دور تک نہیں چل سکتا۔ لیکن وہ خاموش تھی نہ جانے کیوں۔ اس وقت وہ فریدی سے گفتگو کرنے میں خوف محسوس کرنے لگی تھی۔

"میں رمونا سمیت کسی گہری کھائی میں چھلانگ لگادوں گا۔" حمید فریدی کی طرف مڑکر ہانپتا ہوا بولا۔

"اچھا خدا حافظ...... قیامت کے دن ملاقات ہوگی۔" فریدی سلام کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ڈی گاریکا اور انور کافی دور تھے۔ ڈی گاریکا کی وجہ سے انور بھی آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

فریدی تھوڑی دور چلنے کے بعد مڑا۔ حمید رمونا کو اتار کر ڈی گاریکا وغیرہ کیطرف لوٹ رہا تھا اور رمونا گرتی پڑتی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ فریدی تیزی سے اسکی طرف لوٹ پڑا۔

"تو اس نے تمہیں اتار دیا۔" فریدی نے کہا۔

"میں اب ٹھیک ہوں۔" رمونا نے آہستہ سے کہا۔

"آؤ!" فریدی زمین پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں...... نہیں......!" رمونا بے اختیار رو پڑی۔

"بیوقوف لڑکی، پگلی کہیں کی۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میں نے اس کی قینچی کی طرح چلنے والی زبان بند کرنے کی کوشش کی تھی۔"

رمونا بدستور روتی رہی اور فریدی نے اسے پیٹھ پر اٹھالیا۔

"میرے ساتھی پر بُری طرح عشق کا بھوت سوار رہتا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "اسے اس وقت میں نے اتار دیا۔"

رمونا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کسی خوفزدہ اور بے بس بچے کیطرح سسکیاں لے رہی تھی۔

"البرونو بُرا آدمی ضرور ہے مگر صرف دشمنوں کے لئے۔" فریدی نے اسے پھر دلاسا دیا۔

چٹانوں کی آخری سطح پر پہنچ کر فریدی نے رمونا کو ایک درخت کے تنے کے سہارے بٹھا دیا اور خود ایک سگار سلگا کر ڈی گاریکا وغیرہ کا انتظار کرنے لگا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ یہاں چٹانوں کی سطح بالکل ہموار ہوگئی تھی۔ حد نظر تک گھنے جنگل پھیلے ہوگئے تھے۔ ایسی چٹانوں پر گھنے جنگل کی موجودگی معجزے سے کم نہ تھی۔ یہاں اسے سنبل کے بے شمار درخت دکھائی دیئے جو بڑے بڑے سرخ پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔

"تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی۔" فریدی نے رمونا سے کہا۔

"نہیں تو......!" رمونا آہستہ سے بولی۔

"آخر تم مجھ سے خوفزدہ کیوں ہو۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"نہیں خوفزدہ تو نہیں۔" رمونا پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "مجھے اس کا افسوس ہے کہ تم دونوں میں جھگڑا ہوگیا۔"

"جھگڑا......!" فریدی متحیر ہو کر بولا۔ "اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ایک درخت کی جڑ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اسے چھوٹے بھائی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔ وہ دن بھر میں سینکڑوں بار مجھ سے روٹھتا اور منتا ہے۔"

فریدی کچھ اور کہنے جارہا تھا کہ ڈی گاریکا وغیرہ بھی پہنچ گئے۔ حمید کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے فریدی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

"مجھ میں تو اب چلنے کی سکت نہیں رہ گئی ہے۔" ڈی گاریکا بیٹھتا ہوا بولا۔

"فکر مت کرو۔ میرا ساتھی تمہیں لے چلے گا۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لعنت ہے ایسی زندگی پر۔" حمید نے جھلا کر کہا اور تیزی سے ایک طرف بڑھنے لگا۔ فریدی نے جھپٹ کر اُسے پکڑ لیا اور دبوچ کر اس کا سر سہلاتا ہوا آہستہ آہستہ کہنے لگا۔

"چچ چچ...... میرے راج دلارے۔ برخوردار سلمۂ، یہ تمہاری محبوبہ دلنواز کے والد صاحب قبلہ ہیں۔"

"کیا بات ہے۔" ڈی گاریکا ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "میں عورت نہیں ہوں کہ تمہاری پیٹھ پر لد کر چلوں گا۔"

"ہم دونوں آپس میں مذاق کر رہے ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا اور حمید کو کھینچتا ہوا رمونا کے پاس لایا۔ پھر اس نے حمید کو اس طرح تنگ کرنا شروع کیا کہ وہ بے اختیار چیخنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رمونا مچھلیوں اور گوشت کے ڈبے کھول رہی تھی۔ مختصر سا دستر خوان بچھ گیا۔

"یہ رات یہیں گزاری جائے۔" ڈی گاریکا نے کہا۔ "یہاں درندے نہیں معلوم ہوتے۔"

"اور اگر انہوں نے رومولی کو مار ڈالا تو......" انور نے کہا۔ "یہ تو ظاہر ہے کہ ڈان ونسنٹ یہاں پہنچ گیا ہے ورنہ وہ راستہ نہ بند کرتے۔"

"یہاں رات کو سفر کرنا انتہائی خطرناک ہے اور جب ہم نہ ہوں گے تو رومولی کا کیا بنے گا۔ ویسے تو ممکن ہے کہ ہم اسے کسی نہ کسی طرح بچا ہی لیں۔"

وہ رات انہوں نے وہیں بسر کی اور باری باری سے سب لوگ جاگتے رہے۔

دوسری صبح کو سفر پھر شروع ہو گیا۔ وہ کئی گھنٹے تک گھنے جنگلوں سے گزرتے رہے دفعتاً ڈی گاریکا چلتے چلتے رک گیا۔

"میرا اندازہ غلط نکلا" اس نے پر ندامت انداز میں کہا۔ "میں سمجھتا تھا کہ اس سمت میں چلنے پر ہم جلدی رسیوں کے پل تک پہنچ جائیں گے۔"

"رسیوں کا پل......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ہاں چٹانوں کے درمیان ایک گہری کھائی پر بنایا گیا تھا۔ دونوں چٹانوں کا فاصلہ بھی پچیس فٹ سے زیادہ نہیں۔ اس کے آگے پھر کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ یہ پچیس فٹ چوڑی دراڑ میلوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ فی الحال اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم کسی بہت اونچے درخت پر چڑھ کر گرد و پیش نظر دوڑائیں ورنہ کب تک اس طرح بھٹکتے پھریں گے۔"

حمید نے برا سا منہ بنایا۔

ڈی گاریکا ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "بس یہ ٹھیک رہے گا۔ ہمیں صرف اس دراڑ کا پتہ لگانا ہے۔ اس کے بعد پل میں تلاش کر لوں گا۔"

"لیکن درخت پر چڑھے گا کون۔" انور نے کہا۔ "کم از کم مجھ میں تو اتنے اونچے درخت پر چڑھنے کی ہمت نہیں۔"

"تم میں کسی بات کی ہمت نہیں۔" حمید نے اپنا تھیلا زمین پر گراتے ہوئے کہا۔ رائفل اتار کر تھیلے سے لٹکا دی اور اب اپنے جوتے اتار رہا تھا۔ فریدی پر تشویش انداز میں حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم چڑھ جاؤ گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں نہیں! کیا آپ مجھے بھی انور سمجھتے ہیں۔" حمید نے اس انداز میں کہا کہ رمونا ہنس پڑی۔

دوسرے لمحے میں وہ بندر کی پھرتی کے ساتھ درخت کے سپاٹ تنے پر چڑھ رہا تھا اور رمونا ہنسے جا رہی تھی۔ حمید رمونا کی کھنکتی ہوئی ہنسی سے لطف اندوز ہوتا ہوا ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پیر رکھتا اوپر کی طرف جا رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں کچھ دور پر مغرب کی طرف ایک چوڑی سی سیاہ لکیر دکھائی دی جس کا سلسلہ بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ حمید تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر دیکھ کر راستے کا تعین کرتا رہا۔ پھر نیچے اترنے لگا۔ دفعتاً اسے ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کوئی اس کے پیچھے موجود ہو۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا دو سرخ سرخ آنکھیں اس کی آنکھوں میں گھور رہی تھیں۔ ان آنکھوں کے نیچے ایک چپٹی سی ناک تھی۔ نچلا جبڑا آگے کی طرف نکلا ہوا تھا۔ ٹھوڑی کے گرد سفید بالوں کے بڑے بڑے گچھے تھے۔ حمید ایک شاخ سے پھسل کر دوسری پر آ رہا۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اوپر کی شاخ دوبارہ اس کی گرفت میں آ گئی ورنہ ہڈیاں سرمہ ہو جاتیں۔ وہ اب تک حمید کی طرف گھور رہا تھا۔ دفعتاً اس نے اپنا منہ کھولا۔ ساتھ ہی حمید کا بھی منہ کھل گیا اور بے اختیار چیخیں نکلنے لگیں۔

"ڈرو نہیں۔" نیچے سے فریدی کی آواز آئی۔ "میں نے اسے دیکھ لیا وہ ایک بے ضرر قسم کا بندر ہے۔"

حمید کی چیخیں سن کر وہ اچھلا اور دوسری شاخ پر چلا گیا۔ حمید نے اب دیکھا کہ اس کے سارے جسم پر بھی ننھے ننھے بال تھے۔ حمید تیزی سے نیچے اترنے لگا اور تقریباً دس فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگا دی۔

"بیوقوف آدمی وہ بندر تھا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "اینتھروپوائڈ کہلاتا ہے۔ دیکھو جغرافیہ

یاد رکھنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے ورنہ تم سچ مچ شہید ہو گئے ہوتے، مگر مجھے اب جغرافیہ کی صحت پر بھی شبہ ہونے لگا ہے۔ کیونکہ جغرافیہ کی رو سے اس قسم کے بندر خط سرطان پر نہیں پائے جاتے۔"

"تم چیخنے کیوں لگے تھے۔" رمونا ہنس کر بولی۔

"چیخ کب رہا تھا۔" حمید بسورنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔ "میں تو رونے لگا تھا۔"

"کیوا......؟" رمونا نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

اس باریش اور برگزیدہ بندر کو دیکھ کر بے اختیار دادا جان مرحوم یاد آ گئے تھے۔

"خیر......خیر......!" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "غیر دلچسپ باتیں مت کرو۔ کام کی بات کرو۔"

"کام کی بات یہ ہے کہ وہ بندر ہمارے نام اور پتے لکھ کر لے گیا ہے۔ اب باقاعدہ خط و کتابت کرتا رہے گا۔ اس سے طرفین کی خیر و عافیت وغیرہ معلوم ہو جایا کرے گی۔"

"بکومت......!" فریدی چیخ کر بولا اور رمونا پھر ہنسنے لگی۔ فریدی درخت کی طرف بڑھا وہ خود ہی چڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ حمید نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔

"اتنے اونچے درخت سے خودکشی بے کار رہے گی کیونکہ سراغ رساں لاش نہ پہچان پائیں گے کیا فائدہ۔" اس نے کہا۔

فریدی نے پلٹ کر اس کی گردن پکڑ لی۔

"بب بب بتاتا ہوں۔" حمید تلملا کر چیخا۔ فریدی نے گرفت ڈھیلی کر دی۔ وہ منہ بنا کر بولا۔ "مغرب کی طرف وہ دراڑ موجود ہے۔ شاید دو میل کا فاصلہ ہوگا۔ تو گردن چھوڑیئے نا۔ آپ مذاق پر آمادہ ہوں تب بھی میری ہی شامت، اور میں مذاق کروں تو شامت در شامت۔"

فریدی اس کی گردن چھوڑ کر ڈی گاریکا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

پھر وہ لوگ مغرب کی طرف چل پڑے۔ کچھ دور چلنے کے بعد ڈی گاریکا کو کچھ سننے لگا۔ فریدی بھی چونک پڑا۔ وہ معنی خیز نظروں سے ڈی گاریکا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جنگلی قبائل کا جنگی نقارہ۔" ڈی گاریکا زیر لب بڑبڑایا۔ "یا تو وہ کسی سے جنگ کر رہے ہیں یا پھر ان کے کسی بڑے تہوار کا موقع ہے۔"

ہوا کے تیز جھونکے کے ساتھ پھر نقارے کی آوازیں لہراتی ہوئی آئیں اور جنگل کی وسعتوں

یں ڈوبتی چلی گئیں۔

"ہمیں کافی محتاط رہنا پڑے گا۔" ڈی گاریکا فریدی وغیرہ کی طرف مڑ کر بولا اور چلنے لگا۔

اروں کی آوازیں کہیں دور سے آتی معلوم ہو رہی تھیں۔ کبھی ہلکی اور کبھی تیز۔

ایک گھنٹے بعد وہ دراڑ کے قریب پہنچ گئے۔ فریدی نے کنارے جا کر نیچے کی طرف جھانکا۔ نچ یا چھ سو فٹ سے کم گہرائی نہ رہی ہوگی۔ اور پچیس تیس فٹ کی دوری پر دوسری چٹانوں کا لسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ڈی گاریکا شمال کی طرف چلنے لگا۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے جاتے تھے اروں کی آوازیں قریب ہوتی معلوم ہو رہی تھیں۔

"ناممکن...... بالکل ناممکن...... اب کیا ہوگا۔" ڈی گاریکا لڑکھڑاتا ہوا بولا۔ اگر وہ ایک ت کے تنے کا سہارا نہ لے لیتا تو اس کا گر جانا یقینی تھا۔

"کیا ہوا۔" فریدی چیخا۔ ڈی گاریکا سنبھل چکا تھا۔ اس کے ہونٹ ہلے......مگر آواز نہ ی۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اسے جھنجھوڑا اور وہ اس طرح چونک پڑا جیسے سوتے سوتے جاگا

"پل کاٹ دیا گیا۔" وہ ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے بولا جس کے تنے سے موٹی رسیاں لپٹی ہوئی تھیں۔

"اب کیا ہوگا۔ اب کیا ہوگا۔" وہ اس طرح بڑبڑایا جیسے اس پر ہسٹریا کا دورہ پڑ گیا ہو۔

غیر متوقع انجام

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ڈان ونسنٹ وغیرہ نے ہمیں یہاں داخل ہوتے دیکھ لیا ہے۔" نے کہا۔ "ورنہ پل کے کاٹنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنی دانست میں ٹا بند کر دیا تھا، لیکن انہوں نے رات ہی کو ہم پر حملہ کیوں نہیں کر دیا۔"

"ممکن ہے انہوں نے آج ہی ہمیں دیکھا ہو۔" انور نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم کوشش کریں تو جلدی انہیں جالیں گے۔"

"مگر اب کیا ہوسکتا ہے۔" ڈی گاریکا مایوسانہ لہجے میں بولا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"البرونو مایوس ہونا نہیں جانتا۔" فریدی لاپروائی سے بولا اور وہ اس اونچے درخت کو نیچے سے اوپر تک دیکھ رہا تھا جس کے سہارے رسیوں کا پل بنایا گیا تھا۔

"وہ دیکھو......!" حمید چیخا۔ سب کی نظریں اس کے ہاتھ کی طرف اٹھ گئیں جو دراڑ کے پار اشارہ کررہا تھا۔ بہت دور ایک ابھری ہوئی چٹان پر کئی آدمی چلتے دکھائی دے رہے تھے۔

"وہی ہوں گے۔" فریدی نے کہا اور تھیلا کھول کر کلہاڑی نکالنے لگا۔ بقیہ لوگ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے درخت کے تنے پر کلہاڑی سے ضربیں لگانی شروع کردیں۔

"کیا تمہارا دماغ بھی جواب دے گیا۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"کیوں؟ میں اس دراڑ پر ایک دوسرا پل بنانے جارہا ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

ڈی گاریکا کچھ سوچنے لگا۔ پھر دفعتاً اچھل کر بولا۔ "البرونو تم معمولی آدمی نہیں ہو۔ تم کے فوق البشر ہو۔"

پھر وہ سب باری باری سے درخت پر کلہاڑی چلاتے رہے اور شام ہوتے ہوتے انہوں نے اسے گرا ہی لیا۔ درخت دوسری طرف کی چٹانوں سے جالگا تھا۔

مگر اس کے چکنے تنے پر چلنا آسان کام نہیں۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"سچ مچ تمہارا دماغ سوچنے کے قابل نہیں رہ گیا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ اس نے اپنی رائفل کاندھے پر لٹکائی اور سامان کا تھیلا پیٹھ پر باندھا اور درخت کے تنے پر بیٹھ کر دونوں طرف پیر ادھر اُدھر لٹکا لئے اور پھر اس کی حالت دیکھ کر بے اختیار ہنسی آگئی۔ وہ تنے پر دونوں ہاتھ ٹیک کر پھدکتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر اس نے ان کی طرف دیکھا اور قہقہہ لگاتے ہوئے ہاتھ ہلانے لگا۔ پھر باری باری سے سب نے اس کی تقلید کی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سب دوسرے کنارے پر بیٹھے ہوئے چائے کا انتظار کررہے تھے۔ رمونا نے اسٹوپ پر پانی چڑھا دیا تھا اور اب دودھ کے ڈبے میں سوراخ کررہی تھی۔

"یہ سوراخ میرے دل میں ہورہا ہے۔" حمید نے فریدی کیطرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

"اور اگر میں تمہارے سر میں بھی سوراخ کردوں تو۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار پھینک کر کہا۔

"خدا کی قسم...... اس کی انگلیاں...... ہے ہے۔"

"بس اب چپ بھی رہو...... ورنہ میں اس کی ٹانگ توڑ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟ کیوں؟ کیا کیا ہے اس بے چاری نے۔"

"کچھ نہیں......!" فریدی حمید کو گھور کر بولا۔ "یہ اس لئے کروں گا کہ وہ پھر تمہاری پیٹھ پر سفر کرسکے اور اس بار میں تمہاری کھال گرادوں گا احمق کہیں کے۔"

انہیں اچھی طرح یقین ہوگیا تھا کہ ڈان ونسنٹ جزیرے میں ان کے داخلے سے لاعلم نہیں ہے۔ اس لئے ڈی گاریکا کی تجویز پر انہوں نے راستہ بدل دیا ڈی گاریکا کا خیال تھا کہ اس طرح وہ ڈان ونسنٹ کو راستے ہی میں جالیں گے۔

سہ پہر کو وہ ایک ویران حصے سے گزر رہے تھے۔ جنگلوں کا سلسلہ ختم ہوگیا تھا۔ چاروں طرف کتھئی رنگ کی اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ فریدی وغیرہ کی پانی کی بوتلوں میں کافی پانی موجود تھا۔ ورنہ اس سنگلاخ حصے کو دیکھتے ہوئے ان میں سے ایک آدھ کا ہارٹ فیل ضرور ہوجاتا کیونکہ اس قسم کی چٹانوں میں پانی تو بڑی چیز ہے پانی کا فریب دینے والی ریت بھی نہیں تھی۔

دفعتاً فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا پھر اپنے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کرکے ایک چٹان پر چڑھ گیا اور جب وہ واپس آیا تو اس کی آنکھیں پراسرار طور پر چمک رہی تھیں۔

"وہ آرہے ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "تم لوگ خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد انہیں قدموں کی آہٹیں سنائی دینے لگیں۔

"وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے کیونکہ کافی نشیب میں ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تم لوگ اپنے بستے اتار لو۔"

وہ سب ننگے پیر چلنے لگے...... چلتے رہے حتیٰ کہ سورج دور کی پہاڑیوں میں جھکنے لگا۔ وہ

برابر قدموں کی آوازیں سنتے رہے تھے اور فریدی کبھی کبھی کسی نہ کسی پوشیدہ مقام سے دوسری طرف جھانکتا آیا تھا۔ ایک بار اس نے رک کر اپنے ساتھیوں کو بھی رکنے کا اشارہ کیا۔

"وہ لوگ یہاں پڑاؤ ڈال رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہمیں بھی رک جانا چاہئے۔ وہ تعداد میں دس ہیں۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ڈی گاریکا کو مخاطب کر کے بولا۔ "کیوں نہ ہم رومولی کو یہیں چھین لیں۔"

"مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔ ہم صرف چار ہیں۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ ابھی میرے ہاتھ میں ایک ٹرمپ کارڈ موجود ہے۔"

"یعنی......!"

"ڈان الفریڈو......!" فریدی نے کہا۔ "حالانکہ اس چہرے کی بناوٹ کچھ ایسی تھی کہ میک اپ میں دشواری پیش آئے گی مگر خیر میں کوشش کرتا ہوں۔"

فریدی اپنے سامان کا تھیلا لے کر داہنی طرف کی چٹانوں کے نیچے اتر گیا اور پھر ایک گھنٹے کے بعد انہوں نے اسے ڈان الفریڈو کی شکل میں دیکھا۔ اس کے چہرے پر بے شمار خراشیں معلوم ہو رہی تھیں جن میں خون جم جم کر سیاہی اختیار کر چکا تھا۔ ہونٹ زخمی تھے۔ پیشانی کے ورم نے آنکھوں کو قریب قریب ڈھک لیا تھا۔ آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں۔ فریدی نے انہیں اپنی زبان دکھائی جو معمول سے زیادہ موٹی نظر آ رہی تھی۔

"میری زبان بھی زخمی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ظاہر ہے ایسی صورت میں ڈان ونسنٹ مجھ سے میرے صحیح لہجے اور آواز کی توقع نہ رکھے گا۔"

"تم ایک خطرناک کام کرنے جا رہے ہو۔" ڈی گاریکا پر تشویش لہجے میں بولا۔

"تو میں کھیاں کب مارتا رہا ہوں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "خیر......تم لوگ آرام کرو۔"

"میں بھی چلتا ہوں۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بڑے بہادر نظر آ رہے ہو۔ جی نہیں تشریف رکھئے۔" فریدی نے کہا اور اونچی نیچی چٹانیں پھلانگتا دوسری طرف اتر گیا۔ ڈان ونسنٹ کے کیمپ میں روشنی ہو رہی تھی۔

چلتے چلتے دفعتاً فریدی نے ایک چیخ ماری اور لڑکھڑا کر گر پڑا اور اس نے محسوس کیا کہ کچھ آدمی اس کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ کئی ٹارچوں کی روشنیاں اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔

"ارے یہ تو الفریڈو ہے۔" کسی نے کہا۔ "چلو جلدی اسے اٹھاؤ......لیکن احتیاط سے کسی قدر زخمی ہو گیا ہے۔"

دو تین آدمی فریدی پر جھک پڑے۔ لیکن انہوں نے ابھی ہاتھ ہی لگائے تھے کہ فریدی اچھل پڑا۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک ابھرتی ہوئی چٹان کی اوٹ میں تھا۔

"خبردار......!" وہ ریوالور نکال کر بولا۔ "پیچھے ہٹو ورنہ سب کو ختم کر دوں گا۔"

"الفریڈو اس کی ضرورت نہیں۔" کسی نے دوسری طرف سے کہا۔

"ڈان ونسنٹ !" فریدی تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "شکر ہے تیرا۔ شکر ہے اے خدا۔"

اور پھر وہ چٹان کی اوٹ سے نکل آیا۔ ڈان ونسنٹ اسے سہارا دے کر کیمپ کی طرف لے جانے لگا۔

رشیدہ کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھی۔ ڈان ونسنٹ نے فریدی کو ایک چٹان کے سہارے بٹھا دیا۔

"میں بیرونی جنگل تک ان کے پیچھے لگا آیا تھا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ اندر کیسے داخل ہوئے۔" ڈان ونسنٹ نے کہا۔ "انہیں دیکھ کر میں نے رسیوں کا پل بھی کاٹ دیا تھا۔"

"انہوں نے بانسوں کے جنگل میں ایک دوسرا راستہ دریافت کر لیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اسی راستہ سے میں داخل ہوا ہوں۔ وہ آگے نکل گئے اور میں ایک مصیبت میں پھنس گیا۔ ایک ٹامانس نے میرا پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر مجھے کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ میں اس دراڑ میں کیسے جا پڑا۔"

"دراڑ میں۔" جان ونسنٹ حیرت سے بولا۔ "لیکن پھر تم اس میں سے نکلے کس طرح۔"

"یہی تو بتانے جا رہا ہوں۔" فریدی نے اپنی پھولی ہوئی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سسکی لیتے ہوئے کہا۔ "میں دیوانہ وار دراڑ میں دوڑ رہا تھا اور یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ وہاں جا نکلا جہاں

رسیوں کا پل تھا۔ مگر میں نے کیا دیکھا؟ فریدی نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

''کیا دیکھا......؟'' ڈان ونسنٹ کے لہجے میں اضطراب تھا۔

''پل والا بڑا درخت دراڑ کے آر پار پڑا تھا اور اس کی رسی دراڑ میں لٹک رہی تھی''

ڈان ونسنٹ پہلے تو کچھ نہ سمجھا لیکن پھر دفعتاً اچھل پڑا۔ فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولتا رہا۔ ''وہ چیز میرے لئے تائید غیبی تھی۔ میں کسی نہ کسی طرح چڑھتا اور پھسلتا ہوا رسی تک پہنچ گیا۔ اب مجھے اسوقت اچھی طرح یاد نہیں کہ میں رسی کے سہارے کس طرح اوپر پہنچا۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اسی درخت کے سہارے دراڑ کے اس پار آ گئے ہیں''

ڈان ونسنٹ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''تم نے مجھے وائرلیس کے ذریعہ اطلاع دی تھی کہ تمہیں اولیاری کا بھوت دکھائی دیا تھا۔''

''یہ ان کی ایک خطرناک حرکت تھی۔'' فریدی نے کراہ کر کہا۔ ''وہ رومولی کا ساتھی انور تھا۔ انہوں نے اس پر اولیاری کا میک اپ کردیا تھا۔''

''انور......!'' رشیدہ بے اختیار چیخی اور پھر ہنس پڑی۔

''خاموش رہو۔'' ڈان ونسنٹ نے اسے ڈانٹا۔

''اس کے ساتھ دو آدمی اور ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''البرونو اور اس کا ساتھی؟'' ڈان ونسنٹ نے پوچھا۔

''ہاں! لیکن جانتے ہو البرونو کون ہے؟''

''نہیں۔''

''بین الاقوامی شہرت کا مالک انسپکٹر فریدی جس نے مصر میں ویلسن کی مشینی آندھی کا پتہ لگایا تھا۔''

''غدار...... ڈی گاریکا۔'' ڈان ونسنٹ مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ ''لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا''

''اس کے پاسپورٹ سے۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن تمہیں اس کی اطلاع نہ دے سکا کیونکہ انہوں نے میری نگرانی شروع کردی تھی۔''

رشیدہ نے پھر قہقہہ لگایا اور چیخ کر بولی۔ ''اگر واقعی ان کے ساتھ فریدی بھی ہے تو یہ سمجھ لو

کہ تمہاری موت تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔''

''خاموش رہو۔'' ڈان ونسنٹ اسے مکا دکھا کر چیخا۔

''میں بہت تھک گیا ہوں۔'' فریدی مضمحل آواز میں بولا۔ ''مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں صبح تک زندہ نہ رہ سکوں گا۔''

''آگ بجھا دو......!'' ڈان ونسنٹ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''ساری روشنیاں گل کردو۔''

تھوڑی دیر بعد وہاں اندھیرا پھیل گیا۔

''ڈان ونسنٹ میں تھک گیا ہوں۔ مجھے برانڈی چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔

''برانڈی...... ہمارے پاس صرف دو بوتلیں رہ گئیں ہیں۔ زیادہ پینے کی کوشش نہ کرنا ہم سب تھکے ہوئے ہیں۔''

ڈان ونسنٹ نے اس کے ہاتھ میں ایک بوتل تھما دی۔ فریدی نے تھوڑی سی برانڈی اندھیرے میں گرادی پھر اس کی جیب سے ایک پڑیا نکلی دوسرے لمحے میں پڑیا کا سارا سفوف بوتل میں تھا۔

''شکریہ......!'' فریدی ایسے انداز میں بولا جیسے وہ ابھی تک سانسیں روکے ہوئے بوتل کو منہ لگائے رہا ہو اور پھر اس نے ٹٹول کر بوتل ڈان ونسنٹ کو واپس کردی۔ بوتل ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں میں گردش کرتی رہی۔ فریدی چھیڑ چھیڑ کر ان سے گفتگو کرنے لگا۔ تھوڑی دیر تک وہ بولتے رہے پھر ان کی آوازیں آنی بند ہوگئیں۔ فریدی نے دو تین بار ڈان ونسنٹ کو زور زور سے پکارا لیکن جواب ندارد پھر وہ آہستہ آہستہ ٹٹولتا ہوا رشیدہ کی طرف بڑھنے لگا۔ رشیدہ ٹھٹک پڑی۔

''یہ کیا حرکت؟'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''چپ چپ...... میں ہوں فریدی۔''

''اوہ......!'' رشیدہ قریب قریب چیخ پڑی۔

''بے وقوف لڑکی خاموش رہو۔'' فریدی نے کہا اور اس کے ہاتھ پیر کھولنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ چٹانوں سے گزر رہے تھے۔

"ڈی گاریکا اور اس کی لڑکی کو میری اصلیت نہ معلوم ہونے پائے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے صرف البرونو سمجھتے ہیں۔"

ڈی گاریکا وغیرہ رشیدہ کو دیکھ کر اچھل پڑے۔ رشیدہ انور کے شانے سے لگی ہوئی بری طرح رو رہی تھی۔

"تم بھی کبھی اس طرح روئی ہو۔" حمید نے آہستہ سے رمونا سے پوچھا۔

"میں کیوں روتی۔"

"البرونو میں کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں۔" ڈی گاریکا بولا۔

"بعد کی باتیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "صبح ہمیں ڈان ونسنٹ سے سمجھنا ہے۔"

"کیوں نہ انہیں اسی وقت ٹھکانے لگا دیا جائے۔" رمونا نے کہا۔

"یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں نیند یا بیہوشی میں کسی کو مارنے کا قائل نہیں۔"

"اور اگر وہ رات ہی کو نکل گئے تو۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"صبح سے پہلے ان کی آنکھ کھلنی محال ہے۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"لیکن ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے۔ رات میں باری باری سے ہم پہرہ دیتے رہیں گے۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

رات کی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ سب لوگ سو گئے۔ سوتے میں اچانک فریدی کی آنکھ کھل گئی۔ حمید رمونا اور انور کے بیچ میں رشیدہ سو رہی تھی۔ لیکن ڈی گاریکا کا کہیں پتہ نہ تھا۔ فریدی کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ تیزی سے چٹانوں پر چڑھنے لگا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ یکایک اسے ایک چیخ سنائی دی۔ فریدی کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ وہ آواز کی طرف جھپٹا پھر دوسری چیخ سنائی دی پھر تیسری اور ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔ وہ جگہ جہاں اس نے ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں کو چھوڑا تھا دکھائی دے رہی تھی۔

"وہ حماقت کر ہی بیٹھا۔" فریدی بڑبڑایا۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں نے ڈی گاریکا کو جکڑ رکھا تھا۔ ڈان ونسنٹ پوری قوت سے اس کا گلا دبا رہا تھا۔ فریدی نے رائفل چھتیائی "دھائیں" چٹانیں گونج اٹھیں۔ فریدی نے

پھر دوسرا فائر کیا اور بھاگا۔

آدمیوں کے بھاگنے کی آوازیں اسے سنائی دی۔ فریدی اس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں ڈیگاریکا دو لاشوں کے بیچ میں پڑا تھا۔ اسکی آنکھیں بند تھیں۔ فریدی نے آہستہ سے اسے جنبش دی۔

"البرونو......!" ڈی گاریکا چلایا۔ "کیا وہ لوگ بھاگ گئے۔"

"ہاں یہ کیا پاگل پن تھا۔ میرے منع کرنے کے باوجود بھی تم چلے آئے۔"

"مگر یہ بہت برا ہوا...... وہ لوگ بچ کر نکل گئے۔ اب ہماری جان کی خیر نہیں۔"

"کوئی پرواہ نہیں۔" فریدی نے اسے اٹھایا۔ "تمہیں چوٹ تو نہیں آئی۔"

"نہیں البرونو...... مجھے اولیاری کے انتقام نے اندھا کر دیا تھا۔ جب تم لوگ سو گئے تو میں اٹھا یہ سب بیہوش پڑے تھے۔ میں نے ایک کے سینے میں خنجر اتار دیا۔ اس کی چیخ سے دوسروں کی آنکھ کھل گئی۔ جب تک وہ ہوشیار ہوں میں دوسرے کو بھی ختم کر چکا تھا کہ اچانک ان لوگوں نے مجھے پکڑ لیا۔ میں بے قابو ہو گیا مگر تعجب ہے البرونو ان میں کسی کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہ تھا۔"

فریدی اور ڈی گاریکا جب پہنچے تو انور اور حمید وغیرہ جاگ چکے تھے۔ رمونا کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ ڈی گاریکا کو دیکھ کر وہ اچھل پڑی۔

"البرونو تم بہت اچھے ہو۔" وہ تشکر آمیز لہجے میں بولی۔

"میرے متعلق کیا خیال ہے۔" حمید نے دخل دیا۔

رمونا نے اسے گھور کر دیکھا۔ حمید نے خاموشی سے گردن جھکا لی۔

"سب لوگ تیاری میں مصروف ہو گئے اور سورج نکلتے نکلتے یہ چھوٹا سا قافلہ سنگلاخ چٹانوں کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

متواتر دو دن تک سفر جاری رہا۔ اس دوران میں کوئی قابل ذکر حادثہ پیش نہیں آیا۔ آہستہ آہستہ جنگلوں اور پہاڑوں کے آثار ختم ہوتے جا رہے تھے۔ ڈی گاریکا کی تجویز پر ایک جگہ رک کر فریدی، حمید اور انور نے اپنی شکلیں تبدیل کر لیں۔ انور ڈی گاریکا کے لڑکے اولیاری کی شکل مل تھا۔ فریدی اور حمید نے ڈی گاریکا کی دی ہوئی دو تصاویر کے مطابق میک اپ کیا تھا۔ ڈی

گاریکا نے انہیں بتایا کہ شہر میں داخلے کے وقت باہر سے آنے والوں کے متعلق کافی چھان بین کی جاتی ہے۔

"مجھے خوف ہے کہ کہیں ڈان ونسنٹ نے شاہی محکمہ سراغ رسانی کو اپنی آمد سے مطلع نہ کردیا ہو۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"کس طرح......!" فریدی نے پوچھا۔

"وائرلیس کے ذریعہ۔"

"وائرلیس......!"

"ہاں......تم کیا سمجھتے ہو۔ ہم لوگ کافی ترقی یافتہ ہیں۔ اس معاملے میں کسی یورپین ملک سے پیچھے نہیں۔"

"خبر کہاں سے بھیجی ہوگی۔" فریدی نے پوچھا۔

"میکسیکو کی بندرگاہ ویراکروز سے۔"

"لیکن کیا یہ چیز خطرناک نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تمہارے پیغامات دوسرے بھی سن سکتے ہیں۔"

"یہی تو خاص بات ہے۔" ڈی گاریکا نے مسکرا کر کہا۔ "ہمارے ٹرانس میٹر سب سے الگ تھلگ ہیں۔ ہمارے ٹرانسمیٹر پر نشر کئے ہوئے پیغامات صرف ہماری ہی ریسیونگ مشینوں پر نے جاسکتے ہیں۔"

"تو پھر اب کیا کہتے ہو۔" فریدی اکتا کر بولا۔

"ہم ایک خفیہ راستے سے شہر میں داخل ہوں گے۔" ڈی گاریکا نے کہا "اور ایسی صورت میں انور کے لئے اولیاری کا میک اپ مخدوش ہے۔ خود مجھے اور رمونا کو بھی اپنے حلئے تبدیل کرنے پڑیں گے۔"

دوسری اسکیم کے مطابق انہوں نے احتیاطی تدابیر کرنے کے بعد راستہ بدل دیا۔ اس طرح انہیں چھتیس گھنٹے تک اور سفر جاری رکھنا پڑا اور جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو فریدی وغیرہ کی آنکھیں کھلی گئیں۔ چاروں طرف بڑی عالیشان عمارتوں کا جال سا بکھرا ہوا تھا۔ لیکن انہیں یہ

ایک عجیب بات دکھائی دی کہ ساری عمارتیں سبز رنگ سے رنگی ہوئی تھیں اور عمارتوں کی چھتوں پر بڑے اور جھاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ انہیں کوئی ایسی عمارت نظر نہ آئی جس کی چھت پر چھوٹے چھوٹے درخت نہ دکھائی دیتے رہے ہوں۔ ڈی گاریکا حمید اور انور کی حیرت پر ہنسا۔

"میں سمجھتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس جزیرے پر پرواز کرنے والے غیر ملکی ہوائی جہاز سے محفوظ رہنے کے لئے تم لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔"

"لیکن بعض بدقسمت ہوائی جہاز" ڈی گاریکا نے ہنس کر کہا۔ "جن کی پرواز نیچی ہوتی ہے مار گرا لئے جاتے ہیں تم نے اکثر اپنی طرف کے اخبارات میں اس قسم کی خبریں پڑھی ہوں گی کہ فلاں طیارہ بحر اٹلانٹک اور بحر کریبین کے درمیان پرواز کرتا ہوا پراسرار طور پر غائب ہوگیا۔ وہ پراسرار طریقہ ہماری یارہ شکن بندوقوں کا رہین منت ہے۔"

"بہت خوب......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میرا دل چاہتا ہے کہ بقیہ زندگی اسی پراسرار جزیرے میں گزار دوں۔"

"سچ......!" رمونا پرمسرت لہجے میں چیخی۔

"قطعی......!" فریدی سنجیدگی سے بولا اور حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"اگر ایسا ہوسکے تو ہم اسے اپنی خوش نصیبی سمجھیں گے۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ غیر ملکی یہاں رہ سکتے ہی نہیں؟ آخر کب تک اس حالت میں رہوں گا۔" فریدی نے پوچھا۔ ڈی گاریکا گڑبڑا گیا۔

"البرونو ہمارے یہاں اگر فاگان اور مقدس باپ مل کر کوئی حکم دے دیں تو اسے سب مان لیتے ہیں۔" ڈی گاریکا نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

صبح کے ہلکے ہلکے پھیلتے ہوئے دھندلکے میں وہ شہر کے غیر آباد حصہ سے گزرتے رہے۔

ڈی گاریکا کی اسکیم کے مطابق ان لوگوں کو سب سے پہلے مقدس باپ کے حضور میں حاضر ہونا تھا۔

صبح ہوچکی تھی اور شہر سے باہر نکل کر ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں یہ قافلہ پہنچ چکا تھا۔ پہاڑی کے نشیب میں چٹانوں سے ڈھکا ہوا ایک قلعہ دکھائی دے رہا تھا لال لال فیتے لگائے ہوئے۔ سپاہیوں کی دو رویہ قطار پہرہ پر تھی۔ اس قافلہ کو آتے دیکھ کر انہوں نے اپنی

رائفلیں اٹھائیں۔ ڈی گاریکا نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔ فریدی اور انور وغیرہ نے اس کی
تقلید کی۔ سپاہیوں کے پاس پہنچتے ہی رشیدہ نے بایاں بازو کھولا اور سپاہیوں کے بیچ میں کھڑی
ہوگئی۔ مکا تان کراس نے اپنا بازو لہرایا۔

"سی نورا......!" ایک ان میں سے حیرت سے چیخا اور وہ سب رشیدہ کے گرد آ کر کھڑے
ہوگئے۔ اس کے بازو پر پڑا ہوا نشان صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"فاگانیہ زندہ باد......!"

"سی نورا رومولی زندہ باد۔"

سپاہیوں نے نعرے لگائے اور اپنی سنگینیں جھکا دیں۔

مقدس باپ نعروں کی آواز سن کر باہر نکل آئے تھے۔ فریدی نے دیکھا ایک لمبا تڑنگا بوڑھا
آدمی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی خوبصورت سفید ڈاڑھی اور آنکھوں میں ایک خاص قسم کی
چمک نے فریدی کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ آدمی ہوشیار ہے۔

ڈی گاریکا اسے دیکھ کر جھکا۔ احتراماً اس نے مقدس باپ کی عبا کو بوسہ دیا اور کھڑا ہوگیا۔
رشیدہ کو دیکھ کر اس نے تعظیماً سر ہلایا اور اس کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

اچانک نقاروں کی آواز سنائی دی۔ فریدی چونک پڑا۔ ڈی گاریکا کے چہرے پر ہوائیاں
چھوٹنے لگیں۔ نقاروں کی آواز تیز ہوتی گئی۔ مقدس باپ نے مڑ کر ڈی گاریکا کی طرف دیکھا۔

"فاگان...... مگر وہ کس سے لڑے گا۔"

دیکھتے دیکھتے سامنے کا میدان گرد و غبار سے اٹ گیا۔ مقدس باپ نے اشارہ کیا اور ایک
سپاہی نے پاس پڑے ہوئے نقارہ کو زور زور سے پیٹنا شروع کردیا اور تھوڑی ہی دیر میں
سپاہیوں کی قطار نکلنے لگی۔

سامنے کا غبار چھٹ گیا تھا۔ اڑتے ہوئے سبز پھریرے نقارے بجاتے ہوئے فوج آ رہی
تھی۔ ان کی سنگینوں کی انیاں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ آگے آگے ایک شخص ننگی تلوار لیے
ہوئے تھا جس سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ غالباً یہ اعلان جنگ تھا۔ سپاہیوں کے
میں ایک شخص کے سر پر چاندی کا چھتر لگا ہوا تھا۔ غالباً یہ فاگان تھا اور اسی کے ساتھ ایک شخص

ذرا دور سے فریدی نے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی سفاکی جھلک رہی تھی۔ فریدی نے
ایک نظر میں پہچان لیا۔ یہ شخص ڈان ونسنٹ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

خوفناک جنگ

فوج سامنے آ کر رک گئی۔ مقدس باپ وہیں سے چلایا۔

"ٹھہرو۔"

لمبے لمبے قدم بڑھاتا ہوا صفوں کے بیچ سے گزر کر وہ فاگان کے سامنے پہنچا۔

فریدی نے حیرت سے دیکھا کہ فاگان کے سپاہی بھی اسے دیکھ کر تعظیماً جھک گئے۔

"کیا چاہتے ہو۔"

"آپ کے پاس جو آدمی آئے ہیں یہ سب غدار اور بدیسی ہیں۔"

فاگان کے ساتھی ایک ساتھ چلائے۔

"یا ناتا کی چوٹی پر ڈی گاریکا کو پھانسی دو۔"

مجمع جیسے ہی خاموش ہوا مقدس باپ نے کہا۔

"ان میں سے کوئی بدیسی نہیں۔ یہ لوگ سی نورا رومولی کے ساتھ آئے ہیں۔ سی نورا رومولی جو
ہماری ہے۔ مگر تمہیں یقین نہیں ہے تو اسکا نشان دیکھ لو۔" مقدس باپ کی آواز گونجی۔ انہوں نے
بازو کی طرف اشارہ کیا۔ رشیدہ نے جلدی سے کپڑے ہٹانے شروع کیے۔ مقدس باپ وہاں سی
اور رشیدہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے چلا۔ ابھی وہ اپنی فوجوں ہی کے درمیان تھا۔

"دھائیں......!" ایک گولی سرسراتی ہوئی رشیدہ کے کان کے پاس سے نکل گئی اور جب
دوسرا فائر ہو، فریدی نے فائر کیا اور ڈان ونسنٹ کا پستول زمین پر تھا دوسری طرف سے
تار فائر شروع ہوگئے۔ مقدس باپ نے رشیدہ کی طرف دیکھا۔ دونوں نے اشارہ کیا اور ادھر
سپاہیوں نے بھی جوابی حملہ شروع کیا۔

دوپہر ہو چکی تھی۔لڑائی بڑے زور شور سے جاری تھی۔ ڈان ونسنٹ اور فاگان کے ساتھی تعداد میں زیادہ تھے مگر ادھر لوگ بھی بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ ڈی گاریکا نے حمید، فریدی، رشیدہ اور انور کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا تھا۔

لڑائی کا منظر بھیانک ہوتا جا رہا تھا۔زمین خون سے رنگ گئی تھی۔فریدی ڈی گاریکا کے جانے کے بعد وہاں سے نکلا۔قلعہ کی ایک چھوٹی سی فصیل پر بیٹھ کر اس نے جنگ کی حالت دیکھنا شروع کی۔

دونوں فوجیں ایک دوسرے میں غت پٹ ہو گئی تھیں۔ تعداد میں کم ہونے کی بناء پر محسوس کر رہا تھا کہ اب پادری کے ساتھی پیچھے ہٹ رہے ہیں اسے اپنی پشت پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا۔اس نے چونک کر دیکھا۔

''البرونو! ہم لڑائی ہار گئے۔'' ڈی گاریکا کے لہجے میں اداسی تھی۔

''مگر یہ ایک دم لڑائی کیسے چھڑ گئی۔''

''مقدس باپ اور فاگان میں بہت دنوں سے ان بن تھی اور دونوں اپنی طرف سے لڑائی میں مصروف تھے۔ ذرا سے موقع کی دیر تھی سو وہ ہاتھ آ گیا۔''

فریدی خاموشی سے سنتا رہا۔اس کی نظریں سامنے والے میدان پر تھیں۔سورج ڈوب رہا تھا اور شام کی پھیلتی سرمگیں دھندلاہٹوں میں اس کے ساتھی بھاگ رہے تھے۔ ڈان ونسنٹ اور فاگان کے ساتھی فصیل کے نیچے تک پہنچ گئے تھے۔غبار سے اٹے ہوئے میدان میں ہزاروں لاشیں دکھائی دے رہی تھیں۔فریدی کانپ اٹھا۔اتنا انسانی خون بلا وجہ بہایا گیا؟

''اب کیا ہوگا......البرونو! اب کیا ہوگا'' ڈی گاریکا کے لہجے میں بدحواسی تھی۔''تم اس کے ذمہ دار ہو......تم......؟'' وہ اچانک فریدی کے اوپر چلانے لگا۔

''نہ تم ڈان ونسنٹ کو چھوڑتے اور نہ آج ہم کو یہ دن دیکھنا پڑتا۔'' وہ رو پڑا۔

''حوصلہ رکھو ڈی گاریکا'' فریدی نے اسے اٹھایا۔

دونوں اپنے کمرے کی طرف لوٹ آئے۔

قلعہ بند کروا دیا گیا۔چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا گیا تھا۔

فریدی تھوڑی دیر تک تو حمید وغیرہ سے باتیں کرتا رہا پھر چپکے سے نکل گیا۔حمید وغیرہ پہلے تو کچھ نہ سمجھے لیکن جب فریدی کی واپسی میں دیر ہوئی تو ان کی تشویش بڑھ گئی۔

''آخر کہاں چلے گئے؟'' رشیدہ بولی۔

''اب یہ سب کچھ مت پوچھو'' حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔''آخر انہیں تمہاری تاجپوشی کا بھی تو انتظام کرنا ہے۔''

''ملکہ عالم......!'' انور سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔''یہ نالائق ٹھیک کہتا ہے۔''

''اے انور میں چانٹا مار دوں گی۔'' رشیدہ جھلا کر بولی۔

''ضرور ضرور......حضور عالی۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔''یہ بدتمیز اسی لائق ہے۔''

''حمید صاحب مہربانی کر کے......'' رشیدہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''اجی ہم صاحب واحب کہاں۔ہم تو خاصے گدھے ہیں۔'' حمید منہ بنا کر بولا۔''فریدی صاحب کے ابدّو گھوڑے صاحب ہیں۔''

وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر جھنجھلا کر کہنے لگا۔''فریدی صاحب کو تو خیر قتل ہونا ہی ہے۔ آج نہ ہوئے تو خیر کل ہی ہو جائیں گے......ارے میں......ارے میری کم بختی کیوں آتی رہتی ہے بھئی۔ارے کوئی بتانا بھئی......ارے! ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا کوئی آواز دینا میری طرف سے ارے بھائی کوئی ہے۔''

حمید اچھل اچھل کر اول فول بک رہا تھا۔جیسے اچانک دماغ خراب ہو گیا ہے۔

''ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا تھا۔'' انور اس کا گریبان پکڑ کر بولا۔''مگر اب شاید تمہاری شامت آ ہی گئی ہے۔''

''بس بس بکواس مت کرو۔'' حمید نے بگڑ کر کہا۔''سب کچھ تم دونوں کی بدولت ہوا۔ ارے غضب خدا کا کہاں یہ منحوس جزیرہ اور کہاں میں۔ارے کم بخت اتنا تو سوچو کہ ابھی تک میری شادی نہیں ہوئی۔اگر میں یہاں مارا گیا تو میرا بوڑھا باپ گھل گھل کر جوان ہو جائے گا۔ آج مجھے شہناز کی یاد بُری طرح ستا رہی ہے۔مگر نہیں توبہ لاحول ولا قوۃ......آج کل کی لڑکیاں قابل اعتماد نہیں۔اگر وہ بھی کسی جزیرے کی شہزادی نکل پڑی تو اپنا تو......!''

حمید تیزی سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

رشیدہ ہنسی کے مارے دوہری ہوئی جارہی تھی۔

"اب چپ بھی رہو۔ یہاں جان پر بنی ہے اور تمہیں یہ لغویت سوجھ رہی ہے۔" انور اکتا کر بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔" رشیدہ ہنسی روکتے ہوئے بولی۔ "آخر فریدی صاحب کی اس غیر سنجیدہ آدمی سے کیسے نبھتی ہے۔"

"تم اسے غیر سنجیدہ سمجھتی ہو۔" انور نے کہا۔ "ارے باپ رے باپ...... اتنا بھیانک آدمی میری نظر سے گزرا ہی نہیں۔ یہ ہنسی ہنسی میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو بڑے بڑے سنجیدہ ہو کر بھی نہیں کر سکتے۔ یہ کم بخت بیوقوف بن کر بیوقوف بناتا ہے۔"

"ہے آدمی پر مذاق، مگر حضرت گئے کہاں۔" رشیدہ اٹھتے ہوئے بولی۔

آدھی رات سے زائد گزر چکی تھی۔ دن بھر کی دھائیں دھائیں کے بعد اس وقت فضا پرسکون تھی جیسے طوفان آکر تھم گیا ہو۔ فریدی کا اب تک کہیں پتہ نہ تھا۔ رشیدہ دروازے کے قریب جا کر رک گئی۔ سامنے ہی ڈی گاریکا کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

"البرونو کہاں ہے؟"

"ابھی تک نہیں آیا۔"

"اچھا میرے ساتھ آؤ...... تمہیں مقدس باپ یاد کر رہے ہیں۔"

رشیدہ ڈی گاریکا کے ہمراہ اس کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

ایک بڑے سے ہال میں پادری تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ اونچے اونچے لمبے فانوس میں کافوری شمعیں جل رہی تھیں۔ صلیب کا ایک بڑا سا نشان کمرے کے اندر ماں مریم کی تصویر کے اوپر بنا ہوا تھا۔ پادری کافی متفکر نظر آرہا تھا۔

"سی نورا رومولی...... مجھے اپنی جان کا ڈر نہیں مگر یہ ہزاروں آدمی مفت مارے جائیں گے۔" اس نے اداس لہجے میں کہا۔

رشیدہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"میرے پاس ڈان ونسنٹ کا آدمی خط لے کر آیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ فاگان میری ساری شرطیں ماننے کو تیار ہے صرف مجھے ڈی گاریکا اور اس کے ساتھیوں کو تمہارے سمیت اس کے حوالے کر دینا ہوگا۔ میرے خیال میں تم لوگ بھاگ جاؤ۔" مقدس باپ کہتا رہا۔ رشیدہ کو یہاں کے تاج و تخت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تو محض فریدی کی وجہ سے چلی آئی تھی۔ فریدی کیوں آیا تھا؟ وہ یہ نہیں جانتی تھی۔ مگر پھر بھی اسے شبہ تھا کہ کوئی ایسی وجہ ضرور ہے جس کی بناء پر فریدی سر مار رہا تھا۔

"مگر ہم اب جا بھی کیسے سکتے ہیں۔ راستہ چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے۔" رشیدہ کچھ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"یہ میرا ذمہ۔" پادری نے تالی بجائی۔ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔

"سی نورا کو قلعہ کے باہر لے جاؤ۔"

رشیدہ ابھی چند قدم آگے بڑھی تھی کہ وہ آدمی ٹھٹکے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ جھکائے اور الٹے قدموں واپس چلے گئے۔ پادری کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

"نمک حرام......!" وہ چلایا۔

"ڈی گاریکا......!" وہ چیخا۔

جیسے ہی ڈی گاریکا اندر داخل ہوا وہ برس پڑا۔

"کتے...... میں تجھے جلا ڈالوں گا۔ تو میرے خلاف بھڑکاتا ہے۔ سی نورا ضرور واپس جائے گی اور تو بھی یہاں نہیں رہ سکتا۔ تم سبھوں کو اندھا کر کے نکال دیا جائے گا۔ تاکہ تم پھر یہاں نہ آسکو۔" وہ چلا رہا تھا۔ ڈی گاریکا کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

"رحم...... مقدس باپ۔" وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "میں نے جو کچھ کیا وہ آپ ہی کے اشارے پر کیا۔ مجھے سزا مت دیجئے۔ آپ جو کچھ کہیں گے وہی ہوگا۔"

"صبح چار بجے تمہیں تانبے کی کان والے راستے سے باہر نکال دیا جائے گا۔"

"اوہ خدا......!" وہ چیخا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

رشیدہ کی قوت فکر جواب دے رہی تھی۔ وہ سیدھی انور کے پاس پہنچی۔ دروازے میں داخل

ہوتے ہوئے اس نے دیکھا۔انور بے چینی سے ٹہل رہا ہے۔رشیدہ کو دیکھتے ہی وہ چیخ اٹھا۔

"دھوکا رشو! بڑا زبردست دھوکا۔اب ہم نہیں بچ سکتے۔پادری روپیہ اور اقتدار کے لالچ میں آ کر فاگان سے مل گیا۔اب کوئی دم میں ہم لوگ مار ڈالے جائیں گے۔"

چشم زدن میں رشیدہ کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا۔پادری فاگان سے ساز باز کر رہا تھا مگر اپنے سپاہیوں کے ڈر کی وجہ سے کھلم کھلا اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔اس لئے اس نے یہ کھیل کھیلا۔

"مگر تم سے یہ کس نے بتایا؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"رمونا نے۔"

"فریدی صاحب آئے۔"

"نہیں......کم بخت حمید کا بھی پتہ نہیں ہے۔"

"رشو ڈارلنگ......" اور رشیدہ اس کا منہ دیکھنے لگی۔

"مرنے سے پہلے میں ایک بار......تم سے کہہ دینا ہی چاہتا ہوں کہ......مجھے تم سے......!"

"کہتے کیوں نہیں بیٹا کہ محبت تھی اور اب اس وقت نہ کہو گے تو کب کہو گے۔" پیچھے سے آواز آئی۔رشیدہ اور انور دونوں نے چونک کر دیکھا۔حمید کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔اس کا سارا چہرہ کیچڑ میں لت پت تھا کئی جگہ سے پھٹی ہوئی قمیض سے خون رس رہا تھا۔اس کے چہرے پر بے پناہ اداسی تھی۔ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح وہ دھڑام سے کرسی پر آ گرا انور نے پہلی بار حمید کو اتنا اداس دیکھا تھا۔

"یہ کیا ہوا......؟" دونوں نے بیک وقت پوچھا۔

"انور......غالباً میں نہیں کہہ سکتا......میں یقین ہی نہیں کر سکتا......مگر مگر......!"

"ارے کہو گے بھی......!"

"خدانخواستہ فریدی صاحب شاید اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

"آئیں......!"

"ہاں انہیں تانبے کی کان میں دھکیل دیا گیا اور اس قلعے کے نیچے ڈائنامیٹ لگا دیا گیا

چار بج کر ۵۳ منٹ پر عمارت اڑا دی جائے گی۔یعنی اب سے صرف ایک گھنٹہ بعد...... فریدی صاحب کو کان میں گرتے ہوئے ایک سپاہی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور تم جانتی ہو کہ کان آگ اور لاوے کی ایک بھٹی ہے۔"

"آہ......!" وہ نڈھال ہو کر گر پڑا۔

اچانک رات کا سناٹا دھائیں دھائیں کی ہیبت ناک آوازوں سے ٹوٹ گیا۔

ساری فضا چنگاریوں اور شعلوں سے سرخ ہو گئی۔آسمان میں سرخ سرخ بڑے بڑے ...ے روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگے۔زمین دہل اٹھی اور چٹانیں اس طرح ٹوٹ کر رہ گئیں جیسے شیشے کے ٹکڑے جھنجھنا جاتے ہیں۔شور بڑھتا گیا۔آسمان پر دیوتا ننگے ہو کر تانڈو ناچ رہے تھے اور رات کی دیوی کے جبڑوں سے خون بہہ نکلا تھا۔زمین جل اٹھی تھی۔ماحول لرز کر رہ گیا تھا۔ہیبت ناک، مہیب اور بھیانک جزیرہ دھماکوں سے کانپ رہا تھا۔

فریدی کا قتل

فریدی جب باہر نکلا تو اچھی خاصی رات ہو چکی تھی۔اسے محسوس ہو رہا تھا کہ حالات نے بُری طرح شکنجہ میں کس لیا ہے۔ابھی تک اس کا سابقہ آدمیوں سے پڑتا رہا تھا مگر یہاں تو پوری حکومت سے لڑائی کا سوال تھا؟ محض اپنے اصول کی خاطر اس نے ڈان ونسنٹ کو زندہ چھوڑ دیا تھا ورنہ یہ ہنگامہ نہ ہوتا۔فریدی کو اپنے اوپر جھلاہٹ محسوس ہوئی۔کاش وہ رشیدہ کو پاتے ہی واپس چلا جاتا۔اس نے سوچا، مگر بار بار یہی خیال اس کے دل میں چٹکیاں لیتا رہتا کہ آخر وہ کون سی چیز ہے جس کی بناء پر یہاں کے باشندے دوسری دنیا سے بالکل علیحدہ رہنا چاہتے ہیں۔ پھر اس پراسرار جزیرے کے بارے میں جاننے کا شوق اسے کھینچ لایا تھا۔لیکن اتنے انسانوں کا خون دیکھ کر وہ دہل اٹھا۔اس نے فیصلہ کر لیا کہ ہر ممکن قیمت پر آج ہی کی رات میں جنگ کا خاتمہ ہو جانا چاہئے۔

فصیل کے کنارے سپاہیوں کا زبردست پہرہ تھا۔ وہ بے مقصد ادھر اُدھر گھومتا رہا۔ قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا کر دیوار پر چڑھ گیا۔ سامنے میدان میں سبز بتیاں روشن تھیں اور فصیل کے نیچے ایک چھوٹی سی ندی آہستہ آہستہ بہہ رہی تھی۔ ذرا ہی سے فاصلے پر پہاڑوں کی بلند چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائی یہ حصہ قدرے محفوظ سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ پہاڑی اور ندی سے گھرا ہونے کی بناء پر اس طرف حملہ کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔

ایک پراسرار سایہ اسے حرکت کرتا معلوم ہوا۔ وہ چونک پڑا۔ سایہ دھیرے دھیرے فصیل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جلد ہی اس نے اپنے کو ایک کنگورے کے آڑ میں چھپا لیا۔ سایہ اسی کے قریب آ کر رک گیا۔ چاروں طرف دیکھنے کے بعد اس نے اپنی کمر سے رسی کھولی اور فصیل کے نیچے لٹکا دیا اور پھر خود آہستہ آہستہ اترنے لگا۔ فریدی بڑی غور سے اس کی نقل و حرکت دیکھ رہا تھا۔ پانی میں پہنچتے ہی اس نے اپنے قدم لٹکا دیئے اور دوسرے ہی لمحے میں وہ ایک چھلانگ میں ندی کے اس پار فاگان کی فوجوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ فریدی اسے دیکھتا رہا۔ جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ کافی آگے جا چکا ہے تو اس نے بھی فصیل سے اترنا شروع کیا۔ ندی میں آدھے فٹ پانی کے نیچے ایک بہت بڑی چٹان تھی۔ فریدی نے اپنے قدم جما دیئے۔ ندی کافی گہری تھی اور پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ لیکن چوڑائی کم ہونے کی بناء پر اسے اس پار پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ چٹانوں سے ٹکراتے ہوئے اندھیرے میں وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ وہ سایہ اس سے کافی دور نکل گیا تھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر خیموں کی قطاروں کے گرد روشنی میں اور پہرے دار دکھائی دے رہے تھے۔ فریدی رک گیا۔ آگے بڑھنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ وہ فوراً پیچھے کی طرف مڑا۔ زمین پر بیٹھ کر اس نے حرکت شروع کی۔ اچانک اسے ٹھوکر لگی۔ اس نے ٹٹولا۔ فاگان کی فوج کے ایک سپاہی کی لاش تھی۔ لال وردی اور ہرے فیتے سے اس نے فوراً پہچان لیا۔ اپنا لباس اسے پہنا کر اس نے سپاہی کی وردی خود پہن لی اور اطمینان سے آگے بڑھا۔ پہرے دار چاروں طرف ٹہل رہے تھے۔ روشنی کی تیز شعاعیں چاروں طرف پڑ رہی تھیں۔ ان سے بچتا ہوا وہ ایک چھوٹے سے ٹیلے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ باوجود پہاڑی علاقہ ہونے کے اسے یہ جگہ کافی گرم محسوس ہوئی۔ اسے ایسا معلوم ہونے لگا جیسے زمین کے نیچے کھولتے ہوئے پانی کا سمندر

جوش مار رہا ہو۔ اس عجیب طریقے کی بھیانک سرسراہٹ سے تھوڑی دیر کے لئے فریدی جیسا بہادر انسان بھی سہم گیا۔ ٹیلے کی آڑ لیتے ہوئے وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس سے صرف چند گز کے فاصلے پر سپاہی رہ گئے تھے۔ خیمہ اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ خیمہ کے اوپر ایک بڑا سا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ جس پر ایک ریچھ کی شکل بنی ہوئی تھی۔ اچانک خیمہ کا پردہ اٹھا اور ایک آدمی باہر نکلا۔ فریدی نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ وہی آدمی تھا جسے اس نے قلعہ کی فصیل کی طرف حرکت کرتے دیکھا تھا۔ وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا واپس قلعہ کی طرف جا رہا تھا۔ خیمہ کا پردہ پھر اٹھا تھا اس بار دو آدمی ایک ساتھ باہر نکلے۔ فریدی چونک اٹھا۔ ان میں ایک ڈان ونسنٹ تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں کوئی چیز دبا رکھی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے ساتھ بہت سے آدمی آ گئے۔ ان سب کا رخ قلعہ کی طرف تھا۔ ٹیلے سے کچھ دور آگے جب یہ لوگ نکل گئے تو فریدی بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ فصیل سے صرف تھوڑے ہی فاصلے پر وہ رک گئے۔ فریدی اب ان کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔

''سوسارا نے دن ہی میں سب کام ختم کر لیا تھا۔'' ڈان ونسنٹ نے کہا۔ ''اس وقت وہ خبر دینے آیا تھا کہ قلعہ کے نیچے بارود بچھا دی گئی ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں کہ سوئچ یہیں پر لگا دیا جائے۔''

''نہیں...... ٹھہرو شاید مقدس باپ کو عقل آ جائے اور وہ ان سب کو ہمارے حوالے کر دے۔ پھر اس کا کیا فائدہ ہو گا۔'' ڈان ونسنٹ نے کہا۔

''اس نے ہمیں کب تک وقت دیا ہے۔'' پہلا آدمی بولا۔

''چار بج کر ۵۳ منٹ کا۔''

''تو ٹھیک تو ہے۔ چار بج کر پچپن منٹ پر سوئچ لگا دو۔ فاگان کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔'' پہلا آدمی پھر بولا۔ ''اس کا بورڈ میرے خیمے میں رہے گا۔ پادری کا آدمی وہیں آئے گا اور اس سے فیصلہ کرنے کے بعد میں سوئچ آن کر دوں گا۔ سوئچ لگانے کے بعد وہیں پر ایک دستہ تعینات کر دیا گیا۔ فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ صرف دو گھنٹے کے اندر یا تو اس کے ساتھی مار ڈالے جائیں گے یا پھر انہیں فاگان کے حوالے کر دیا جائے گا اور یقیناً وہ کسی بھی صورت میں اسے زندہ

نہ چھوڑے گا۔ فوراً وہ آگے بڑھا اور چٹانوں کی آڑ میں قلعہ کی طرف پنجوں کے بل بھاگا۔ ایک ایک منٹ بڑا قیمتی تھا۔ تھوڑی دیر تک دوڑتے کے بعد وہ ٹھہر گیا۔ فاگان کی فوجوں کا پڑاؤ کافی دور رہ گیا تھا۔ دھندلی دھندلی سبز روشنی جھلملا رہی تھی اور پادری کی فوجوں کا سرخ نشان روشنی میں جھلک رہا تھا۔ یکایک فریدی کو کسی کی چاپ سنائی دی۔ وہ فوراً بیٹھ گیا۔ پادری کی فوج کا ایک سپاہی غالباً گشت میں ادھر آ رہا تھا۔ فریدی لپک کر اس کے پاس پہنچا۔ سپاہی نے فوراً رائفل اٹھائی۔ فریدی نے ایک جھٹکا دیا اور رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی وہ اسے گھور رہا تھا جیسے پہچان رہا ہو۔

"میرا نام...... تم نے مجھے سی نورا اور ڈی گاریکا کے ساتھ دیکھا ہوگا اور اگر نہ بھی دیکھا ہو تب بھی یقین کرو کہ میں دوست ہوں۔" فریدی نے کہا۔ سپاہی اسے بدستور دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے پھر کہا۔ "مجھے اس طرح نہ دیکھو...... تم فوراً جاؤ اور ڈی گاریکا سے کہہ دو کہ پورے کا پورا قلعہ خطرے میں ہے۔ سوسارا نے قلعہ کے نیچے سرنگیں بچھا دی ہیں اسلئے سرنگیں صاف کرنا شروع کردو۔ جلدی جاؤ اور ابھی حملہ کردو۔ ڈی گاریکا سے کہہ دینا کہ یہ البرونو نے کہا تھا۔"

فریدی نے دھکا دیتے ہوئے سپاہی سے کہا۔

"سی نورا......!" سپاہی چیخا اور تیزی سے قلعہ کی طرف بھاگا۔

فریدی پھر واپس مڑا۔ خطرہ جوں کا توں سر پر تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اتنے کم عرصے میں نہ تو سرنگیں صاف کی جاسکتی ہیں اور نہ لوگ بھاگ سکتے ہیں۔ وہ پھر اسی جگہ پر آ گیا۔ سپاہیوں کا دستہ اسی طرح اپنی جگہ پر موجود تھا۔ ان سے لڑنا بھی بے سود تھا۔ اس لئے کہ بہرحال دو چار کو ختم کردینے کے بعد بھی وہ قلعہ کو نہ بچا سکتا تھا۔ اس نے دھیرے دھیرے ڈان ونسنٹ کے خیمے کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ خیمے کے بالکل پیچھے پہنچ چکا تھا۔ جیب سے چاقو نکال کر اس نے خیمہ کا پردہ پھاڑ دیا اور اندر داخل ہوگیا۔ خیمہ کے اندر کوئی نہیں تھا۔ ڈان ونسنٹ شاید کہیں باہر چلا گیا تھا۔ فریدی نے چاروں طرف سوئچ کا مین بورڈ تلاش کرنا شروع کیا۔ میز پر پڑے ہوئے ایک ڈبے پر نظر پڑتے ہی فریدی کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ وہ بڑھا اتنے میں کسی نے زور سے دھکا دیا اور وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی لڑکھڑا گیا۔ سامنے ڈان ونسنٹ کھڑا تھا۔ مدھم

زردشنی میں بھی اس کا چہرہ خوفناک نظر آ رہا تھا۔

"کون ہو تم......؟" پستول کا رخ فریدی کی طرف کرتے ہوئے وہ گرجا۔

فریدی خاموش رہا۔

"کون ہو تم بتاتے کیوں نہیں...... کیا کرنے آئے تھے؟" فریدی کا ہاتھ پکڑ کر اس نے ہلایا۔

"اوہ...... البرونو......!" ڈان ونسنٹ ہاتھ دیکھتے ہی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تم سمجھتے رہے ہوگے کہ میں اس وردی اور میک اپ کی وجہ سے نہ پہچان سکوں گا۔ میں ں کی خفیہ پولیس کا افسر اعلیٰ ہوں اور تلوار کے مقابلہ کے روز سے یہ ہاتھ مجھے ہمیشہ سے یاد ۔کیوں آئے تھے یہاں؟"

فریدی خاموش رہا۔

"اچھا لو! اب تم مرجاؤ...... شاباش...... مگر دیکھو ہنستے ہوئے مرنا۔ مجھے ایسے لوگوں سے سخت ت ہے جو مرتے وقت بھی گڑگڑانے لگیں۔" ڈان ونسنٹ نے تلخی سے کہا اور ٹریگر دبا دیا۔

فریدی زور سے اچھلا اور چشم زدن میں وہ ڈان ونسنٹ کے اوپر تھا۔ اس کا پستول گر چکا ۔وہ پھر بورڈ کی طرف لپکا مگر فائر کی آواز سن کر سپاہی خیمہ کے پیچھے حصہ کی طرف سے داخل چکے تھے۔ گولیاں چلنے لگیں تھیں۔ فریدی نے سامنے کے دروازے کی طرف رخ کیا وردی اس نے کافی فائدہ اٹھایا اور دھکا دیتے ہوئے وہ باہر نکل آیا۔ مگر چاروں طرف سے سیٹیاں لگی تھیں اور ڈان ونسنٹ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ برابر پیچھے دوڑتا آ رہا تھا۔ فریدی نے اور تیز نا شروع کیا۔ دفعتاً اسے احساس ہوا جیسے زمین کے نیچے کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ اس لوے جلنے لگے تھے۔ وہ رک گیا۔ ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھی گولی چلاتے ہوئے آگے ے آ رہے تھے۔ سامنے ایک بہت بڑے غار کا دہانہ سا دکھائی دیا۔ ایک گولی سرسراتی ہوئی اس کندھے کو چھوتی ہوئی نکل گئی۔ فریدی نے جوابی فائر کیا اور غار کی طرف نظر ڈالی۔ گرمی اور ں سے اس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ سامنے غار ایک بھٹی کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا جیسے اس بھٹی کے اندر کچھ پک رہا ہو۔ کھد بد کھد بد کی پرشور آواز سارے ماحول پر حاوی تھی۔ ب طرح کی بدبو دار بھاپ نکل رہی تھی۔ فریدی کا سارا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ اب

اس کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے اور دونوں میں موت یقینی دکھائی دے رہی تھی۔ یا تو غار میں کود پڑے اور یا ڈان ونسنٹ کے ہاتھوں کتے کی موت مارا جائے۔ اس نے پہلے کو دوسرے پر ترجیح دی اور غار میں چھلانگ لگادی۔ قلعہ کی طرف سے اسے کسی کے گولی چلانے کی آواز سنائی دی۔

اٹھتی ہوئی تیز گرم بھاپ سے ہی فریدی کو اندازہ ہوگیا تھا کہ یہاں کوئی کان ہے جیالوجی سے دلچسپی رکھنے کی بناء پر اسے پورا علم تھا کہ کچی کان کس حد تک خطرناک ہوتی ہے کودنے سے پہلے اس نے ایک بار غور سے غار کی گہرائی کو دیکھا تھا۔ گرتے ہی اندر پڑی ہوئی دراڑ کی ایک چٹان پر اس نے اپنے پیر جما دیئے۔ تقریباً سو فٹ نیچے گہرائی میں سرخ پانی بدبودار نالہ بہہ رہا تھا۔ اس کا کھولتا ہوا پانی اور نکلتے ہوئے سفید دھوئیں کی گرمی سے فریدی سانس لینا دوبھر ہوگیا۔ اندر کی لال انگارہ کی طرح سرخ چٹانیں پانی کے پڑتے ہوئے سائے اپنی سرخی کی وجہ سے زیادہ بھیانک معلوم ہو رہی تھیں۔ چٹان پر کھڑے کھڑے فریدی نے دا طرف زیادہ چوڑائی دیکھ کر کھسکنا شروع کیا۔ اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے وہ اسی کی طرف بڑ رہا۔ قدرت کا بنایا ہوا یہ راستہ بڑی دور تک اندر چلا گیا تھا۔ جب اندھیرا نا قابل برداشت ہوگیا ڈرتے ڈرتے اس نے ٹارچ جلائی۔ دو فٹ چوڑے ایک سرنگ نما راستے سے وہ گزر رہا تھا پانی کا شور اسے اب بھی ویسا ہی سنائی دے رہا تھا۔ البتہ حدت میں کچھ کمی تھی۔ فریدی چاروں طرف نظر دوڑائی اور آگے بڑھا۔ فوراً اسے اپنے اوپر ایک پتلا سا تار دکھائی دیا۔ فر خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے فوراً تار کاٹ دیا۔ ڈائنا میٹ کے مین سوئچ سے کٹ جانے کی سے اب بچھائی ہوئی سرنگ کے پھٹ جانے کا خطرہ دور ہوگیا تھا۔ اسی تار کی سمت فریدی بھی پڑا۔ ظاہر تھا کہ یہ راستہ قلعہ کے اندر تک جاتا تھا۔ اسی سرنگ کے اندر فریدی کافی دور تک نکل تھا۔ صاف ہوا نہ ملنے سے اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ سانس پھول گئی تھی۔ اس کا سر چکرانے چاروں طرف اسے شور سا سنائی دینے لگا۔ جیسے پانی کی بہت تیز دھار اوپر سے گر رہی ہو۔ لگا اسے بڑی زور کا چکر آیا۔ اس نے سنبھلنا چاہا بغل والی دیوار پر اس کا ہاتھ پڑا اور بھربھرا کر ہوئے تودے نیچے گرنے لگے۔ فریدی سنبھل کر نیچے سے ہٹا..... ہوا کا ایک تیز جھونکا اندر

فریدی کے حواس کچھ درست ہوئے۔ اس نے دیکھا چند ہی قدم پر سرخ پانی کی ایک تیز دھار اوپر سے گر رہی تھی اور پانی نیچے کی طرف گر کر نالہ کی شکل میں بہہ رہا تھا۔ اٹھتی ہوئی گیس نے اتنا زبردست اندھیرا پھیلا رکھا تھا کہ فریدی اس کے علاوہ کچھ اور نہ دیکھ سکتا تھا۔ اچانک اسے نمی سی محسوس ہوئی۔ پانی جیسے اسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بے تحاشہ اس نے پیچھے کی طرف بھاگنا شروع کیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بڑی بڑی چٹانیں بھی دھکیلتا گیا۔ اس طرف بھاری بھاری پتھر اپنے آپ لڑھک رہے تھے۔ وہ جیسے جیسے پیچھے ہٹتا گیا سرنگ پیچھے کی طرف دبتی جارہی تھی۔ پانی اب نیچے کی طرف گرنے کی بجائے پھیل رہا تھا اور گیس بھر رہی تھی۔ یہ کان پھٹ جانے کے آثار تھے۔ فریدی نے اور تیزی سے پیچھے بھاگنا شروع کیا۔ وہ پھر غار کے دہانہ تک آ گیا تھا۔ گرمی اور حدت سے اس کا بدن پھنکا جارہا تھا۔ اس نے اوپر کی طرف اچھلنا چاہا۔ ذرا سا اندازہ غلط ہونے پر وہ نیچے گر جاتا۔ اس نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ اسے زمین ہلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ سارا زور لگا کر وہ اوپر کی طرف اچھلا اور ایک سانس میں وہ باہر تھا۔ غار سے باہر نکلتے ہی اسے اپنے قدم لڑکھڑاتے ہوئے معلوم ہوئے سارا زور لگا کر وہ چلایا۔

”بھاگ جاؤ...... کان پھٹ رہی ہے۔“ چیختے ہوئے وہ بے تحاشہ بھاگا۔ بڑے زور کا دھماکہ ہوا اور فریدی نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ ایک جھٹکا اور لگا فریدی چکرا کر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔

”لگاتار دو تین گھنٹے تک دھماکے ہوتے رہے۔ زمین دہل کر اپنے سینے کے اندر چھپائے ہوئے خزانہ کو اگلتی رہی۔ بڑی بڑی چٹانیں روئی کے گالوں کی طرح اڑ گئیں۔ فاگان کی فوجیں کان پھٹنے سے تھوڑی دیر قبل اسی راستے پر قلعہ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ کان پھٹتے ہی اردگرد آدھے میل تک کی زمین پھٹ گئی۔ قلعہ کی فصیل تک گر پڑی مگر قلعہ محفوظ رہا۔

فریدی کو جب ہوش آیا تو صبح ہو چکی تھی۔ طوفان رک گیا تھا۔ اس جگہ سے صرف چند گز کے فاصلے پر ساری زمین ایک بھیانک خندق نما غار میں بدل گئی تھی۔ پانی اوپر تک ابھر آیا تھا۔ فاگان کے ساتھی جس جگہ پر اپنا پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے وہاں سوائے گہرے مہیب غار کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ فریدی کا سارا جسم دکھ رہا تھا۔ اس کے بدن پر آبلے پڑ گئے تھے۔ اس سے اٹھا نہ

جاتا تھا۔ ہمت کر کے وہ اٹھا اور گھسٹتے گھسٹتے قلعہ کی طرف چلا۔ قلعہ کی سامنے والی دیوار گر پڑی تھی اور اب صرف ایک لمبا سا راستہ نظر آ رہا تھا۔ فریدی نے دیکھا اس کی طرف کوئی آ رہا ہے۔ فریدی اسے دیکھتے ہی چیخا۔

''حمید!''

آواز سنتے ہی حمید نے بھاگنا شروع کیا۔ فریدی کے قریب آ کر وہ ٹھٹک گیا۔

''ارے......!'' حمید فریدی کی شکل دیکھ کر چلا اٹھا۔

''گھبراؤ نہیں...... میرا میک اپ بگڑ گیا ہے۔'' فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہم سب لوگ تو آپ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ مگر مجھے یقین تھا کہ فریدی کو ابھی آغوش میں لینے کی ہمت زمین میں نہیں ہے۔'' حمید بولا۔ ''ذرا ٹھہریئے میں اور لوگوں کو بلا لوں۔''

تھوڑی ہی دیر بعد ڈی گاریکا، رمونا، انور اور رشیدہ آ گئے۔ ڈان ونسنٹ اور فاگان کے ہزار ہا ساتھی کان پھٹ جانے سے لقمہ اجل ہو گئے۔ قلعہ کی دیوار کے نیچے دب کر پادری بھی مر گیا تھا۔ رشیدہ نے قلعہ کی اندر کی فوج کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔

تین روز کے اندر فریدی کے زخم بھر گئے۔ پروگرام کے مطابق دوسرے ہی دن شہریوں کے عام جلسہ میں رشیدہ نے باقاعدہ طور پر رمونا کو نئی فاگانیہ بنانے کا اعلان کیا۔ ڈی گاریکا کو مقدس باپ کی جگہ دی گئی۔

اسی روز فریدی نے ڈی گاریکا کو بلا کر کہا۔ ''اب ہم لوگ جائیں گے۔''

''اور میں بھی انہیں لوگوں کیساتھ جاؤں گی۔'' رشیدہ نے کہا۔

''نہیں...... سی نورا تم نہ جاؤ۔'' ڈی گاریکا بولا۔

''میں ضرور جاؤں گی...... نئی فاگانیہ رمونا میری جگہ تمہارا ساتھ دے گی۔ مجھے جانے دو۔ میں یہاں نہیں رہ سکتی۔''

ڈی گاریکا اصرار کرتا رہا۔ لیکن رشیدہ کسی طرح ٹھہرنے پر تیار نہیں ہوئی۔

''میں...... میں بھی البرونو کے ساتھ جاؤں گی۔'' رمونا جذبات سے بھرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''تمہارے وطن کو تمہاری ضرورت ہے اور وطن کی خاطر سب کچھ قربان کر دینا چاہئے۔'' فریدی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''البرونو......!'' اس نے فریدی کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اسکی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ ''تم ہمیں یاد رکھو گے۔''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے۔'' فریدی نے گڑبڑا کر کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ حمید نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔

دوسرے روز حمید انور رشیدہ اور فریدی کو پورے شاہی اہتمام کے ساتھ ڈی گاریکا اور رمونا نے رخصت کیا۔ جزیرہ واٹلنگ سے آگے نکل کر حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ فریدی کیبن سے ٹیک لگائے بیٹھا پراسرار جزیرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہ آ سکی۔ آخر رشیدہ کے مل جانے کے بعد پھر ڈی گاریکا کے ساتھ آپ کیوں گئے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ایک تو نئی دنیا دیکھنے اور دریافت کرنے کا شوق......!''

''غالباً آپ دوسرے کولمبس بننا چاہتے تھے۔'' حمید نے فریدی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''نہیں یہ بات تو نہیں۔ مگر پھر بھی یہی سمجھ لو۔ اس کے علاوہ ایک بات کا شبہ تھا اور وہ درست نکلی۔''

''وہ کیا......؟'' حمید انور رشیدہ ایک ساتھ بولے۔

''لندن میں میں نے ماہر ارضیات سے سنا تھا کہ واٹلنگ کے آگے ایک پراسرار جزیرے میں پلاٹینم اور تانبے کی کانیں ہیں اور جزیرے میں اترتے ہی مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ یہی وہ جزیرہ ہے جہاں رشیدہ مجھے ملی تھی وہیں میں نے پلاٹینم کے ذرات پائے تھے، تم جانتے ہو دنیا کی سب سے قیمتی دھات پلاٹینم ہوتی ہے۔''

فریدی رکا، انور، رشیدہ اور حمید ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ''وہ کانیں جو پھٹی تھیں وہ پلاٹینم اور تانبے کی تھیں۔ یقین کروان سے اتنی پلاٹینم پیدا کی جاسکتی ہے جتنی پوری دنیا اس وقت پیدا کررہی ہے۔ عنقریب بین الاقوامی کمیشن کے تحت وہاں کام شروع کرادوں گا۔''

فریدی خاموش ہوگیا اور جیب سے سگار نکال کر اس کا کونہ توڑنے لگا۔ ہچکولے لیتے ہوئے کشتی نیلگوں پانی کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتی جارہی تھی۔

تمام شد